تفہیمُ الاحادیث

تفہیم القرآن اور مولانا مودودیؒ کی دوسری تحریروں میں مذکور
احادیث اور فقہی احکام ومسائل کی ترتیب وتخریج

جلد اوّل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترتیب و تخریج
مولانا عبدالوکیل علوی

فہرست عناوین

کتاب التوحید

فصل اوّل: توحید اور اس کے تقاضے

فصل دوم: چند مخصوص صفاتِ باری تعالیٰ

فصل سوم: الاسماء الحسنٰی

فصل چہارم: شرک اوراس کے نتائج واثرات

فصل پنجم: قضاء وقدر

فصل ششم: ذاتِ باری تعالیٰ احادیث کی روشنی میں

فصل ہفتم: آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند باتیں

قارئین محترم کی خدمت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و قلم کے شاہ کار تفہیم الاحادیث کا زیرنظر حصہ پیش کرتے ہوئے ہمیں یک گونہ خوشی و مسرت محسوس ہورہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کے لیے اس کے بے حد شکرگزار ہیں کہ اس نے ہمیں اکیسویں صدی کے بالکل آغاز میں اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب پیش کرنے کی توفیق بخشی۔ ہمیں یقین ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کی طرف سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کی اس پیش کش کا خیر مقدم کیا جائے گا اور حدیث کے اس مبارک سلسلے کو تمام انسانوں تک پہنچانے اور انھیں پیغام رسولؐ سے روشناس کرانے میں مکتبے کے ساتھ بھرپور تعاون کا مظاہرہ ہوگا۔

تفہیم الاحادیث مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ یہ ان احادیث کا مجموعہ ہے، جو مولانا محترم نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفہیم القرآن'' اور بعض دوسری تصانیف میں حسب موقع نقل کی ہیں۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جس نہج پر اپنی مقبول عام تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی چھے جلدیں تحریر کی تھیں، بالکل اسی نہج پر وہ احادیث پر بھی کام کرنے کا عزم مصمّم کر چکے تھے۔ نہ صرف عزم مصمم کر چکے تھے، بلکہ انھوں نے اس کام کے لیے ایک ابتدائی خاکہ بھی تیار کرلیا تھا ـــــ لیکن اچانک وہ بیمار ہوگئے، پھر بیماریوں کا سلسلہ اتنا طویل ہوتا گیا کہ انھیں اس سے نجات ہی نہ مل سکی۔ اسی بیماری میں ان کی مہلتِ عمر بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد یہ کام التوا میں پڑ گیا۔ وفات کے کافی دنوں کے بعد مولانا محترم کے رفیق خاص مولانا خلیل احمد حامدیؒ ڈائریکٹر ادارۂ معارف اسلامی منصورہ کو اس کام کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے ذمے داروں اور دوسرے ارباب علم و دانش کے مشوروں سے علوم اسلامیہ اور عربی ادب کے فاضل مشہور عالم و محقق مولانا عبدالوکیل علوی کو یہ ذمّے داری تفویض کی کہ وہ تفہیم القرآن اور دوسری تصانیف کی مدد سے مولانا محترم کے بنائے ہوئے خاکے میں رنگ بھریں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے پورے کام کا ازسرنو خاکہ تیار کیا اور ضروری کتب فراہم کرکے کام کا آغاز کردیا۔

مولانا عبدالوکیل علوی کا نام تحریکی حلقے کے لیے غیر معروف و اجنبی نہیں ہے۔ وہ عربی ادب کے مایۂ ناز فاضل، اسلامی علوم کے ذہین عالم اور صاحب طرز اہل قلم کی حیثیت سے تعارف رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے مولانا مودودیؒ کی تصانیف کی مدد سے وہ متعدد ترتیبی و تخریجی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ سیرت سرور عالم کی دو جلدیں ان کی ترتیبی و تخریجی صلاحیت کی بہترین نمایندگی کرتی ہیں۔

مولانا عبدالوکیل علوی نے اس کام میں کتنا وقت صرف کیا ہے، انھوں نے احادیث کی چھان بین اور ترتیب و تخریج میں کتنی عرق ریزی اور دقّتِ نظر سے کام لیا ہے، یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔ پڑھنے والے خود ہی اس کا ادراک کرلیں گے۔ ''مشک آنست کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار بگوید'' اصلی مشک خود اپنی مہک سے پہچان لیا جاتا ہے، اس کے لیے کسی عطار کی تعریف و توصیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کی اس کوشش کو شرفِ قبول سے نوازے، تمام انسانوں کے لیے اِسے نفع بخش بنائے اور اس کی تیاری میں جن رفقاء اور کارکنوں نے حصہ لیا ہے، انھیں حدیثِ رسولؐ کی خدمت کی برکات سے سرفراز کرے۔

ناشر

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی

عرضِ مرتب

الحمدللہ تفہیم الاحادیث کے جس کارِ عظیم کو آج سے چند سال قبل شروع کیا گیا تھا، اسے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ سعادت محض خالق ارض وسما کے فضل وکرم اور اس کی توفیق خاص کی مرہون منت ہے۔ ورنہ ایں سعادت بہ زور بازو نیست۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے کٹھن مراحل سے گزر کر ساحل تکمیل تک پہنچنے کی اپنی حد تک ایک کاوش کی گئی ہے۔ جب یہ کام شروع کیا گیا تب اندازہ ہوا کہ ایک ٹھوس علمی وتحقیقی کتاب اپنی طرف سے مدون ومرتب کرنے کے مقابلے میں مولانا محترم رحمتہ اللہ علیہ کے پورے ذخیرۂ کتب میں سے عبارتیں نکال کر کوئی کتاب ترتیب دینے کا کام کتنا محنت طلب ہے۔ تفہیم القرآن کی چھے جلدوں کے ساتھ ساتھ مولانا کے وسیع لٹریچر کو ایک خاص نقطۂ نظر سے پڑھنا، تمام احادیث کے متون، تراجم، تشریحات اور فقہی مسائل کی الگ الگ نشان زدگی، پھر اس کی تشریح کے لیے مفید مطلب مناسب وموزوں عبارات پر نشان لگانا، ان کی نقول تیار کرنا اور سب سے آخر میں ان کی بہ اعتبارِ ابواب وفصول ترتیب اور ان کی عنوان بندی، یہ سارا کام اتنا صبر آزما تھا کہ بار بار دامن ہمت تار تار ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا رہا۔ مگر ایسے مواقع پر فضل ایزدی نے ڈھارس بندھائی اور کام جاری رہا۔ الحمدللہ آج اس کاوش اور سعی وجہد کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔

تالیف وتدوین کا یہ کام اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے جتنا اہم اور عظیم ہے، اپنے حجم کے لحاظ سے اُسی قدر ضخیم بھی۔ اس کام کی تکمیل پر کس قدر محنت کی گئی یا کتنی عرق ریزی سے یہ کام انجام پایا؟ اس کا صحیح اندازہ صرف انہیں کو ہو سکتا ہے، جنہوں نے کبھی اس وادیٔ پرخار میں قدم رکھا ہو۔ مولانا کی تصانیف میں سے انتخاب کر کے جو مواد نقل کیا گیا، وہ سیکڑوں نہیں بل کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام احادیث جمع کی گئی ہیں، جنہیں مولانا محترم نے اپنے پورے لٹریچر میں استعمال کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اسے نقل کرنے سے پہلے پورے کا پورا لٹریچر ایک خاص نقطہ نظر سے پڑھا گیا، عبارات پر نشان لگایا گیا اور واضح کیا گیا کہ یہ حدیث کا متن ہے اور یہ اس کا ترجمہ وتشریح۔ جن احادیث سے فقہی مسائل مستنبط کیے گئے، ان پر الگ نشان لگایا گیا اور متنِ حدیث کی بجائے کہیں محض ترجمہ ملا تو اسے بھی نکال لیا گیا۔

مولانا محترم نے زیادہ تر مقامات پر احادیث نقل کرتے وقت صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ فلاں حدیث بخاری ومسلم میں ہے یا متفق علیہ یا ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح احادیث کی دوسری کتب کے حوالے بھی دیے ہیں، مگر بخاری ومسلم نے اس حدیث کو کس کتاب میں، کس فصل یا باب میں اور کس عنوان کے تحت یا کتاب کے کس صفحے پر روایت کیا ہے؟ اس کا التزام کم ہی کیا جا سکا ہے۔ پھر مولانا محترم نے اکثر مقامات پر حدیث کا صرف اتنا ہی جز نقل کیا ہے، جتنا انہیں اس مقام کے لحاظ سے استشہاد کے لیے مطلوب تھا۔ پوری حدیث نقل نہیں کی اور پوری سند تو بہت ہی کم نقل ہو سکی ہے۔

اس نقل شدہ مواد کو ایک مفید کتاب کی صورت میں مرتب ومدون کرنے کے لیے ان تمام نقل شدہ احادیث کی سندیں شامل کی گئیں۔ جہاں حدیث کا ایک جزو استعمال کیا گیا، وہ پوری حدیث مع سند نقل کی گئی تا کہ قاری یہ جان سکے کہ یہ

کس حدیث کا جزو ہے یا کس محدث نے اپنی کس کتاب اور اس کتاب کے کس باب یا فصل میں اور کس عنوان کے تحت روایت کیا ہے وغیرہ۔ اور حدیث کے بارے میں محدث کی محدثانہ رائے کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے، صحیح، حسن یا ضعیف وغیرہ بھی درج کی گئی ہے۔ مزید برآں ایسی احادیث بھی شامل کی گئی ہیں، جو ان کے مفہوم کی تائید کرتی ہیں، جنہیں مویدات کہہ سکتے ہیں۔ اس مفید اضافے سے اصل مواد کی ضخامت تو واقعۃً بڑھ گئی مگر فوائد میں بے حساب اضافہ بھی ہوا ہے۔

حدیث کی تخریج کے لیے جو اصول پیش نظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے:

سب سے پہلے حدیث کو (بخاری و مسلم) میں تلاش کیا گیا۔ اگر وہ ان میں مل گئی اور دونوں کے الفاظ بھی یکساں ملے تو اس صورت میں سند اور متن حدیث صحیح بخاری کا لیا گیا اور حوالے میں متفق علیہ درج کیا گیا ہے۔ اگر صحیحین کی روایت میں معنوی یکسانی تو موجود ہے مگر لفظی اختلاف ہے تو اس صورت میں بھی سند اور متن حدیث صحیح بخاری کا لیا گیا ہے اور صحیح مسلم کا اختلاف اور فرق الگ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ اگر مولانا محترم نے خود ہی صحیح مسلم کی روایت لی ہے تو پھر اصل متن اسی روایت کو قرار دیا گیا ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں جو اختلاف ہے، اسے واضح کر کے اس کا حوالہ دیا گیا ہے اور اگر مولانا نے صحیحین کے علاوہ باقی کتب اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں سے کسی کا حوالہ دیا ہے اور وہ حدیث صحیحین میں سے کسی ایک میں بھی قدرے لفظی اختلاف یا فرق کے ساتھ موجود ہے تو اس صورت میں اصل ماخذ بیان کرنے کے بعد صحیحین کا حوالہ اور فرق و اختلاف بھی درج کرنے کی محتاط کوشش کی گئی ہے۔ اگر کوئی حدیث صحیحین میں نہ ملی تو پھر ابوداؤد کی روایت کو ترجیحاً نقل کیا گیا ہے۔ اگر ابوداؤد اور دیگر کتب میں بھی کوئی حدیث موجود ہے تو اصل متن کے طور پر ابوداؤد کی روایت درج کی گئی ہے اور باقی ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر کتب کے حوالے درج کیے گئے ہیں۔ حوالوں کے بارے میں میری یہ کوشش رہی ہے کہ حتی الوسع ایک حدیث کے زیادہ سے زیادہ ممکن الحصول ماخذ و مصادر درج کیے جائیں۔ اصل کتب ماخذ جتنی مجھے دستیاب ہو سکیں، ان سب کے حوالے دینے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ تخریج مواد، اس کو نقل کرنے، عبارات پر اعراب لگانے اور اضافہ شدہ عربی عبارات کا ترجمہ کرنے کے بعد نقل شدہ مواد کی روشنی میں اسے ایک کتابی صورت میں لانے کے لیے اس کی پہلے ابواب بندی کی گئی اور پھر انہیں فصول اور مختلف عناوین کے تحت تقسیم کیا گیا۔ پھر ذیلی عنوانات قائم کیے گئے۔ بعد ازاں حوالہ جات اور احادیث کے نمبر لگائے گئے اور ان حوالوں کو اپنے اپنے مقام پر درج کیا گیا تاکہ قاری کو اگر کسی عبارت کے اصل ماخذ کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بغیر کسی دشواری اور پریشانی کے اصل ماخذ سے رجوع کر سکے۔

آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں کہ اس کام کو اللہ تعالیٰ کے حضور شرف قبول حاصل ہو اور یہ مولانا محترم کے لیے بلندی درجات کا باعث بنے۔

وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

عبدالوکیل علوی

مقدمہ

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک اللہ کا کلام، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا، بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا تا کہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم و ملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا، اور نہ وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا۔ کتاب کو نبی سے الگ کر دیجیے تو وہ ایک کشتی ہے، ناخدا کے بغیر، جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں، منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور نبی کو کتاب سے الگ کر دیجیے، تو خدا کا راستہ پانے کے بجائے آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں ہی نتیجے پچھلی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ ہندوؤں نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کو گم کیا اور صرف کتابیں لے کر بیٹھ گئے۔ انجام یہ ہوا کہ کتابیں ان کے لیے گورکھ دھندوں سے بڑھ کر کچھ نہ رہیں۔ حتیٰ کہ آخر کار خود انھیں بھی وہ گم کر بیٹھے۔ عیسائیوں نے کتاب کو نظر انداز کر کے نبی کا دامن پکڑا اور اس کی شخصیت کے گرد گھومنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چیز انھیں نبی اللہ کو ابن اللہ بلکہ عین اللہ بنانے سے باز نہ رکھ سکی۔

پرانے ادوار کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمت اسلام میسر آنے کے دو ہی ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آ رہے ہیں، ایک خدا کا کلام جواب صرف قرآن پاک کی صورت ہی میں مل سکتا ہے۔ دوسرے اسوۂ نبوت جواب صرف محمد عربی ﷺ کی سیرتِ پاک ہی میں محفوظ ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو محمد ﷺ سے اور محمد ﷺ کو قرآن سے سمجھے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا، اس نے اسلام کو سمجھا۔ ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور نتیجتاً ہدایت سے بھی۔

پھر قرآن اور محمد ﷺ دونوں چوں کہ ایک مشن رکھتے ہیں، ایک مقصد و مدّعا کو لیے ہوئے آئے ہیں، اس لیے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد و مدّعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو نظر انداز کر کے دیکھیے تو قرآن عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرت پاک، واقعات و حوادث کا ایک مجموعہ ہے۔ آپ لغت اور روایات اور علمی تحقیق و کاوش کی مدد

سے تفسیروں کے انبار لگا سکتے ہیں اور تاریخی تحقیق کا کمال دکھا کر رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین اور وسیع ترین معلومات کے ڈھیر لگا سکتے ہیں، مگر روح دین تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ عبارات اور واقعات سے نہیں بلکہ اس مقصد سے وابستہ ہے جس کے لیے قرآن اتارا گیا اور محمد عربی ﷺ کو اس کی علم برداری کے لیے کھڑا کیا گیا۔ اصل مقصد کا تصور جتنا صحیح ہوگا، اتنا ہی قرآن اور سیرت کا فہم صحیح، اور جتنا وہ ناقص ہوگا، اتنا ہی ان دونوں کا فہم ناقص رہے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن اور سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں ہی بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم حاصل کرے اور ان کی مدد سے روحِ دین تک رسائی پائے۔

دنیا کے تمام ہادیوں میں یہ خصوصیت صرف حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپؐ کی تعلیم اور آپؐ کی شخصیت ۱۴ صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہوگیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہوگیا ہے۔ انسان کی اوہام پرستی اور اعجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی، جو کمال کے سب سے اعلیٰ درجے پر پہنچ چکی تھی، افسانہ بنا کر الوہیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بجائے محض ایک تحیّر و استعجاب اور عبادت و پرستش کا موضوع بنا لیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثتِ انبیاء کے آخری مرحلے میں ایک ایسا ہادی اور رہنما بھیجنا منظور تھا، جس کی ذات انسان کے لیے دائمی نمونۂ عمل اور عالمگیر چشمۂ ہدایت ہو۔ اس لیے اس نے محمد بن عبداللہ ﷺ کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا جو جاہل معتقدوں کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیانِ اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے ـــــ آپ کے صحابہ و تابعین اور بعد کے محدثین نے پچھلی امتوں کے برعکس، اپنے نبی کی سیرت کو محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے ـــــ ہم آپ کی شخصیت کو چودہ سو برس گزر جانے پر بھی آج تقریباً اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے خود آپ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔

حدیث اور قرآن کا باہمی تعلق

قدیم وجدید دور کے منکرین حدیث کی جانب سے انکار حدیث کے سلسلے میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے لیے صرف قرآن کافی ہے۔ حدیث کی روایات ناقابلِ اعتبار ہیں اور ان پر مذہب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ (گویا) منکرین حدیث کی رائے میں حدیث سے اسلام کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کے برعکس اسی چیز نے دشمنان اسلام کو وہ اسلحے فراہم کیے ہیں، جن سے وہ اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی خواہش ہے کہ اسلام سے حدیث کو بالکل خارج کر دیا جائے اور اس کو وہ اسلام کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطے سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یکا یک زمین پر اتار دیتا اور ان کا ایک ایک نسخہ نوع بشری کے ہر ہر فرد کے پاس آپ سے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا، اس کو خدا ہی کیوں مانیے؟ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے نشر واشاعت کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ یہ تو بظاہر ہدایت کا یقینی ذریعہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بین خرق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ ہدایت خدا کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن خدا نے ایسا نہ کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعہ سے کتابیں بھیجتا رہا۔ پھر اس رسالت کے کام پر بھی اس نے فرشتوں یا دوسری غیر انسانی ہستیوں کو مامور نہ کیا۔ بلکہ ہمیشہ انسانوں ہی کو اس کے لیے منتخب فرمایا۔ ہر زمانے کے کفار نے بہتیرا کہا کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو فرشتے کیوں نہیں بھیجتا، تاکہ ہم کو بھی اس پیغام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین آ جائے۔ مگر خدا نے ہر ایسے سوال پر یہی فرمایا کہ اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو آدمی بنا کر بھیجتے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ (انعام:۹) اور یہ کہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لیے فرشتے بھیجتے۔ لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل:۹۵)

سوال یہ ہے کہ تنزیلِ کتب کے لیے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لیے تمام بندگان خدا میں سے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ دیتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں اور لوگ ان کے احکام کی اطاعت کریں۔ وہ الٰہی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور لوگ انہی کے نمونہ کو دیکھ کر اس کا اتباع کریں، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء:۶۴) انبیاء علیہم السلام پے در پے آئے اور ہر ایک نے لوگوں سے یہی مطالبہ کیا کہ خدا سے ڈرو

اور میری اطاعت کرو۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡن۔ (الشعراء: ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹) نبی علیہ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ۔ (آل عمران: ۳۱) مومنوں سے کہا گیا کہ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ (احزاب: ۲۱) اگر محض کتاب اللہ اتار دی جاتی اور کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا۔ لوگ احکام کے منشا سمجھنے میں غلطیاں کرتے اور کوئی ان کو صحیح منشا بتانے والا نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو خیر ایک حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے، مگر پاکیزگی، طہارت اور تقویٰ کے احکام پر لوگ یہ خیال کرتے کہ عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ فرشتہ تو انسانی جذبات سے محروم ہے۔ پیٹ نہیں رکھتا۔ شہوانی قوتیں نہیں رکھتا۔ انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے لیے متقیانہ زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں۔ مگر ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے اس کی تقلید کیسے کریں؟ اس لیے ضروری تھا کہ ایک انسان انھی جذبات و داعیات اور انھی تمام قوتوں اور انسانی تقیدات کے ساتھ زمین پر آتا اور لوگوں کے سامنے احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر کے بتاتا کہ اس طرح انسان خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر سکتا ہے۔ اس کو زندگی کے وہ تمام معاملات پیش آتے جو انسان کو پیش آتے ہیں۔ وہ ان تمام معاملات میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا، عملاً حصہ لیتا، قدم قدم پر ان کو اپنے عمل اور اپنے قول سے ہدایات دیتا، ان کی تربیت کرتا، اور انھیں بتاتا کہ زندگی کی پیچیدہ راہوں میں سے کس طرح انسان بچ کر حق اور نیکی کے سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تنہا کتاب اللہ کو کافی نہ سمجھا اور رسولؐ اللہ کی اتباع اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔

قرآن شریف میں صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکم خدا، دوسرے حکم رسول، تیسرے مسلمان حکام اور فرمانرواؤں کے احکام اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ۔ (النساء: ۵۹) اگر محض قرآن کا اتباع کافی ہوتا اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کے اتباع کی حاجت نہ ہوتی تو رسول اور حکّام (اولی الامر) کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ اگر رسول اور اولی الامر کا حکم قرآنی احکام کے ماسوا کوئی شے نہ ہوتا، تب بھی بقیہ دونوں کی اطاعت کا حکم الگ دینا بے معنی تھا۔ تین چیزوں کی اطاعت کا الگ الگ حکم دینا صاف بتاتا ہے کہ قرآن میں جو احکام براہِ راست اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں، ان کے علاوہ وہ احکام بھی واجب الاطاعت ہیں جو رسولؐ اللہ دیں، اور ان کی اطاعت بعینہٖ ایسی ہے جیسی اللہ کی اطاعت مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (النساء: ۸۰) پھر ان کے ماسوا جو احکام مسلمانوں کے اولی الامر دیں ان کی اطاعت بھی لازم ہے بشرطیکہ ان کے احکام خدا اور رسول کے احکام سے اصولی مطابقت رکھتے ہوں۔ اختلاف کی صورت میں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دی ہوئی ہدایات کی طرف رجوع کیا جائے۔ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ۔ (النساء: ۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقابل انقطاع ہے، اور احکامِ رسول کی اطاعت اور اسوۂ رسول کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ کو لیں گے اور حکم رسول اور اسوۂ رسول کو نہ لیں گے وہ رسالت سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہے۔ وہ اس واسطہ کو کاٹتا ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور اپنی کتاب کے درمیان ایک لازمی واسطہ کے طور پر قائم

فرمایا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ خدا کی کتاب اپنے بندوں کے لیے کافی تھی مگر خدا نے بلاضرورت یہ فعل عبث کیا کہ کتاب کو رسول کے ذریعہ سے نازل فرمایا۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا لازمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد اب اس سوال پر غور کیجیے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی صرف ان کی حیات جسمانی تک ضروری تھی؟ ان کے بعد اس کی حاجت باقی نہیں رہی؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت صرف اس عہد کے لیے تھی جس میں آپ جسم کے ساتھ زندہ تھے۔ آپ کے رحلت فرماتے ہی آپ کی رسالت کا تعلق عملاً دنیا سے منقطع ہو گیا۔ اس صورت میں رسالت کا منصب بے معنی ہو جاتا ہے۔ رسول کا کام اگر محض ایک نامۂ بر کی طرح کتاب اللہ کو پہنچا دینا تھا، اور اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی تو ہم پھر وہی کہیں گے کہ اس صورت میں رسول کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ کام کوئی فرشتہ کر سکتا تھا، بلکہ اسے بلاواسطہ بھی کرنا ممکن تھا۔ لیکن اگر کتاب پہنچا دینے کے علاوہ بھی کسی شے کی ضرورت تھی اور اسی کے لیے اتباع کے احکام دیے گئے تھے، اور اگر ہدایت نوعِ بشری کے لیے قرآن کے ساتھ رسول کی ہدایات اور سیرت نبوی کے عملی نمونے کی بھی ضرورت تھی، تو پھر یہ سب کچھ صرف تئیس چوبیس سال کے لیے ہونا کیا معنی؟ محض ایک صدی کے چوتھائی حصہ کے لیے ایک رسول مبعوث کرنا اور اتنی سی مدت کے لیے رسالت کا اتنا بڑا منصب قائم کرنا، اور ایک چیز کو جو رسول کے جسم و جان کا تعلق منقطع ہوتے ہی دنیا کے لیے غیر ضروری ہو جانے والی تھی، اتنی شدومد کے ساتھ ذریعۂ ہدایت قرار دینا، یہ سب بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے جو خدائے حکیم و دانا کے ہرگز شایان شان نہیں ہے۔

اس الزام کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رفع کر دیا ہے۔ وہ محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ (انبیاء: ۱۰۷) ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیضان رسالت صرف اپنے زمانے تک کے لیے ہوتا تو آپؐ کو رحمۃ للعالمین نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ آپ قرآن لائے ہیں جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور اسی لیے آپ رحمۃ للعالمین ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ رحمت نہ تھے بلکہ رحمت تو قرآن تھا اور آپؐ کو خواہ مخواہ رحمت کہہ دیا گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو الگ رحمت فرمایا ہے اور اس کے لانے والے کو الگ۔ پھر یہ جو فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (السبا: ۲۸) یہ ارشاد صاف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت سے لے کر قیامت تک جن بندگانِ خدا پر ''الناس'' کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کے لیے آپؐ خدا کے رسول ہیں۔ آپؐ کی رسالت کسی خاص زمانہ کے لیے نہیں ہے بلکہ جب تک روئے زمین پر ''الناس'' بستے ہیں اس وقت تک آپؐ کی رسالت قائم ہے۔ آیت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ''الناس'' سے صرف اسی زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ نہ ایسا کوئی خفیف سے خفیف اشارہ موجود ہے جس سے بعد کے کسی زمانہ تک کی قید نکلتی ہو۔ بخلاف اس کے دوسری آیات اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں کہ حضورؐ کی رسالت دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کے ذریعہ سے دین کی تکمیل کر چکا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (مائدہ: ۱۳) حضورؐ کی ذات پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (احزاب: ۴۰) اور دوسرے انبیاء کی لائی ہوئی کتابوں کے بخلاف آپؐ کی لائی ہوئی کتاب کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کیا گیا ہے، کیونکہ پہلی کتابیں مخصوص زمانوں کے لیے ہدایت تھیں اور یہ دائمی ہدایت ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لیے ہے اور جب ایسا ہے تو وہ تمام آیات اور احکام بھی ہمیشہ کے لیے ہیں جن میں آنحضرتؐ کے احکام کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے، آپ کی ذات کو اسوۂ حسنہ بتایا گیا ہے، آپ کے اتباع کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ کہا گیا ہے، اور ہدایت کا دامن آپ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا (النور:۵۴) رضائے الٰہی حاصل کرنے اور ہدایت پانے کی ضرورت جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ہم عہد لوگوں کو تھی اسی طرح آج کے لوگوں کو بھی ہے، اور قیامت تک جو لوگ آئیں گے ان سب کو رہے گی۔ پس جب یہ دونوں چیزیں رسولؐ اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونۂ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرتِ نبوی کے وہ پاک نمونے اور زبانِ وحی ترجمان کے وہ مقدس احکام بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسولِ اکرم ﷺ کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لیے ہدایت ناقص رہ جائے گی۔

میں نے ''ہدایت ناقص رہ جائے گی'' کے الفاظ بہت ہی نرم استعمال کیے ہیں۔ تنزیل کتب کے ساتھ رسالت کا جو ناقابلِ انقطاع رشتہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے، اور اس باب میں اللہ تعالیٰ کی جو غیر متبدل سنت ابتدا سے چلی آ رہی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تو مجھے کہنا چاہیے تھا کہ اگر اسوۂ رسول باقی نہ رہتا، اگر رسول اللہ ﷺ کے احکام باقی نہ رہتے، اگر ہدایت کا وہ پاک سرچشمہ بند ہو جاتا جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں تھا، تو محض کتاب اللہ سے دنیا کی ہدایت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے کہ رسالت کے آثار مٹ جانے کے بعد کتاب اللہ کا باقی رہ جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے رسول کے بغیر کتاب اللہ کا نازل ہونا۔ اگر کتاب کی تنزیل کے بعد آثارِ رسالت کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو سرے سے تنزیل کے لیے رسالت ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خدا کی حکمت پر کھلا ہوا طعن ہے اور اگر تنزیل کے ساتھ رسالت کا ہونا لازم ہے، تو یقیناً اس کے ساتھ آثار رسالت کا رہنا بھی لازم ہے۔ بغیر آثارِ رسالت کے تنہا کتاب اللہ موجب ہدایت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ آپ بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آثارِ رسالت محو ہو جاتے تو مسلمانوں کا حشر ان قوموں کا سا ہو جاتا جن کے پاس بجز افسانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ کہتے کہ جس شخص پر تمہارے قول کے مطابق یہ کتاب نازل ہوئی ہے اس کے حالات تو بتاؤ کہ ہم ان کو جانچ کر دیکھیں کہ آیا فی الواقع وہ رسولِ خدا ہونے کے قابل تھا بھی یا نہیں۔ مگر ہم انھیں کچھ نہ بتا سکتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمہارے پاس قرآن کے دعوے کی تائید میں کون سی ایسی خارجی شہادت ہے جس سے تمہارے نبی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے؟ مگر ہم کوئی شہادت نہ پیش کر سکتے۔ ہم کو خود یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کب اور کن حالات میں قرآن نازل ہوا، کس طرح رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور آپؐ کی پاک زندگی کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج ایمان لائے، کس طرح آپؐ نے نفوس کا تزکیہ کیا، حکمت کی تعلیم دی اور آیاتِ الٰہی کی تلاوت سے معرفتِ حق کا نور پھیلایا، کس طرح آپؐ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تنظیم اور اصلاح کا وہ زبردست کام انجام دیا اور شریعت کا وہ ہمہ گیر اور حکیمانہ ضابطہ بنایا جو محض انسانی عقل کے بس کا کام نہیں ہے اور جو اس بات کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے کہ آپ حقیقت میں اللہ کے رسول تھے۔ یہی نہیں بلکہ اگر وہ روایات نہ ہوتیں جو منکرین حدیث کے نزدیک دریابرد کر دینے کے قابل ہیں تو ہم قرآن کی سند اس کے لانے والے تک نہ پہنچا سکتے۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہوتا کہ یہ قرآن حقیقت میں وہی ہے اور اسی عبارت میں ہے جس میں رسولؐ اللہ پر نازل ہوا تھا۔ ہماری اس کتاب کی وہی حیثیت رہ جاتی جو ژند، اوستا، گیتا، ویدوں اور بدھ مذہب کی کتابوں کی حیثیت ہے۔ اسی طرح

ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول وقوانین ہیں، یہ بھی سب کے سب بے سند ہو کر رہ جاتے۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کیے جاتے ہیں ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے، اور خود نہ جانتے کہ یہ سب رسولؐ اللہ کے مقرر کیے ہوئے طریقوں پر ہیں۔منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ ان سب اعمال کے لیے ''سنتِ متواترہ'' کافی ہے۔مگر مدوّن اور مستند روایات کی غیر موجودگی میں اس ''سنتِ متواترہ'' کی حیثیت بجز اس کے اور کیا ہوتی کہ اگلوں سے پچھلوں تک نسلاً بعد نسلٍ ایسا ہوتا چلا آیا ہے؟ اس قسم کی متواتر سنتیں تو ہندوؤں، بودھوں اور دوسری قوموں میں بھی ہیں۔وہ سب یہی کہتے ہیں کہ جو عبادتیں ہم کرتے ہیں اور جو رسمیں ہم میں جاری ہیں وہ بزرگوں سے یونہی چلی آرہی ہیں۔مگر کیا آج ان کی سنتِ متواترہ پر دنیا اور خود ان قوموں کے روشن خیال لوگوں میں یہ شبہ نہیں کیا جاتا کہ خدا جانے ان طریقوں کی اصل کیا تھی اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ وہ کس طرح بدلتے چلے گئے؟ کیا ان تمام طریقوں پر آج رسوم پرستی کی پھبتی نہیں اڑائی جاتی؟ اگر کوئی شخص ان میں تغیر کر کے کوئی نئی بدعت ایجاد کرنا چاہے تو کیا ان کے پاس اس بدعت کے خلاف کوئی حجت بجز اس ایک دلیل کے موجود ہے کہ جو کچھ باپ دادا کرتے چلے آرہے ہیں اس میں تغیر نہیں ہوسکتا؟ پھر اگر منکرینِ حدیث کی خواہش کے مطابق ہمارے ہاں بھی ایسی مسلسل، مستند اور مرتّب روایات نہ ہوتیں جو ہمارے عہد سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے عہد تک ہر واقعہ یا ہر قول کی سند بہم پہنچادیتی ہیں اور اگر ہمارے پاس بھی صرف عملِ متواتر ہی باقی رہ جاتا، تو ہمارے مذہبی اعمال اور معتقدات کا حال ان طریقوں اور ان اوہام سے کچھ مختلف نہ ہوتا جو ہندوؤں اور دوسری قوموں میں پائے جاتے ہیں اور جن کو ''رسوم'' اور ''مذہبی افسانوں'' سے تعبیر کیا جاتا ہے[1]۔ غور کیجیے، یہ اسلام کے لیے قوت اور استحکام کا سبب ہوتا یا کمزوری و نااستواری کا سبب؟

اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول کا رہنا قطعاً ضروری اور ناگزیر ہے۔اب اس سوال کی طرف آیئے کہ سنتِ رسول کے ہم تک پہنچنے کی صورت کیا ہے اور کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بالکل ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے بعثت سے رحلت تک تقریباً ربع صدی کا جو زمانہ بسر کیا وہ محض قرآن پڑھنے اور سنانے ہی میں بسر نہیں ہوا ہوگا، بلکہ آپؐ تلاوتِ آیات کے علاوہ بھی شب وروز اپنے دین کی تبلیغ فرماتے رہتے ہوں گے، گمراہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش بھی فرماتے ہوں گے، ایمان لانے والوں کو تعلیم بھی دیتے ہوں گے، اور اپنی عبادات، اپنے اخلاق، اور اپنے اعمالِ حسنہ کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کی تربیت اور اصلاح کرنے میں مشغول رہتے ہوں گے۔خود قرآن میں فرمایا گیا ہے يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ:۱۵۱) نیز قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلّمانہ زندگی ایسی شدید مصروفیت میں بسر ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے آرام کا ذرہ برابر خیال نہ تھا، ہر لمحہ یا تو عبادات میں بسر ہوتا تھا یا وعظ ونصیحت اور تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفوس میں۔حتیٰ کہ بار بار اللہ تعالیٰ آپؐ سے فرماتا تھا کہ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟ اپنے آپ کو ہلاک کیوں کیے ڈالتے ہیں؟

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی سرگرم مبلّغانہ زندگی میں آیاتِ قرآنی کے سوا کوئی بات بھی آپؐ کی زبان سے ایسی نہ نکلتی تھی جو یاد رکھنے اور بیان کرنے کے قابل ہوتی؟ کوئی کام بھی آپ کی زندگی کا ایسا نہ تھا جس کو لوگ اپنے لیے نمونہ سمجھتے اور

---

[1] خود مسلمانوں میں عرسوں، نیازوں اور شادی وغمی کی رسموں کا جو سلسلہ آج چل رہا ہے، حدیث کی غیر موجودگی میں ان سب کو بھی ''سنتِ متواترہ'' قرار دیا جاسکتا ہے۔اور انکارِ حدیث کے بعد ان ''متواتر سنتوں'' کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

دوسروں کو اس پاکیزہ نمونہ کی تقلید کا مشورہ دیتے؟ آپؐ کے اقوال و اعمال کے متعلق تو اہلِ ایمان کا اعتقاد تھا اور قرآن نے بھی ان کو یہی اعتقاد رکھنے کا حکم دیا تھا کہ آپ کا ہر ارشاد برحق ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم:۳) اور آپ کا ہر عمل واجب التقلید ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:۲۱) ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے تو مسلمان یقیناً آں حضرت ﷺ کے ہر ارشاد کو دل سے سنتے ہوں گے، ہر عمل پر نگاہ رکھتے ہوں گے، اور آپس میں ایک دوسرے کے سامنے حضورؐ کے اقوال و اعمال کے چرچے کرتے ہوں گے۔ جہاں رسالت اور کسی قسم کے تقدس کا اعتقاد نہیں ہوتا وہاں بھی بڑے لوگوں کی باتوں اور حرکات و سکنات پر لوگ نظر رکھتے ہیں اور ان کے اقوال و اعمال کے چرچے کیا کرتے ہیں۔ پھر کیوں کر ممکن تھا کہ صحابہ کرام جس مقدس انسان کو خدا کا رسول اور اسلام کا مکمل نمونہ سمجھتے تھے اس سے صرف قرآن لے لیتے اور اس کے دوسرے تمام ارشادات اور اس کے تمام اعمال کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لیتے۔

اس زمانہ میں فوٹو گرافی کے آلات نہ تھے کہ آں حضرت ﷺ کی تمام حرکات و سکنات کے فلم لے لیے جاتے۔ نہ آواز بھرنے کے آلات تھے کہ آپ کی تقریروں کے ریکارڈ بھر کر رکھ لیے جاتے۔ نہ مکہ و مدینہ سے اخبارات نکلتے تھے کہ روزانہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کے اعمالِ حیات کی رپورٹیں شائع ہوتیں۔ ضبط اور نقل کا ذریعہ جو کچھ بھی تھا وہ لوگوں کا حافظہ اور زبانیں تھیں۔ قدیم زمانہ میں نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں کے پاس واقعات کو محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ مگر عرب خصوصیت کے ساتھ اپنے حافظہ اور صحتِ نقل میں ممتاز تھے، اور ان کی یہ خصوصیت ایسی تھی کہ شاید ان حضرات کے فونِ کریمر کو بھی اس سے انکار نہ ہو، جو قوم ایام العرب، کلامِ جاہلیت، انسابِ قبائل حتیٰ کہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد کرتی ہو اور اپنی اولاد کو یاد کراتی ہو، اس سے بعید تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم الشان شخصیت کے حالات اور آپ کے ارشادات کو یاد نہ رکھتی اور آنے والی نسلوں تک انھیں منتقل نہ کرتی۔

پھر جب آں حضرت ﷺ کا وصال ہوا تو فطری بات تھی کہ لوگوں میں آپ کے احوال و اقوال کی جستجو اور زیادہ بڑھ جاتی۔ جو لوگ حضورؐ کی زیارت اور صحبت سے محروم رہ گئے تھے ان میں یہ شوق پیدا ہونا بالکل فطری امر تھا کہ آپ کے صحبت یافتہ بزرگوں سے آپؐ کے ارشادات اور آپؐ کے حالات پوچھیں۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی پیر مرد ایسا نکل آتا ہے جس نے پچھلی صدی کے اکابر میں سے کسی نامور بڑے شخص کی صحبت پائی ہو تو لوگ اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے شمالی ہندوستان سے حیدر آباد کا سفر اس غرض کے لیے کیا کہ اگر کوئی پرانا آدمی ایسا مل جائے جس نے سید جمال الدین افغانی کی صحبت پائی ہو تو اس سے سید صاحب کے حالات معلوم کریں۔ یہ معاملہ جب معمولی انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے تو کیا یہ ممکن تھا کہ خدا کے سب سے بڑے پیغمبرؐ اور دنیا کے سب سے بڑے معلّمؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں اس کے حالات پوچھنے اور اس کے ارشادات سے مستفید ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوتی؟ کیا تاریخ کے ان واقعات میں کوئی استبعاد ہے کہ لوگ جہاں کسی صحابی کی خبر پالیتے وہاں سیکڑوں میل سے سفر کر کے جاتے اور آں حضرت ﷺ کے حالات پوچھتے؟ یہی معاملہ یقیناً صحابہ کے بعد تابعین کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ کم از کم دو صدی تک سماعتِ حدیث اور نقلِ حدیث کا غیر معمولی شغف مسلمانوں میں پایا جانا یقینی ہے اور یہ بات نہ صرف قیاس کے عین مطابق ہے، بلکہ تاریخ بھی اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ منکرینِ حدیث قیاسِ عقلی سے تو کام ہی نہیں لیتے۔ رہی تاریخ، تو وہ اس کے صرف

اسی حصہ کو مانتے ہیں جس سے انکارِ حدیث کے لیے مواد مل سکتا ہو۔ اس کے سوا تاریخ کی جتنی شہادتیں ہیں سب ان کے نزدیک نامعتبر ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں انکارِ حدیث کے لیے ضد پیدا نہیں ہوئی ہے وہ یقیناً اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبردست شخصیت اور آپؐ کی تابناک پیغمبرانہ زندگی اتنی ناقابلِ اعتنا تو نہ تھی کہ مسلمانوں میں کم از کم دوسو برس تک بھی آپ کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے ارشادات سننے کا عام شوق نہ رہتا۔ اس سے انکار کرنے کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ قرونِ اولیٰ کے لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کا کوئی اثر نہ تھا، اور وہ لوگ بھی آپ کی جانب کوئی توجہ نہ رکھتے تھے جو آپ کی رسالت کے قائل ہو چکے تھے۔ منکرینِ حدیث کو اختیار ہے کہ رسولؐ کی ذات اور ان لوگوں کے متعلق جو آپ سے قریب تر تھے یہ یا اس سے بھی زیادہ بری کوئی رائے قائم کرلیں۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی مسلمان تو کجا، اسلامی تاریخ اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا کوئی منصف مزاج غیر مسلم بھی اس رائے کو صحیح باور نہ کرے گا۔

اس میں شک نہیں کہ عہدِ رسالت سے دور ہونے کے بعد مسلمانوں میں بیرونی اثرات بھی داخل ہونے لگے تھے، اور یہ اثرات بیشتر وہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے جنھوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں مذہب اسلام قبول تو کرلیا تھا مگر قدیم مذہب کے تخیلات ان کے ذہن سے محو نہ ہوئے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو اپنے دل سے گھڑ کر باتیں نکالتا تھا اور محض لوگوں پر اثر قائم کرنے کے لیے ان باتوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں تاریخ سے بھی ثابت ہیں اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کیا درست ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں میں سب کے سب ایسے ہی لوگ تھے؟ سب جھوٹے اور بے ایمان تھے؟ سب ایسے منافق تھے کہ اسی ہستی پر بہتان گھڑتے جس کی رسالت پر وہ دن بھر میں کم از کم پانچ مرتبہ گواہی دیا کرتے تھے؟ سب ایسے دشمنِ حق تھے کہ دنیا بھر کی خرافات لے کر رسولؐ کے نام سے خدا کے دین میں داخل کرتے اور اس کی جڑیں کاٹتے؟ یہ نتیجہ نہ عقلاً نکالا جاسکتا ہے اور نہ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو صداقت کے ساتھ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث کے ذخیرے میں ایک حصّہ ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع تھیں، اور یہ کہ بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچی ہیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب قسم کی حدیثیں ملی جلی تھیں۔

کھرے اور کھوٹے کی اس آمیزش کے بعد صحیح طریق کار کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہوسکتا تھا کہ آمیزش کی بنا پر صحیح اور غلط سب کو ایک ساتھ رد کر دیا جاتا، اور بعد کے مسلمان رسالت سے اپنا تعلق منقطع کر لیتے؟ منکرین حدیث اس کو ایک آسان بات سمجھتے ہیں۔ مگر جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اسوۂ حسنہ سمجھتے تھے، اور جن کے نزدیک حضورؐ کی پیروی کے بغیر ہدایت کا میسّر ہونا ممکن نہ تھا، ان کے لیے ایسا کرنا بہت دشوار تھا۔ اتنا دشوار جتنا کسی کے لیے برضا و رغبت آگ میں کود پڑنا ہوسکتا ہے۔ انھوں نے سب کو رد کر دینے کی بہ نسبت پہاڑ کھود کر جواہر نکالنے کی مشقت کو زیادہ آسان سمجھا۔ رسالت سے اپنا اور مسلمانوں کا تعلق برقرار رکھنے کے لیے شب و روز محنتیں کیں۔ حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول بنائے۔ کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا۔ ایک طرف اصولِ روایت کے اعتبار سے حدیثوں کی تنقیح کی، دوسری طرف ہزاروں لاکھوں راویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی۔ تیسری طرف درایت کے اعتبار سے حدیثوں پر نقد کیا۔ اور اس طرح سنتِ رسول کے متعلق ان لوگوں نے ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس کے برابر مستند اور معتبر ذخیرہ آج دنیا میں گزشتہ زمانے کے کسی شخص اور کسی عہد کے

متعلق موجود نہیں ہے۔ منکرینِ حدیث کو آزادی ہے کہ ان کی ساری محنتوں پر بیک جنبشِ قلم پانی پھیر دیں۔ منکرین حدیث کو اختیار ہے کہ دین کے ان سچے خادموں کو وضّاعِ حدیث، پروردگانِ عجم، زلہ ربایانِ بنی اُمیہ و بنی عباس[1] اور جو کچھ چاہیں کہیں لیکن حق یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان محدّثین کا اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ قیامت تک اس بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، یہ انہی عاشقانِ رسول کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس رسولؐ اکرم اور صحابہ کرامؓ کے عہد کی پوری تاریخ اپنے جزئیات کے ساتھ موجود ہے اور وہ وسائل بھی ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرے کی جانچ پڑتال کر کے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔ منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ بجز متواتر روایات کے (جو بہت کم ہیں) باقی جتنی احادیث ہیں یقینی نہیں ہیں، ان سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے، پھر ایسی چیزوں پر مذہب کا مدار رکھنا کیا معنی؟ ہم کہتے ہیں کہ مشاہدۂ عینی اور تجربۂ حسّی کے سوا دنیا میں کوئی ذریعہ بھی ایسا نہیں ہے جو مفید یقین ہو سکتا ہو۔ تواتر کو بھی محض اس قیاس کی بنا پر یقینی سمجھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمیوں کا جھوٹ پر متفق ہو جانا مستبعد ہے۔ لیکن خبرِ متواتر کے لیے جو شرائط ہیں وہ بہت کم ایسی خبروں میں پائی جاتی ہیں جن پر تواتر کا گمان ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر امورِ غیب ہیں خواہ وہ زمانہ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں یا حال سے، ہمارے علم اور ہمارے فیصلوں کا مدار اسی ظنِ غالب پر ہے جو کم از کم دو شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ خود قرآن نے اسی شہادت کو اتنا معتبر قرار دیا ہے کہ اس کی بنا پر ایک مسلمان کا خون مباح ہو سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی رو سے مسلمان کا خون اتنا محترم ہے کہ جو کوئی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اسے خلود فی النار کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح زنا، قذف اور سرقہ کی حدود میں بھی ایسے اہم فیصلہ جات کا مدار صرف دو یا چار شہادتوں پر رکھا گیا ہے جن سے ایک مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا جا سکتا ہے، یا ایک مسلمان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جا سکتے ہیں۔ پس جب قرآن مجید میں غیر متواتر شہادتوں ہی پر پورے نظامِ عدل کی بنیاد رکھی گئی ہے تو قرآن کے مقابلہ میں کس مسلمان کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ کسی حدیث کو حدیثِ رسول مان لینے کے لیے ہر مرتبہ اسناد میں دو چار راویوں کا ہونا کافی نہیں ہے؟ البتہ راویوں میں سے ہم ہر راوی پر اعتماد نہ کریں گے، جس طرح شاہدوں میں سے ہر شاہد کا اعتبار نہیں کرتے۔ ہم حکمِ قرآن کے بموجب ذوا عدل کی شرط لگاتے ہیں اور اسی کی تحقیق کے لیے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا، تاکہ راویوں کے حالات کی تحقیق کی جائے۔ اسی طرح ہم راویوں پر جرح بھی کریں گے کہ حدیث کے جوہری نکات میں ان کے درمیان ایسا اختلاف تو نہیں ہے جو ان کے بیان کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہو؟ اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے جیسے ایک جج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے[2] مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے، حدیث کو اصولِ درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے۔ جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصولِ اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو، اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر

---

[1] یہ سب القاب منکرین حدیث نے ائمۂ حدیث کے لیے استعمال فرمائے ہیں۔

[2] فنِ حدیث میں درایت کی حیثیت وہی ہے جو قانون میں جج کی رائے اور قوتِ فیصلہ کی ہے۔ جس طرح جج ہر گواہ کے بیان کو یونہی قبول نہیں کر لیتا بلکہ اس کو مختلف پہلوؤں سے جانچ کر رائے قائم کرتا ہے اسی طرح ایک محدث بھی ہر روایت کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتا بلکہ جانچ پڑتال کر کے اس کے متعلق رائے قائم کرتا ہے۔

بہم پہنچائی ہو۔ کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اوّل نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ پھر جس طرح ایک معاملہ میں دو قاضیوں کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کے معانی میں دو فاضلوں کی تفسیریں مختلف ہو سکتی ہیں، اسی طرح دو محدثوں کی درایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلّف قرار نہیں دیا ہے۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضیٰ ہے، اور اس کی وجہ سے نہ قرآن چھوڑا جا سکتا ہے، نہ حدیث، اور نہ عدالت کی کرسی۔ پس ایک حدیث کے متعلق جس حد تک تحقیق انسان کے بس میں ہے، اس کا سامان محدثین نے فراہم کر دیا ہے۔ ہمارا کام اس سامان سے فائدہ اٹھا کر صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور صحیح کا اتباع کرنا ہے۔ نہ یہ کہ صحیح و غلط کے اختلاط کو دیکھ کر سرے سے رسالت ہی سے قطع تعلق کر لینا۔

منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو صرف تاریخ ہی کی حیثیت سے لیں گے حجتِ شرعی نہ بنائیں گے۔ مگر کیا ان حضرات نے رسول کی تاریخ کو سکندر اور نپولین کی تاریخ سمجھا ہے کہ اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اس انسان کی تاریخ ہے جس کا اتباع فرض ہے، جس کی اطاعت پر نجات کا مدار ہے، جس کی سیرت مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے؟ اس ذاتِ پاک کی تاریخ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی، یا صحیح ہوگی یا غلط اگر غلط ہے تو اس کو لینا کیا معنی نذرِ آتش کر دیجیے۔ رسول پر بہتان اور آپ اس کو تاریخ کی حیثیت سے قبول کریں؟ اور اگر وہ صحیح ہے تو اس کا اتباع فرض ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی پیروی سے آپ بچ کر کہاں جا سکتے ہیں؟

منکرین حدیث کا استدلال اور اس کا اِبطال

انکارِ حدیث کی بنیاد تین بڑے اعتراضات پر رکھی گئی ہے۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قرآن کو محفوظ کرنے کا تو اہتمام کیا گیا، مگر احادیث کے محفوظ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ احادیث صحابہ اور تابعین کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں۔ وہ کبھی کبھار اتفاقاً کسی کے سامنے ان کا ذکر کر دیا کرتے تھے، اور ان روایات کو جمع کرنے کا کام حضورؐ کی وفات کے چند سو برس بعد کیا گیا۔ ان تین خلافِ واقعہ بنیادوں پر بعض حضرات سوالیہ انداز میں اس نتیجے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ احادیث کے ساتھ یہ برتاؤ اس لیے کیا گیا کہ دراصل وہ محض ایک وقتی حیثیت رکھتی تھیں، دنیا بھر کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ان کو ماخذِ قانون بنانا سرے سے مطلوب ہی نہ تھا۔

سطورِ ذیل میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ان تینوں باتوں میں، جن پر اس نتیجے کی بنا رکھی گئی ہے، صداقت کا جوہر کس قدر ہے؟ اور خود وہ نتیجہ جو ان سے برآمد کیا گیا ہے، بجائے خود کہاں تک صحیح ہے؟

کتابتِ حدیث کی ابتدائی ممانعت اور اس کے وجوہ

رسول اللہ ﷺ کی دو حدیثوں میں ،صرف احادیث لکھنے سے منع کیا گیا ہے،ان کو زبانی روایت کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ان میں سے ایک حدیث میں تو بالفاظِ صریح حضورؐ نے فرمایا ہے حَدِّثُوا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ میری باتیں زبانی بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن دراصل یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کہ صرف ان دو حدیثوں کو لے کر ان سے نتائج اخذ کر ڈالے جائیں، اور اس سلسلے کے تمام دوسرے متعلقہ واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ پہلی بات جو اس باب میں جاننی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس زمانے میں مبعوث ہوئے ہیں اس وقت عرب کی پوری قوم اَن پڑھ تھی اور اپنے سارے معاملات حافظے اور زبان سے چلاتی تھی۔ قریش جیسے ترقی یافتہ قبیلے کا حال مؤرخ بلاذری کی روایت کے مطابق یہ تھا کہ اس میں صرف ۱۷ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ کے انصار میں بلاذری ہی کے بقول ۱۱ سے زیادہ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا۔ کتابت کے لیے کاغذ ناپید تھا۔ جھلّیوں اور ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ ان حالات میں جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو آپؐ کے سامنے اوّلین کام یہ تھا کہ قرآن مجید کو اس طرح محفوظ کریں کہ اس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ لکھنے والے چونکہ گنے چنے آدمی تھے، اس لیے آپ کو خطرہ تھا کہ جو لوگ وحی کے الفاظ اور آیات لکھ رہے ہیں، وہی لوگ اگر آپؐ ہی سے سن کر آپ کے حوالہ سے دوسری چیزیں بھی لکھیں گے تو قرآن آمیزش سے نہ بچ سکے گا۔ آمیزش نہ ہوگی تو کم از کم شک پڑ جائے گا کہ ایک چیز آیتِ قرآنی ہے یا حدیثِ رسول۔ اس بنا پر ابتدائی دور میں حضورؐ نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔

کتابتِ حدیث کی عام اجازت

مگر یہ حالت زیادہ دیر تک باقی نہیں رہی۔ مدینہ طیّبہ پہنچنے کے تھوڑی مدت بعد آپ نے اپنے صحابہ اور ان کے بچوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دلوانے کا خود اہتمام فرمایا، اور جب ایک اچھی خاصی تعداد پڑھی لکھی ہوگئی تو احادیث لکھنے کی آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس سلسلے میں مستند روایات یہ ہیں:

(۱) عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا وہ لکھ لیتا تھا۔ لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا رسولؐ اللہ ایک انسان ہیں، کبھی رضا کی حالت میں بولتے ہیں اور کبھی غضب کی حالت میں، تم سب کچھ لکھ ڈالتے ہو؟ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک حضورؐ سے پوچھ نہ لوں آپؐ کی کوئی بات نہ لکھوں گا۔ پھر جب حضورؐ سے میں نے پوچھا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ۔ ’’لکھو، اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔‘‘

(ابوداؤد، مسند احمد، دارمی حاکم بیہقی فی المدخل)

تخریج : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَاَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ، قَالَا: ثَنَا یَحْیٰ، عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَخْنَسِ، عَنِ الْوَلِیْدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ مُغِیْثٍ، عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ:

كُنتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْئٍ اَسمَعُهُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ اُرِيدُ حِفْظَهُ فنهتنى قُرَيْشٌ وَقَالُوا اَتَكتُبُ كُلَّ شَيْئٍ تَسمَعُهُ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَشَرٌيَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَاَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاَوْ مَأَ بِاِصْبَعِهٖ اِلىٰ فِيهِ فَقَالَ: اُكْتُبْ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَايَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ۔(۱)

(۲) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ ''میں آپؐ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں مگر یاد نہیں رکھ سکتا۔'' حضورؐ نے فرمایا اِسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ وَاَوْمَأَبِيَدِهٖ اِلىٰ الْخَطِّ ''اپنے ہاتھ سے مدد لو'' اور پھر ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ ''لکھ لیا کرو۔'' (ترمذی)

تخریج: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنِ الْخَلِيلِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ يَحْىٰ بْنِ اَبِى صَالِحٍ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَجْلِسُ اِلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُهُ وَلَا يَحْفَظُهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنِّى لَاَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيثَ فَيُعْجِبُنِى وَلَا اَحْفَظُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ وَاَوْمَأَبِيَدِهِ الْخَطَّ۔ (۲)

(۳) ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ بعد میں (یمن کے ایک صاحب) ابوشاہ نے عرض کیا کہ میرے لیے اسے لکھوا دیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا اکتبوا لابی شاہ ''ابوشاہ کو لکھ کر دے دو۔'' (بخاری، احمد، ترمذی) اسی واقعہ کی تفصیل ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری روایت میں یوں بیان ہوئی ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں حرمِ مکّہ کے احکام اور قتل کے معاملہ میں چند قوانین بیان فرمائے۔ اہل یمن میں سے ایک شخص (ابوشاہ) نے اٹھ کر عرض کیا کہ یہ احکام مجھے لکھوا دیں۔ آپ نے فرمایا ''اسے یہ احکام لکھ کر دے دیے جائیں۔'' (بخاری، ابوداؤد: کتاب العلم)

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، قَالَ: ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْىٰ، عَنْ اَبِى سَلَمَةَ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ، اَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِى لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِّنْهُمْ قَتَلُوهُ، فَاُخبِرَبِذَالِكَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ، فَخَطَبَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ اَوِالْفِيلَ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَاجْعَلُوهُ عَلَى الشَّكِّ كَذَا، قَالَ اَبُو نُعَيْمٍ: اَلْقَتْلَ اَوِالْفِيلَ وَغَيْرُهُ يَقُولُ الْفِيلَ وَسُلِّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُونَ اَلَا وَاِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِى وَلَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ بَعْدِى اَلَا وَاِنَّهَا حَلَّتْ لِى سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ اَلَا وَاِنَّهَا سَاعَتِى وَهٰذِهٖ حَرَامٌ لَا يُخْتَلىٰ شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَاتُلْتَقَطُ سَاقِطُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظْرَيْنِ اِمَّا اَنْ يُعْقَلَ وَاِمَّااَنْ يُّقَادَاَهْلُ الْقَتِيلِ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اُكْتُبْ لِى يَارَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اُكْتُبُوا لِاَبِى فُلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ اِلَّا الْاِذْخِرَيَارَسُولَ اللّٰهِ فَاِنَّا نَجْعَلُهُ فِى بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِلَّا الْاِذْخِرُ اِلَّا الْاِذْخِرُ۔(۳)

(۴) ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ صحابہ میں سے کوئی مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ رکھتا تھا، مگر عبداللہ بن عمرو بن عاص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے کہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

تخریج: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: ثَنَا عَمْرٌ و: قَالَ: اَخْبَرَنِى وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ، عَنْ اَخِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ، مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثاً عَنْهُ مِنِّىْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍ وفَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ۔ تَابَعَهٗ مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ۔(٤)

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مختلف لوگوں نے پوچھا، اور ایک مرتبہ برسرِ منبر بھی آپ سے پوچھا گیا کہ آیا آپ کے پاس کوئی ایسا علم بھی ہے جو خاص طور پر آپ ہی کو نبی ﷺ نے دیا ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میرے پاس صرف کتاب اللہ ہے، اور یہ چند احکام ہیں جو میں نے حضورؐ سے سن کر لکھ لیے تھے پھر وہ تحریر آپ نے نکال کر دکھائی۔ اس میں زکوٰۃ، اور قانونِ تعزیرات، اور حرم مدینہ، اور ایسے ہی بعض اور معاملات کے متعلق چند احکام تھے۔

(بخاری، مسلم، احمد اور نسائی نے اس مضمون کے متعدد روایات مختلف سندوں کے ساتھ نقل کی ہیں)

اس کے علاوہ نبی ﷺ نے اپنے حکّام کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجتے وقت متعدد مواقع پر فوجداری اور دیوانی قوانین اور زکوٰۃ اور میراث کے احکام لکھوا کر دیے تھے جن کو ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، دارمی، طبقات ابن سعد، کتاب الاموال لابی عبید، کتاب الخراج لابی یوسف اور المحلّٰی لابن حزم وغیرہ کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

احادیث کو زبانی روایت کرنے کی تاکید

یہ تو ہے معاملہ کتابتِ حدیث کا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اہلِ عرب ہزاروں برس سے اپنے کام کتابت کے بجائے حفظ و روایت اور زبانی کلام سے چلانے کے عادی تھے، اور یہی عادت ان کو اسلام کے ابتدائی دور میں بھی برسوں تک رہی۔ ان حالات میں قرآن کو محفوظ کرنے کے لیے تو کتابت ضروری سمجھی گئی، کیونکہ اس کا لفظ لفظ آیات اور سورتوں کی ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تھی، محفوظ کرنا مطلوب تھا۔ لیکن حدیث کے معاملہ میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کیونکہ اس میں مخصوص الفاظ اور ان کی خاص ترتیب کے وحی ہونے کا نہ دعویٰ تھا نہ تصور، بلکہ مقصود صرف ان احکام اور تعلیمات و ہدایات کو یاد رکھنا اور پہنچانا تھا جو صحابہؓ کو حضور سے ملی تھیں۔ اس باب میں زبانی نقل و روایت کی محض کھلی اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو بار بار اور بکثرت اس کی تاکید فرمائی تھی۔ مثال کے طور پر چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، جبیر بن مطعم اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهٗ حَتّٰى يُبَلِّغَهٗ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ۔

''اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص خود فقیہ نہیں ہوتا مگر فقہ پہنچانے والا بن جاتا ہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی، احمد، ابن ماجہ، دارمی)

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثنا يَحيٰ، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنِي عَمْرُوبْنُ سُلَيمَانَ مِنْ وَّلَدِعُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبَانٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُولُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهٗ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلىٰ مَنْ هُوَاَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَاصِلِ فِقْهٍ لَيسَ بِفَقِيهٍ۔ (٥)

حَدَّثَنَا مَحْمُودُبْنُ غَيلَانَ، نا اَبُودَاوٗدَ، انبانا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَهٗ فَرُبَّ مُبَلِّغٍ اَوْعىٰ مِنْ سَامِعٍ۔ هذا حديث حسن صحيح۔ (ترمذی حوالہ مذکورہ بالا)

(۲) ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: لِيُبَلِّغَ الْغَائِبَ الشَّاهِدُ عَسىٰ اَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَاَوْعىٰ مِنْهُ ۔ ''جو حاضر ہے وہ ان لوگوں تک پہنچادے جو حاضر نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچادے جو اس سے زیادہ سمائی رکھتا ہو۔ (بخاری ومسلم)

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ،قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرَةَ عَنْ اَبِيهِ۔ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ قعد عَلىٰ بَعِيرِهٖ وَاَمْسَكَ اِنْسَانٌ بخطا مِهٖ اَوْبِزِمَامِهٖ، قَالَ: اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ فَسَكَتْنَاحَتّٰى ضَننَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهٖ، قَالَ: اَلَيس يَوْمُ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلىٰ، قَالَ: اَيُّ شَهْرٍهٰذَا؟ فَسَكَتْنَا حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ، قَالَ: اَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ؟ قُلْنَا بَلىٰ، قَالَ: فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِ كُمْ هٰذَا فِي بَلَدِ كُمْ هذا لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسىٰ اَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُمْ اَوْعىٰ لَهٗ مِنْهُ۔ (٦)

(۳) ابوشریح کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دوسرے دن حضورؐ نے خطبہ دیا جسے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور خوب یاد رکھا ہے اور وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ خطبہ ختم کر کے حضورؐ نے فرمایا وَلِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ''جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچادیں جو حاضر نہیں ہیں۔'' (بخاری)

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ هُوَابْنُ اَبِي سَعِيدٍ

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ اَنَّہٗ قَالَ لِعَمْرِوبْنِ سَعِیْدٍ وَھُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّۃَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّھَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْکَ قَوْلًا قَامَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْہُ اُذُنَایَ وَوَعَاہُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْہُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِہٖ حَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَھَا اللّٰہُ وَلَمْ یُحَرِّمْھَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِاَمْرِیٍٔ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ یَسْفِکَ بِھَادَمًا وَلَا یَعْضُدُ بِھَا شَجَرَۃًفَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْھَا فَقُوْلُوْا اِنَّ اللّٰہَ قَدْاَذِنَ لِرَسُوْلِہٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْھَا سَاعَۃً مِنْ نَّھَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُھَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِھَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ الْحَدِیْثَ۔ (۷)

(۴) حجۃ الوداع کے موقع پر بھی تقریر ختم کر کے آپؐ نے قریب قریب وہی بات فرمائی تھی جو اوپر والی دونوں حدیثوں میں منقول ہوئی ہے۔ (بخاری)

(۵) بنی عبدالقیس کا وفد جب بحرین سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے چلتے وقت عرض کیا کہ ہم بہت دور دراز کے باشندے ہیں اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان کفّار حائل ہیں۔ ہم صرف حرام مہینوں میں ہی حاضر خدمت ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں کچھ ایسی ہدایات دیں جو ہم واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو بتائیں اور جنت کے مستحق ہوں۔ حضورؐ نے جواب میں ان کو دین کے چند احکام بتائے اور فرمایا اِحْفَظُوْہُ وَاَخْبِرُوْہُ مَنْ وَرَاءَ کُمْ ''ان باتوں کو یاد کرلو اور وہاں کے لوگوں کو بتادو۔'' (بخاری ومسلم)

تخریج: حَدَّثَنَاعَلِیُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعْبَۃُ، عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ، قَالَ: کُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَیُجْلِسُنِیْ عَلٰی سَرِیْرِہٖ، فَقَالَ: اَقِمْ عِنْدِیْ حَتّٰی اَجْعَلَ لَکَ سَھْمًا مِنْ مَّالِیْ فَاَقَمْتُ مَعَہٗ شَھْرَیْنِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ وَفْدَعَبْدِ الْقَیْسِ لَمَّا اَتَوُالنَّبِیَّ ﷺ، قَالَ: مَنِ الْقَوْمُ اَوْمَنِ الْوَفْدُ ؟ قَالُوْا : رَبِیْعَۃُ، قَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْبِالْوَفْدِ غَیْرَخَزَایَا وَلَا نَدَامٰی، فَقَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّا لَا نَسْتَطِیْعُ اَنْ نَّاْتِیَکَ اِلَّا فِی الشَّھْرِ الْحَرَامِ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ ھٰذَا الْحَیُّ مِنْ کُفَّارِ مُضَرَفَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْبِہٖ مَنْ وَّرَاءَ نَا وَنَدْ خُلُ بِہِ الْجَنَّۃَ، وَسَاَلُوْہُ عَنِ الْاَشْرِ بَۃِ، فَاَمَرَھُمْ بِاَرْبَعٍ وَنَھَاھُمْ عَنْ اَرْبَعٍ، اَمَرَھُمْ بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ، قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَاالْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ؟ قَالُوْا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، قَالَ: شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَصِیَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَھَا ھُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّآءِ وَالنَّقِیْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَمَا قَالَ الْمُقَیْرِ، وَقَالَ احْفَظُوْ ھُنَّ وَاخْبِرُوْا بِھِنَّ مَنْ وَرَآءَ کُمْ۔ (۸)

کیا یہ ہدایات اور بار بار کی تاکیدیں یہی ظاہر کرتی ہیں کہ حضورؐ روایت حدیث کی حوصلہ افزائی نہ کرنا چاہتے تھے؟ یا یہ کہ آپ اپنے احکام کو وقتی احکام سمجھتے تھے اور یہ نہ چاہتے تھے کہ لوگوں میں وہ پھیلیں اور عام حالات پر ان کا انطباق کیا جانے لگے؟

جھوٹی حدیث روایت کرنے پر سخت وعید

اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی حدیث کی نشر واشاعت کے لیے تاکید فرماتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ آپؐ نے ان کی حفاظت اور ان میں جھوٹ کی آمیزش سے احتراز کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، ابوہریرہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ ''جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' (بخاری وترمذی)

(۱) ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حَدِّثُوا عَنِّیْ، وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ ''میری باتیں روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر جو میری طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔'' (مسلم)

تخریج: حَدَّثَنَا هُدَّابُ بْنُ خَالِدِ الْاَزْدِیُّ، نَا هَمَّامٌ عَنْ زَيْدِبْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَيْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْيَمْحِهٖ وَحَدِّثُوا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ۔ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ، قَالَ هَمَّامٌ: اَحْسِبُهٗ، قَالَ: مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ، مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (۹)

(۲) ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ ''میری طرف سے کوئی بات بیان نہ کرو جب تک تمہیں یہ علم نہ ہو کہ میں نے وہ کہی ہے، کیونکہ جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

تخریج: ﴿الف﴾ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ، نَا سُوَيْدُبْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِیُّ، نَا اَبُوعَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى، عَنْ سَعِيْدِبْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (۱۰) (هذا حديث حسن)

﴿ب﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَاِنَّهٗ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَنْ كَذَبَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (۱۱)

(۳) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ۔ ''میرا نام لے کر جھوٹ نہ بولو، کیونکہ جو شخص میرا نام لے کر جھوٹ بولے گا وہ آگ میں داخل ہوگا۔'' (بخاری)

تخریج: ﴿الف﴾ حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْجَعْدِ، قَالَ:اَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: اَخْبَرَنِی مَنْصُورٌ: قَالَ: سَمِعْتُ رِبْعِیَّ بْنَ خِرَاشٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِیًّا، یَقُوْلُ: قَالَ النَّبِیَّ ﷺ: لَا تَکْذِبُوْا عَلَیَّ فَاِنَّهٗ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَلِجِ النَّارَ۔ (۱۲)

ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے مروی روایت کے الفاظ:

عَنْ عَلِیٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَاتَکْذِبُوا عَلَیَّ فَاِنَّ الْکِذْبَ عَلَیَّ یُوْلِجُ النَّارَ۔ (۱۳)

ترمذی نے حضرت علی بن ابی طالب کی روایت یہ بیان کی ہے:

﴿ب﴾ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِی طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَکْذِ بُوا عَلَیَّ فَاِنَّهٗ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ یَلِجِ النَّارَ۔ (١٤)

اور لکھتے ہیں کہ اسے بیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمروؓ، انسؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ، ابوسعیدؓ، عمرو بن عبسہؓ، عقبۃ بن عامرؓ، معاویہؓ، بریدہؓ، ابوموسیٰؓ، ابوامامہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، منقعؓ، اوس ثقفیؓ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔

حدیث علی بن ابی طالب، حدیث حسن صحیح قال عبدالرحمن بن مهدی منصوربن معتمر اثبت اهل الکوفة؛ وقال و کیع الم یکذب ربعی بن خراش فی الاسلام کذبة۔

(۴) حضرت سلمہؓ کہتے ہیں: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ، یَقُوْلُ: مَنْ یَّقُلْ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص میرا نام لے کر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔" (بخاری)

تخریج: ﴿الف﴾ حَدَّثَنَا الْمَکِیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا یَزِیْدُبْنُ اَبِی عُبَیْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ هُوَابْنُ الْاَکْوَعِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ، یَقُوْلُ: مَنْ یَّقُلْ عَلَیَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔(۱۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ابن ماجہ نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ب﴾ عَنْ اَبِی سَلَمَةَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (١٦)

کیا یہ بار بار کی سخت وعید یہی ظاہر کرتی ہے کہ حضورؐ کے ارشادات کی دین میں کوئی اہمیت نہ تھی؟ اگر آپ کی سنت کی کوئی قانونی حیثیت دین میں نہ ہوتی اور اس سے احکامِ دین کے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو کیا ضرورت پڑی تھی کہ جہنم کی وعید سنا سنا کر لوگوں کو جھوٹی روایت کرنے سے روکا جاتا؟ بادشاہوں اور رئیسوں کی طرف تاریخوں میں بہت سی غلط باتیں منسوب ہو جاتی ہیں۔ان سے آخر دین پر کیا اثر پڑتا ہے۔اگر حضورؐ کی سنت کی یہی حیثیت ہے تو آپ کی تاریخ کو مسخ کر دینے کی یہ سزا کیوں ہو کہ آدمی کو واصل جہنم کر دیا جائے؟

سنت رسولؐ کے حجت ہونے کی صریح دلیل

اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب ایک مسئلے میں اللہ اور اس کے رسول کی صاف صاف تصریحات موجود ہوں تو اس کے بارے میں غیر متعلق چیزوں سے نتائج نکالنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اپنے رسول کو تشریح کتاب اللہ کے اختیارات بھی دیے ہیں اور تشریعی اختیارات بھی۔ سورۂ نحل کی آیت ۴۴، سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷، سورۂ حشر کی آیت ۷، اس معاملے میں بالکل واضح ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے بھی صاف صاف اپنے ان اختیارات کو بیان کیا ہے:

(۱) ابورافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَ کُم مُتَّکِئًا علیٰ اَرِیْکَتِہٖ یَاتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ، مَا وَجَدْ نَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔ ''میں ہرگز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کو میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے، خواہ میں نے کسی چیز سے منع کیا ہو یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور وہ سن کر کہے کہ میں نہیں جانتا، جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے۔''

(احمد، شافعی، ترمذی، ابوداوٗد، ابن ماجہ، بیہقی فی دلائل النبوۃ)

تخریج: ﴿الف﴾ حَدَّثَنَا اَحمَدُبْنُ مُحَمَّدِبْنِ حَنْبَلٍ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفُضَیْلِیُّ وَابْنُ کَثِیْرٍ قَالُوَا: ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَبِی النَّضْرِ، عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ، عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلیٰ اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔ (۱۷)

﴿ب﴾ حَدَّثَنَاعَبْدُ اللّٰہِ حَدَّ ثَنِیْ اَبِیْ، ثَنَا عَلِیُّ بْنُ اِسْحَاقَ انا عَبْدُ اللّٰہِ انا ابْنُ لَہِیْعَۃُ، حَدَّثَنِیْ اَبُوالنَّضْرِاَنَّ عُبَیْدَ اللّٰہِ بْنَ اَبِیْ رَافِعٍ حَدَّثَہٗ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَاَعْرِفَنَّ مَا یَبْلُغُ اَحَدَکُمْ مِنْ حَدِیْثِیْ شَیْئٌ وَھُوَ مُتَّکِئٌ عَلیٰ اَرِیْکَتِہٖ فَیَقُوْلُ مَا اَجِدُ ھٰذَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔ (۱۸)

(۲) مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ، اَلَا یُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلیٰ اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْ تُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ، وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ، اَلَا یَحِلُّ لَکُمُ الْحِمَارُ الْاَھْلِیُّ، وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ....۔ ''خبردار رہو، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو، جو کچھ اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ دراصل جو کچھ اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا۔ خبردار رہو تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ کوئی کچلیوں والا درندہ حلال ہے۔''[۱]

(ابوداوٗد، ابن ماجہ، دارمی، حاکم)

---

[۱] یہ آخری جملے واضح کر رہے ہیں کہ کچھ لوگوں نے گدھے اور کتے اور دوسرے درندوں کو اس دلیل سے حلال ٹھیرانے کی کوشش کی ہوگی کہ قرآن مجید میں ان کی حرمت کا کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے یہ تقریر فرمائی ہوگی۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ، ثنا اَبُو عَمْرِو بْنُ كَثِيْرِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ حُرَيْزِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، ابْنِ اَبِیْ عَوْفٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ۔ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْ تُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِیُّ وَلَا كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ يَسْتَغْنِیَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَقْرُوْهُ فَاِنْ لَّمْ يَقْرُوْهُ فَلَهٗ اَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔ (۱۹)

(۳) عرباض بن ساریہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اس میں فرمایا اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ۔ اَلَا وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرَ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطُوْكُمُ الَّذِیْ عَلَيْهِمْ۔ ''کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں بیان کردی گئی ہیں؟ خبردار رہو، خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔ اللہ نے تمہارے لیے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں اجازت کے بغیر گھس جاؤ، یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو، یا ان کے پھل کھا جاؤ جب کہ وہ اپنے واجبات ادا کرچکے ہیں۔''[1] (ابوداؤد)

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰی، ثنا اَشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ، ثنا اَرْطَاةُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ حَكِيْمَ بْنَ عُمَيْرٍ اَبَا الْاَحْوَصِ يُحَدِّثُ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ السُّلَمِیِّ قَالَ: نَزَلْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ خَيْبَرَ وَمَعَهٗ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَكَانَ صَاحِبُ خَيْبَرَ رَجُلًا مَارِدًا مُنْكَرًا فَاَقْبَلَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اَلَكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا حُمُرَنَا وَتَاْكُلُوْا ثَمَرَنَا وَتَضْرِبُوْا نِسَآءَ نَا؟ فَغَضِبَ يَعْنِی النَّبِیُّ ﷺ وَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِرْكَبْ فَرَسَكَ ثُمَّ نَادِ اَلَا اِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِمُؤْمِنٍ وَاَنِ اجْتَمِعُوْا لِلصَّلٰوةِ قَالَ فَاجْتَمَعُوْا ثُمَّ صَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ ﷺ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ قَدْ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَافِی هٰذَا الْقُرْاٰنِ، اَلَا وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ قَدْ وَعَظْتُ وَاَمَرْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْاَكْثَرَ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْ خُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَآءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِ هِمْ اِذَا اَعْطُوْكُمُ الَّذِیْ عَلَيْهِمْ۔ (۲۰)

---

[1] حدیث کا یہ آخری ٹکڑا صاف بتا رہا ہے کہ کچھ منافقین نے ذمیوں پر دست درازیاں کی ہوں گی اور قرآن کا سہارا لے کر کہا ہوگا کہ بتاؤ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے بھی اجازت کی ضرورت ہے۔ اور قرآن میں کہاں ان کی عورتوں پر ہاتھ ڈالنے اور ان کے باغوں کے پھل کھالینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے یہ تقریر فرمائی ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ ''جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (بخاری ومسلم)

تخریج: حَدَّثَنَا سَعِیْدُبْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ قَالَ اَخبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: اَخْبَرَنِیْ حُمَیْدُبْنُ اَبِیْ حُمَیْدِ نِ الطَّوِیْلُ اَنَّہٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ جَآءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا کَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا وَاَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ قَدْ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ اٰخَرُاَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ اٰخَرُوَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَاوَکَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاکُمْ لَهٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُوَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُوَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (۲۱)

اللہ اور رسول کے ان صاف صاف ارشادات کے بعد آخر اس استدلال میں کیا وزن رہ جاتا ہے کہ حدیثیں چونکہ لکھوائی نہیں گئیں اس لیے وہ عام انطباق کے لیے نہ تھیں۔

کیا قابل اعتماد صرف لکھی ہوئی چیز ہی ہوتی ہے؟

منکرین حدیث کے استدلال کا بڑا انحصار اس خیال پر ہے کہ قرآن اس لیے قابل اعتماد واستناد ہے کہ وہ لکھوالیا گیا، اور احادیث اس لیے قابل اعتماد واستناد نہیں ہیں کہ وہ عہد رسالت اور عہد خلافت میں نہیں لکھوائی گئیں۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں، اس کی آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب بھی خدا کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ کے ساتھ بدلنا بھی جائز نہ تھا اور وہ اس لیے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے مقابلہ میں سنت کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ وہ محض لفظی نہ تھی بلکہ عملی بھی تھی اور جو لفظی تھی اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضورؐ نے اس کو اپنی زبان میں ادا کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصّہ ایسا تھا جسے حضورؐ کے ہمعصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا، مثلاً یہ کہ حضورؐ کے اخلاق ایسے تھے، حضورؐ کی زندگی ایسی تھی، اور فلاں موقع پر حضورؐ نے یوں عمل کیا۔ حضورؐ کے اقوال اور تقریریں نقل کرنے کے بارے میں بھی یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انھیں لفظ بلفظ نقل کریں، بلکہ اہل زبان سامعین کے لیے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ سے ایک بات سن کر معنی ومفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کردیں۔ حضورؐ کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپؐ نے دی ہو۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ کرنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں اس کے بعد۔ اس بنا پر احادیث کے معاملے میں یہ بالکل کافی تھا کہ لوگ انھیں یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انھیں لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے معاملے میں کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو قرآن کے معاملے میں تھی۔

دوسری بات جسے خوب سمجھ لینا چاہیے، یہ ہے کہ کسی چیز کے سند اور حجت ہونے کے لیے اس کا لکھا ہوا ہونا قطعاً

ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا ان اشخاص کا بھروسے کے قابل ہونا ہے جس کے یا جن کے ذریعہ سے کوئی بات دوسروں تک پہنچے، خواہ وہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبیؐ کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچا مانیں گے وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو بھی ہمارا کلام مان لیں گے۔ نبی ﷺ نے بھی قرآن کی جتنی تبلیغ واشاعت کی، زبانی ہی کی۔ آپؐ کے جو صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ انھیں کاتبانِ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ واشاعت زبان سے ہوتی تھی اور ایمان لانے والے اس ایک صحابی کے اعتماد پر یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے وہ خدا کا کلام ہے، یا رسول اللہ ﷺ کا جو حکم پہنچا رہا ہے وہ حضورؐ ہی کا حکم ہے۔

احادیث قرآن کی طرح کیوں نہ لکھوائی گئیں؟

منکرینِ حدیث یہ سوال عموماً بڑے زور سے اٹھاتے ہیں اور اپنے خیال میں اسے بڑا لاجواب سوال سمجھتے ہیں۔ ان کا تصوّر یہ ہے کہ قرآن چونکہ لکھوایا گیا اس لیے وہ محفوظ ہے، اور حدیث چونکہ حضورؐ نے خُود لکھوا کر مرتب نہیں کر دی اس لیے وہ غیر محفوظ ہے۔ لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر حضورؐ نے قرآن مجید کو محض لکھوا کر چھوڑ دیا ہوتا اور ہزاروں آدمیوں نے اسے یاد کر کے بعد کی نسلوں کو زبانی نہ پہنچایا ہوتا تو کیا محض وہ لکھی ہوئی دستاویز بعد کے لوگوں کے لیے اس بات کا قطعی ثبوت ہو سکتی تھی کہ یہ وہی قرآن ہے جو حضورؐ نے لکھوایا تھا؟ وہ تو خود محتاجِ ثبوت ہوتی، کیونکہ جب تک کچھ لوگ اس بات کی شہادت دینے والے نہ ہوتے کہ یہ کتاب ہمارے سامنے نبی ﷺ نے لکھوائی تھی، اس وقت تک اس لکھی ہوئی کتاب کا معتبر ہونا مشتبہ رہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحریر پر کسی چیز کے معتبر ہونے کا دارومدار نہیں ہے بلکہ وہ اسی وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ زندہ انسان اس کے شاہد ہوں۔ اب اگر فرض کیجیے کہ کسی معاملے کے متعلق تحریر موجود نہیں ہے مگر زندہ انسان اس کے شاہد موجود ہیں، تو کسی قانون داں سے پوچھ لیجیے، کیا ان زندہ انسانوں کی شہادت ساقط الاعتبار ہوگی جب تک کہ تائید میں ایک دستاویز نہ پیش کی جائے؟ شاید آپ کو قانون کا علم رکھنے والا ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو اس سوال کا جواب اثبات میں دے۔ آج نبی ﷺ کا لکھوایا ہوا قرآن مجید دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، مگر اس سے قرآن کے مستند اور معتبر ہونے پر ذرہ برابر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ متواتر اور مسلسل زبانی روایات سے اس کا معتبر ہونا ثابت ہے۔ خود یہ بات کہ حضورؐ نے قرآن لکھوایا تھا، روایات ہی کی بنا پر تسلیم کی جا رہی ہے، ورنہ اصل دستاویز اس دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کی جا سکتی، اور وہ کہیں مل بھی جائے تو یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو حضورؐ نے لکھوائے تھے۔ لہٰذا تحریر پر جتنا زور یہ حضرات دیتے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔

نبی ﷺ نے اپنی سنتوں پر قائم کیا ہوا ایک پورا معاشرہ چھوڑا تھا جس کی زندگی کے ہر پہلو پر آپؐ کی تعلیم وہدایت کا ٹھپا لگا ہوا تھا۔ اس معاشرے میں آپ کی باتیں سنے ہوئے، آپ کا کام دیکھے ہوئے اور آپؐ کے زیرِ ہدایت تربیت پائے ہوئے ہزاروں لوگ موجود تھے۔ اس معاشرے نے بعد کی نسلوں تک وہ سارے نقوش منتقل کیے اور ان سے وہ نسلاً بعد نسلٍ ہم کو پہنچے۔ دنیا کے کسی مسلّم اصولِ شہادت کی رو سے بھی یہ شہادت رد نہیں کی جا سکتی۔ پھر یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ نقوش کاغذ پر

ثبت نہیں کیے گئے۔ انھیں ثبت کرنے کا سلسلہ حضورؐ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ پہلی صدی ہجری میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا اور دوسری صدی کے محدّثین میں زندہ شہادتوں اور تحریری شہادتوں دونوں کی مدد سے اس پورے نقشے کو ضبط تحریر میں لے آئے۔

کیا احادیث ڈھائی سو برس تک گوشۂ خمول میں پڑی رہیں؟

ان حضرات کا یہ خیال ''کہ احادیث نہ یاد کی گئیں نہ محفوظ کی گئیں بلکہ وہ ان لوگوں کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں جو اتفاقاً کبھی دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کر کے مر گئے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات کے کئی سو برس بعد ان کو جمع اور مرتّب کیا گیا''، یہ نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے بلکہ درحقیقت یہ نبی ﷺ کی شخصیت کا اور آپؐ کے ساتھ ابتدائی دور کے مسلمانوں کی عقیدت کا بہت ہی حقیر اندازہ ہے۔ واقعات سے قطع نظر ایک شخص محض اپنی عقل ہی پر زور ڈال کر صحیح صورت حال کا تصوّر کرے تو وہ کبھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ جس عظیم الشان شخصیت نے عرب کے لوگوں کو اخلاق وتہذیب اور عقائد واعمال کی انتہائی پستیوں سے نکال کر بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا اس کی باتوں اور اس کے کاموں کو وہی لوگ اس قدر نا قابل التفات سمجھتے تھے کہ انھوں نے اس کی کوئی بات یاد رکھنے کی کوشش نہ کی، نہ دوسروں کے سامنے اتفاقاً ذکر آ جانے سے بڑھ کر کبھی اس کا چرچا کیا، نہ بعد کی آنے والی نسلوں نے اس کو کوئی اہمیت دی کہ اس کے دیکھنے والوں سے کبھی اس کے حالات پوچھتے۔ ایک معمولی لیڈر تک سے جس کسی کو شرف صحبت نصیب ہو جاتا ہے تو وہ اس سے اپنی ملاقاتوں کی ایک ایک بات یاد رکھتا ہے اور دوسروں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد نئی آنے والی نسلوں کے لوگ جا جا کر اس کے ملنے والوں سے اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ آخر (ان حضرات) نے رسول اللہ ﷺ کو کیا سمجھ لیا ہے کہ حضورؐ کو آپ کے ہم عصر اور آپ سے متصل زمانے کے لوگ اتنے التفات کا بھی مستحق نہ سمجھتے تھے۔

اب ذرا اصل صورت واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کے لیے ایک ایسے پیشوا تھے جن سے وہ ہر وقت عقائد، عبادات، اخلاق اور تہذیب وشائستگی کا سبق حاصل کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے ایک ایک رخ اور ایک ایک پہلو کو دیکھ کر وہ پاکیزہ انسانوں کی طرح رہنا سیکھتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ آپؐ کی بعثت سے پہلے ہم کیا تھے اور آپ نے ہمیں کیا کچھ بنا دیا ہے۔ ان کے لیے ہر پیش آنے والے مسئلے میں مفتی بھی آپؐ ہی تھے اور قاضی بھی آپؐ۔ آپؐ ہی کی قیادت میں وہ لڑتے بھی تھے اور صلح بھی کرتے تھے۔ ان کو تجربہ تھا کہ اس قیادت کی پیروی میں ہم کہاں سے چلے تھے اور بالآخر کہاں پہنچ کر رہے۔ اس بنا پر وہ آپؐ کی ایک ایک بات کو یاد رکھتے تھے۔ جو قریب رہتے تھے وہ بالالتزام آپؐ کی صحبتوں میں بیٹھتے تھے، جنھیں کسی وقت آپ کی مجلس سے غیر حاضر رہنا ہوتا تو وہ دوسروں سے پوچھ کر معلوم کرتے تھے کہ آج آپؐ نے کیا کیا اور کیا کہا۔ دور دور سے آنے والے لوگ اپنے ان اوقات کو جو آپؐ کے ساتھ بسر ہو جاتے تھے اپنا حاصل زندگی سمجھتے تھے اور عمر بھر ان کی یاد دل سے نہ نکلتی تھی۔ جنھیں حاضر ہونے کا موقع نصیب نہ ہوتا تھا وہ ہر اس شخص کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے جو آپؐ سے مل کر آتا تھا اور کرید کرید کر ایک ایک بات اس سے پوچھتے تھے۔ جنھوں نے آپؐ کو دور سے کبھی دیکھا تھا یا کسی بڑے مجمع میں صرف آپؐ کی تقریر سن لی تھی وہ جیتے جی اس موقع کو نہ بھولتے تھے اور فخریہ اپنے اس شرف کو بیان کرتے تھے کہ ہماری آنکھوں

نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور ہمارے کان آپ ؐ کی تقریریں سن چکے ہیں۔ پھر حضورؐ کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں ان کے لیے تو دنیا میں سب سے اہم اگر کوئی چیز تھی تو وہ اس رسول عظیم سیرت تھی جس کی قیادت کے معجزے نے عرب کے شتر بانوں کو اٹھا کر سندھ سے اسپین تک کا فرماں روا بنا دیا تھا۔ وہ ایک ایک ایسے شخص کے پاس پہنچتے تھے جس نے آپ ؐ کی صحبت پائی تھی، یا آپ ؐ کو کبھی دیکھا تھا، یا آپ ؐ کی کوئی تقریر سنی تھی۔ اور جوں جوں صحابہ دنیا سے اٹھتے چلے گئے، یہ اشتیاق بڑھتا گیا، حتیٰ کہ تابعین کے گروہ نے وہ سارا علم نچوڑ لیا جو سیرت پاک کے متعلق صحابہ سے ان کو مل سکتا تھا۔

صحابہؓ کی روایت حدیث

عقل گواہی دیتی ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا اور تاریخ گواہی دیتی ہے کہ فی الواقع ایسا ہی ہوا ہے۔ آج حدیث کا جو علم دنیا میں موجود ہے وہ تقریباً دس ہزار صحابہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ تابعین نے صرف ان کی احادیث ہی نہیں لی ہیں بلکہ ان سب صحابیوں کے حالات بھی بیان کر دیے ہیں۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ کس نے حضورؐ کی کتنی صحبت پائی ہے؟ یا کب اور کہاں آپ کو دیکھا ہے؟ اور کن کن مواقع پر آپ کی خدمت میں حاضری دی ہے؟ (یہ حضرات) تو فرماتے ہیں کہ احادیث ابتدائی دور کے مسلمانوں کے ذہن میں دفن پڑی رہیں اور دوڈھائی صدی بعد امام بخاریؒ اور ان کے ہم عصروں نے انھیں کھود کر نکالا۔ لیکن تاریخ ہمارے سامنے جو نقشہ پیش کرتی ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ صحابہؓ میں سے جن حضرات نے سب سے زیادہ روایات بیان کی ہیں، ان کی اور ان کے مرویات کی فہرست ملاحظہ ہو:

اسماء	سن وفات	احادیث کی تعداد
ابو ہریرہؓ [۱]	۵۷ھ	۵۳۷۴
ابو سعید خدریؓ	۴۶ھ	۱۱۷۰
جابر بن عبد اللہؓ	۷۴ھ	۱۵۴۰
انس بن مالکؓ	۹۳ھ	۱۲۸۶
اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ	۵۹ھ	۲۲۱۰
عبد اللہ بن عباسؓ	۶۸ھ	۱۶۶۰
عبد اللہ بن عمرؓ	۷۰ھ	۱۶۳۰
عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ	۶۳ھ	۷۰۰
عبد اللہ بن مسعودؓ	۳۲ھ	۸۴۸

کیا یہ اسی بات کا ثبوت ہے کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کے حالات کو اپنے سینوں میں دفن کر کے یونہی اپنے ساتھ دنیا سے لے گئے؟

---

[۱] ان کے شاگردوں کی تعداد ۸۰۰ کے لگ بھگ تھی اور ان کے بکثرت شاگردوں نے ان کی احادیث کو قلم بند کیا تھا۔

دورِ صحابہؓ سے امام بخاری کے دور تک علم حدیث کی مسلسل تاریخ

اس کے بعد ان تابعین کو دیکھیے جنھوں نے صحابہ کرامؓ سے سیرتِ پاک کا علم حاصل کیا اور بعد کی نسلوں تک اس کو منتقل کیا۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف طبقات ابن سعد میں چند مرکزی شہروں کے جن تابعین کے حالات ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

مدینہ	مکہ	کوفہ	بصرہ
۴۸۴	۱۳۱	۴۱۳	۱۶۴

ان میں سے جن اکابر تابعین نے حدیث کے علم کو حاصل کرنے، محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے کا سب سے بڑھ کر کام کیا ہے وہ یہ ہیں:

اسماء	پیدائش	وفات
سعید بن المسیَّب	۱۴ھ	۶۳ھ
حسن بصری	۲۱ھ	۱۱۰ھ
ابن سیرین	۳۳ھ	۱۱۰ھ
عروہ بن زبیر[۱]	۲۲ھ	۹۴ھ
علی بن حسین (زین العابدین)	۳۸ھ	۹۴ھ
مجاہد	۲۱ھ	۱۰۴ھ
قاسم بن محمد بن ابی بکر	۳۷ھ	۱۰۶ھ
شریح (حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے)		۷۸ھ
مسروق (حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے)		۶۳ھ
اسود بن یزید		۷۵ھ
مکحول		۱۱۲ھ
رجاء بن حیوہ		۱۰۳ھ
ہمام بن منبہ[۲]	۴۰ھ	۱۳۱ھ
سالم بن عبداللہ بن عمر		۱۰۶ھ
نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر		۱۱۷ھ
سعید بن جبیر	۴۵ھ	۹۵ھ

---

۱ انھوں نے سیرت رسولؐ پر پہلی کتاب لکھی۔

۲ انھوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے آج بھی موجود ہے اور شائع ہو چکا ہے۔

اسماء	پیدائش	وفات
سلیمان الاعمش	۶۱ھ	۱۴۸ھ
ایوب السختیانی	۶۶ھ	۱۳۱ھ
محمد بن المنکدِر	۵۴ھ	۱۳۰ھ
ابن شہاب زُہری [۱]	۵۸ھ	۱۲۴ھ
سلیمان بن یسار	۳۴ھ	۱۰۷ھ
عِکرمہ مولیٰ ابن عباس	۲۲ھ	۱۰۵ھ
عطاء بن ابی رباح	۲۷ھ	۱۱۵ھ
قتادہ بن دعامہ	۶۱ھ	۱۱۷ھ
عامر الشعبی	۱۷ھ	۱۰۴ھ
علقمہ	(یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جوان تھے مگر حضورؐ سے ملے نہیں)	۶۲ھ
ابراہیم النخعی	۴۶ھ	۹۶ھ
یزید بن ابی حبیب	۵۳ھ	۱۲۸ھ

ان حضرات کی تواریخ پیدائش و وفات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کے عہد کا بہت بڑا حصہ دیکھا ہے۔ ان میں سے بیشتر وہ تھے جنھوں نے صحابہ کے گھروں میں اور صحابیات کی گودوں میں پرورش پائی ہے، اور بعض وہ تھے جن کی عمر کسی نہ کسی صحابی کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ ان کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص نے بہ کثرت صحابہ سے مل کر نبی ﷺ کے حالات معلوم کیے ہیں اور آپ کے ارشادات اور فیصلوں کے متعلق وسیع واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ اسی وجہ سے روایت حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ انہی لوگوں سے بعد کی نسلوں کو پہنچا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی شخص یہ فرض نہ کرلے کہ پہلی صدی ہجری کے تمام مسلمان منافق تھے، اس بات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں نے گھر بیٹھے حدیثیں گھڑلی ہوں گی اور پھر بھی پوری امت نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا ہوگا اور ان کو اپنے اکابر علماء میں شمار کیا ہوگا۔

اس کے بعد اصاغر تابعین اور تبع تابعین کا وہ گروہ ہمارے سامنے آتا ہے جو ہزار ہا کی تعداد میں تمام دنیائے اسلام میں پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے بہت بڑے پیمانے پر تابعین سے احادیث لیں اور دور دراز کے سفر کر کے ایک ایک علاقے کے صحابہ اور ان کے شاگردوں کا علم جمع کیا۔ ان کی چند نمایاں شخصیتیں یہ ہیں:

---

[۱] انھوں نے حدیث کا بہت بڑا تحریری ذخیرہ چھوڑا۔

اسماء	پیدائش	وفات
جعفر بن محمد بن علی (جعفر الصادق)	۸۰ھ	۱۴۸ھ
ابوحنیفۃ النعمان (امام اعظم)	۸۰ھ	۱۵۰ھ
شعبہ بن الحجاج	۸۳ھ	۱۶۰ھ
لیث بن سعد	۹۳ھ	۱۶۵ھ
ربیعۃ الرائے (استاذ امام مالک)		۱۳۶ھ
سعید بن عروبہ		۱۵۶ھ
مسعر بن کدام		۱۵۲ھ
عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر		۱۲۶ھ
سفیان الثوری	۹۷ھ	۱۶۱ھ
حماد بن زید	۹۸ھ	۱۷۹ھ

دوسری صدی ہجری کے جامعین حدیث

یہی دور تھا جس میں حدیث کے مجموعے لکھنے اور مرتب کرنے کا کام باقاعدگی کے ساتھ شروع ہوا۔ اس زمانے میں جن لوگوں نے احادیث کے مجموعے مرتب کیے وہ حسب ذیل ہیں:

اسماء	پیدائش	وفات	کارنامے
ربیع بن صبیح		۱۶۰ھ	انھوں نے ایک ایک فقہی عنوان پر الگ رسائل مرتب کیے۔
سعید بن عروبہ		۱۵۶ھ	,, ,, ,, ,,
موسیٰ بن عقبہ		۱۴۱ھ	انھوں نے نبی ﷺ کے غزوات کی تاریخ مرتب کی۔
امام مالک	۹۳ھ	۱۷۶ھ	انھوں نے احکام شرعی کے متعلق احادیث وآثار کو جمع کیا۔
ابن جریج	۸۰ھ	۱۵۰ھ	,, ,, ,, ,,
امام اوزاعی	۸۸ھ	۱۵ھ	,, ,, ,, ,,
سفیان ثوری	۹۷ھ	۱۶۱ھ	,, ,, ,, ,,
حماد بن سلمہ بن دینار		۱۷۶ھ	,, ,, ,, ,,
امام ابو یوسف	۱۱۳ھ	۱۸۲ھ	,, ,, ,, ,,
امام محمد	۱۳۱ھ	۱۸۹ھ	,, ,, ,, ,,
محمد بن اسحاق		۱۵۱ھ	انھوں نے نبی ﷺ کی سیرت پاک مرتب کی۔

اسماء	پیدائش	وفات	کارنامے
ابن سعد	۱۶۸ھ	۲۲۰ھ	انھوں نے نبی ﷺ اور صحابہ وتابعین کے حالات جمع کیے۔
عبیداللہ بن موسیٰ العبسی		۲۱۳ھ	انھوں نے ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں۔
مسدد بن مسرہد البصری		۲۱۸ھ	,, ,, ,, ,,
اسد بن موسیٰ		۲۱۲ھ	,, ,, ,, ,,
نعیم بن حمّاد الخزاعی		۲۲۸ھ	,, ,, ,, ,,
امام احمد بن حنبل	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ	,, ,, ,, ,,
اسحٰق بن راہویہ	۱۶۱ھ	۲۳۸ھ	,, ,, ,, ,,
عثمان بن ابی شیبہ	۱۵۶ھ	۲۳۹ھ	,, ,, ,, ,,
ابوبکر بن ابی شیبہ	۱۵۹ھ	۲۳۵ھ	انھوں نے فقہی ابواب اور صحابہ کی جداگانہ مرویات دونوں کے لحاظ سے احادیث جمع کیں۔

ان میں سے امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد، محمد بن اسحاق، ابن سعد، امام احمد بن حنبل اور ابوبکر ابن شیبہ کی کتابیں آج تک موجود ہیں اور شائع ہو چکی ہیں۔ نیز موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کا بھی ایک حصہ شائع ہو چکا ہے اور جن حضرات کی کتابیں آج نہیں ملتیں وہ بھی درحقیقت ضائع نہیں ہوئی ہیں، بلکہ ان کا پورا مواد بخاری و مسلم اور ان کے ہم عصروں نے اور ان کے بعد آنے والوں نے اپنی کتابوں میں شامل کرلیا۔ اس لیے لوگ ان سے بے نیاز ہوتے چلے گئے۔

امام بخاریؒ کے دور تک علم حدیث کی اس مسلسل تاریخ کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص ان ارشادات کو آخر کیا وزن دے سکتا ہے کہ ”احادیث نہ یاد کی گئیں نہ محفوظ کی گئیں بلکہ وہ ان لوگوں کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں جو اتفاقاً کبھی دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کر کے مر گئے یہاں تک کہ ان کی وفات کے چند سو برس بعد ان کو جمع اور مرتب کیا گیا۔“ اور یہ کہ ”بعد میں پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے تقریباً ایک سو برس بعد احادیث کو جمع کیا گیا مگر ان کا ریکارڈ اب محفوظ نہیں ہے۔“

احادیث میں اختلاف کی حقیقت

یہ حضرات کہتے ہیں کہ ”بہت کم احادیث ہیں جن میں یہ جامعین حدیث متفق ہوں۔“ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو سرسری طور پر چند مختلف احادیث پر ایک نگاہ ڈال کر تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تفصیل کے ساتھ کتب حدیث کا متقابل مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔ پھر جن میں اختلاف ہے ان کا جائزہ لیا جائے تو زیادہ تر اختلافات حسب ذیل چار نوعیتوں میں سے کسی نوعیت کے پائے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان کے درمیان معانی میں کوئی اہم اختلاف نہیں ہے، یا مختلف راویوں نے ایک ہی واقعہ یا تقریر کے مختلف اجزاء نقل کیے ہیں۔

دوسرے یہ کہ خود حضورؐ نے ایک مضمون کو مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

تیسرے یہ کہ حضورؐ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہے۔

چوتھے یہ کہ ایک حدیث پہلے کی ہے اور دوسری حدیث بعد کی اور اس نے پہلی کو منسوخ کر دیا ہے۔

ان چار اقسام کو چھوڑ کر جن احادیث کا باہمی اختلاف رفع کرنے میں واقعی مشکل پیش آتی ہے ان کی تعداد پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک فی صدی سے بھی کم ہے۔ کیا چند روایات میں اس خرابی کا پایا جانا یہ فیصلہ کر دینے کے لیے کافی ہے کہ پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتماد ہے؟ روایات کسی ایک ناقابل تقسیم کل کا نام نہیں ہے جس کے کسی جز کے ساقط ہو جانے سے کل کا ساقط ہو جانا لازم آئے۔ ہر روایت اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے اور اپنی جداگانہ سند کے ساتھ آتی ہے۔ اس بنا پر ایک دو نہیں، دو چار سو روایتوں کے ساقط ہو جانے سے بھی بقیہ روایات کا سقوط لازم نہیں آ سکتا۔ علمی تنقید پر جو جو روایات پوری اتریں انھیں ماننا ہی ہوگا۔

محدثین کے درمیان اختلاف کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی روایت کی سند کو ایک محدث اپنی تنقید کے اعتبار سے درست سمجھتا ہے اور دوسرا محدث اسے کمزور قرار دیتا ہے۔ یہ رائے اور تحقیق کا اختلاف ہے جس سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا عدالتوں میں کسی شہادت کو قبول کرنے اور نہ قبول کرنے پر اختلاف کبھی نہیں ہوتا؟

کیا حافظہ سے نقل کی ہوئی روایات ناقابل اعتماد ہیں؟

(یہ حضرات) کہتے ہیں کہ ''آج کے عربوں کا حافظہ جیسا کچھ قوی ہے، پہلی صدی ہجری کے عربوں کا حافظہ بھی اتنا ہی قوی ہوگا۔ تاہم اسے خواہ کتنا ہی قوی مان لیا جائے، کیا صرف حافظہ سے نقل کی ہوئی باتیں قابل اعتماد سمجھی جا سکتی ہیں؟'' پھر ان کا ارشاد ہے کہ ''ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک پہنچتے پہنچتے بات کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے اور ہر ذہن کے اپنے خیالات اور تعصبات اس کو موڑتے توڑتے چلے جاتے ہیں۔'' یہ دو مزید وجہیں ہیں جن کی بنا پر وہ احادیث کو اعتماد و استناد کے قابل نہیں سمجھتے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آدمی اپنی جس قوت سے زیادہ کام لیتا ہے وہ ترقی کرتی ہے اور جس سے کام کم لیتا ہے وہ کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بات جس طرح تمام انسانی قوتوں کے معاملے میں صحیح ہے، حافظہ کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اہل عرب نبی علیہ السلام سے پہلے ہزاروں برس سے اپنا کام تحریر کے بجائے یاد اور حافظے سے چلانے کے خوگر تھے۔ ان کے تاجر لاکھوں روپے کا لین دین کرتے تھے اور کوئی لکھا پڑھی نہ ہوتی تھی۔ پائی پائی کا حساب، اور بیسیوں گاہکوں کا تفصیلی حساب وہ نوکِ زبان پر رکھتے تھے۔ ان کی قبائلی زندگی میں نسب اور خونی رشتوں کی بڑی اہمیت تھی۔ یہ سب کچھ بھی حافظے میں محفوظ رہتا اور زبانی روایت سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل تک پہنچتا تھا۔ ان کا سارا لٹریچر بھی کاغذ پر نہیں بلکہ لوحِ قلب پر لکھا ہوا تھا۔ ان کی یہی عادت تحریر کا رواج ہو جانے کے بعد بھی تقریباً ایک صدی تک جاری رہی۔ اس لیے کہ قومی عادتیں بدلتے بدلتے ہی بدلی ہیں۔ وہ کاغذ کی تحریر پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے حافظے پر اعتماد کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ انھیں اس پر فخر تھا، اور ان کی نگاہ سے وہ شخص گر جاتا تھا جس سے کوئی بات پوچھی جائے اور وہ زبانی بتانے کے بجائے گھر سے کتاب لا کر اس کا جواب دے۔ ایک مدت دراز تک وہ لکھنے کے باوجود یاد کرتے تھے اور تحریر پڑھ کر سنانے کے بجائے نوکِ زبان سے سنانا نہ صرف باعثِ عزت سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک آدمی کے علم پر اعتماد بھی اسی طریقے سے قائم ہوتا تھا۔

کوئی وجہ نہیں کہ حافظے کی یہ کیفیت آج کے عربوں میں باقی رہے۔ صدیوں سے کتابت پر اعتماد کرتے رہنے اور حافظے سے کام کم لینے کے باعث اب کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی یادداشت قدیم عربوں کی سی رہ جائے۔ لیکن عربوں اور غیر عربوں، سب میں آج بھی اس امر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ ان پڑھ لوگ اور اندھے آدمی پڑھے لکھے اور بینا انسانوں کی بہ نسبت زیادہ یادداشت رکھتے ہیں۔ ناخواندہ تاجروں میں بہ کثرت لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں جنھیں بہت سے گاہکوں کے ساتھ اپنا ہزار ہا روپے کا لین دین پوری تفصیل کے ساتھ یاد رہتا ہے۔ بے شمار اندھے ایسے موجود ہیں جن کی قوتِ حافظہ آدمی کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ تحریر پر اعتماد کر لینے کے بعد ایک قوم کے حافظے کی وہ حالت باقی نہیں رہ سکتی جو ناخواندگی کے دور میں اس کی تھی۔

احادیث کے محفوظ رہنے کی اصل علّت

یہ اس معاملے کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ صحابہ کے لیے خاص طور پر نبی ﷺ کی احادیث کو ٹھیک یاد رکھنے اور انھیں صحیح صحیح بیان کرنے کے کچھ مزید محرکات بھی تھے جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً، وہ سچّے دل سے آپ کو خدا کا نبی اور دنیا کا سب سے بڑا انسان سمجھتے تھے۔ ان کے دلوں پر آپؐ کی شخصیت کا بڑا گہرا اثر تھا۔ ان کے لیے آپ کی بات اور آپ کے واقعات و حالات کی حیثیت عام انسانی وقائع جیسی نہ تھی کہ وہ ان کو اپنے معمولی حافظے کے حوالے کر دیتے۔ ان کے لیے تو ایک ایک لمحہ جو انھوں نے آپؐ کی معیت میں گزارا، ان کی زندگی کا سب سے زیادہ قیمتی لمحہ تھا اور اس کی یاد کو وہ اپنا سب سے بڑا سرمایہ سمجھتے تھے۔

ثانیاً وہ آپ کی ایک ایک تقریر، ایک ایک گفتگو اور آپ کی زندگی کے ایک ایک عمل سے وہ علم حاصل کر رہے تھے جو انھیں اس سے پہلے کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ وہ خود جانتے تھے کہ ہم اس سے پہلے سخت جاہل اور گمراہ تھے، اور یہ پاکیزہ ترین انسان اب ہم کو صحیح علم دے رہا ہے اور مہذب انسان کی طرح جینا سکھا رہا ہے۔ اس لیے وہ پوری توجہ کے ساتھ ہر بات سنتے اور ہر فعل کو دیکھتے تھے، کیونکہ انھیں اپنی زندگی میں عملاً اسی کا نقش پیوست کرنا تھا، اسی کی نقل اتارنی تھی، اور اسی کی رہنمائی میں کام کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس شعور و احساس کے ساتھ آدمی جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اسے یاد رکھنے میں وہ اتنا سہل انگار نہیں ہوسکتا جتنا وہ کسی میلے یا کسی بازار میں سنی اور دیکھی ہوئی باتیں یاد رکھنے میں ہوسکتا ہے۔

ثالثاً، وہ قرآن کی رو سے بھی یہ جانتے تھے اور نبی ﷺ کے بار بار متنبہ کرنے سے بھی ان کو شدت کے ساتھ اس بات کا احساس تھا کہ خدا کے نبی پر افترا کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہوگی۔ اس بنا پر وہ حضورؐ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کرنے میں سخت محتاط تھے۔ صحابہ کرام میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے اپنی کسی ذاتی غرض سے یا اپنا کوئی کام نکالنے کے لیے حضورؐ کے نام سے کبھی ناجائز فائدہ اٹھایا ہو۔ حتّٰی کہ ان کے درمیان جب اختلافات برپا ہوئے اور دو خونریز لڑائیاں تک ہوگئیں، اس وقت بھی فریقین میں سے کسی ایک شخص نے بھی کوئی حدیث گھڑ کر دوسرے کے خلاف استعمال نہیں کی۔ اس قسم کی حدیثیں بعد کے خدا ناترس لوگوں نے تو ضرور تصنیف کیں مگر صحابہ کے واقعات میں اس کی مثال ناپید ہے۔

رابعاً وہ اپنے اوپر اس بات کی بہت بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے کہ بعد کے آنے والوں کو حضورؐ کے حالات اور آپ کی ہدایات وتعلیمات بالکل صحیح صورت میں پہنچائیں اور اس میں کسی قسم کا مبالغہ یا آمیزش نہ کریں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ دین تھا اور اس میں اپنی طرف سے تغیر کر دینا کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ ایک عظیم خیانت تھا۔ اسی وجہ سے صحابہ کے حالات میں اس قسم کے بہ کثرت واقعات ملتے ہیں کہ حدیث بیان کرتے ہوئے وہ کانپ جاتے تھے، ان کے چہرہ کا رنگ اڑ جاتا تھا، جہاں ذرہ برابر بھی خدشہ ہوتا تھا کہ شاید حضورؐ کے الفاظ کچھ اور ہوں وہاں بات نقل کر کے او کماقال کہہ دیتے تھے تاکہ سننے والا ان کے الفاظ کو بعینہٖ حضورؐ کے الفاظ نہ سمجھ لے۔

خامساً، اکابر صحابہؓ خاص طور پر عام صحابیوں کو احادیث روایت کرنے میں احتیاط کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ اس معاملے میں سہل انگاری برتنے سے شدت کے ساتھ روکتے تھے اور بعض اوقات ان سے حضورؐ کا کوئی ارشاد سن کر شہادت طلب کرتے تھے تاکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ دوسروں نے بھی یہ بات سنی ہے۔ اسی اطمینان کے لیے صحابیوں نے ایک دوسرے کے حافظے کا امتحان بھی لیا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ایک حدیث پہنچی۔ دوسرے سال حج میں اُمّ المومنین نے اُسی حدیث کو دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس آدمی بھیجا۔ دونوں مرتبہ حضرت عبداللہ کے بیان میں ایک حرف کا فرق بھی نہ تھا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا واقعی عبداللہ کو بات ٹھیک یاد ہے۔
(بخاری، مسلم)

سادساً، حضورؐ کی ہدایات وتعلیمات کا بہت بڑا حصہ وہ تھا جس کی حیثیت محض زبانی روایات ہی کی نہ تھی، بلکہ صحابہؓ کے معاشرے میں، ان کی شخصی زندگیوں میں، ان کے گھروں میں، ان کی معیشت اور حکومت اور عدالت میں اس کا پورا ٹھپہ لگا ہوا تھا، جس کے آثار ونقوش ہر طرف لوگوں کو چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ ایسی ایک چیز کے متعلق کوئی شخص حافظے کی غلطی، یا اپنے ذاتی خیالات وتعصّبات کی بنا پر کوئی نرالی بات لا کر پیش کرتا بھی تو وہ چل کہاں سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی نرالی حدیث آئی بھی ہے تو وہ الگ پہچان لی گئی ہے اور محدثین نے اس کی نشاندہی کر دی ہے کہ اس خاص راوی کے سوا یہ بات کسی اور نے بیان نہیں کی ہے۔ یا اس پر عمل درآمد کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

احادیث کی صحت کا ایک ثبوت

ان سب کے علاوہ ایک نہایت اہم بات اور بھی ہے جسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عربی زبان جانتے ہیں اور جنھوں نے محض سرسری طور پر کبھی کبھار متفرق احادیث کا مطالعہ نہیں کر لیا ہے بلکہ گہری نگاہ سے حدیث کی پوری پوری کتابوں کو، یا کم از کم کسی ایک ہی کتاب (مثلاً بخاری یا مسلم) کو از اوّل تا آخر پڑھا ہے۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی ایک خاص زبان اور آپ کا اپنا ایک مخصوص انداز بیان ہے جو تمام صحیح احادیث میں بالکل یکسانیت اور یک رنگی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ قرآن کی طرح آپ کا لٹریچر اور اسٹائل اپنی ایسی انفرادیت رکھتا ہے کہ اس کی نقل کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ اس میں آپ کی شخصیت بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا بلند منصب ومقام جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے آدمی کا دل یہ گواہی دینے لگتا ہے کہ یہ باتیں محمد رسول اللہ کے سوا کوئی دوسرا شخص کہہ نہیں سکتا۔ جن لوگوں نے کثرت

سے احادیث کو پڑھ کر حضورؐ کی زبان طرز بیان کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے وہ حدیث کی سند کو دیکھے بغیر محض متن کو پڑھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع، کیونکہ موضوع کی زبان ہی بتا دیتی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان نہیں ہے۔ حتیٰ کہ صحیح احادیث تک میں روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کا فرق صاف محسوس ہو جاتا ہے، کیونکہ جہاں راوی نے حضورؐ کی بات کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے وہاں آپؐ کے اسٹائل سے واقفیت رکھنے والا یہ بات پالیتا ہے کہ یہ خیال اور بیان تو حضورؐ ہی کا ہے لیکن زبان میں فرق ہے۔ یہ انفرادی خصوصیت احادیث میں کبھی نہ پائی جاسکتی اگر بہت سے کمزور حافظوں نے ان کو غلط طریقوں سے نقل کیا ہوتا اور بہت سے ذہنوں کی کارفرمائی نے ان کو اپنے اپنے خیالات وتعصبات کے مطابق توڑا مروڑا ہوتا۔ کیا یہ بات عقل میں سماتی ہے کہ بہت سے ذہن مل کر ایک یک رنگ لٹریچر اور ایک انفرادی اسٹائل پیدا کر سکتے ہیں؟

اور یہ معاملہ صرف زبان وادب کی حد تک ہی نہیں ہے اس سے آگے بڑھ کر دیکھیے تو نظر آتا ہے کہ طہارت جسم و لباس سے لے کر صلح و جنگ اور بین الاقوامی معاملات تک زندگی کے تمام مختلف شعبوں میں اور ایمان و اخلاق سے لے کر علامات قیامت اور احوال آخرت تک تمام فکری اور اعتقادی مسائل میں صحیح احادیث ایک ایسا نظام فکر وعمل پیش کرتی ہیں جو اوّل سے آخر تک اپنا ایک ہی مزاج رکھتا ہے اور جس کے تمام اجزا میں پورا پورا منطقی ربط ہے۔ ایسا مربوط اور ہم رنگ نظام اور اتنا مکمل وحدانی نظام لازماً ایک ہی فکر سے بن سکتا ہے، بہت سے مختلف ذہن مل کر اسے نہیں بنا سکتے۔ یہ ایک اور اہم ذریعہ ہے جس سے موضوع احادیث ہی نہیں مشکوک احادیث تک پہچانی جاتی ہیں۔ سند کو دیکھنے سے پہلے ایک بصیرت رکھنے والا آدمی اس طرح کی کسی حدیث کے مضمون ہی کو دیکھ کر یہ بات صاف محسوس کر لیتا ہے کہ صحیح احادیث اور قرآن مجید نے مل کر اسلام کا جو نظام فکر اور نظام حیات بنایا ہے اس کے اندر یہ مضمون کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتا کیونکہ اس کا مزاج پورے نظام کے مزاج سے مختلف نظر آتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے (تو ان حضرات) کی یہ رائے بڑے ہی سرسری مطالعے اور نہایت ناکافی غور و تحقیق کا نتیجہ نظر آتی ہے کہ حدیث کو حافظوں کی غلطی اور مختلف ذہنوں کی کارفرمائی نے مسخ کر دیا ہے۔

ماٰخذ

(۱) ☆ابوداؤد، کتاب العلم: باب فی کتاب العلم۔ ☆مسند احمد، ج۲، مرویات عبد اللّٰہ بن عمرو۔ ☆المستدرك للحاکم جلد ۱ کتاب العلم، الامربکتابة الحدیث ☆ دارمی باب من رخص فی کتاب العلم ☆ مسند احمد، ج۲، عمرو بن شعیب۔

(۲) ☆ترمذی، ابواب العلم : باب فی الرخصة فیه۔

(۳) ☆بخاری، ج ۱، کتاب العلم : باب کتابة العلم۔ ☆ابوداؤد: کتاب العلم: باب فی کتاب العلم۔ ☆ترمذی: ابواب العلم: باب ماجاء فی الرخصة فیه۔

(٤) ☆بخاری ج ۱، کتاب العلم: باب کتابة العلم۔☆ترمذی: ابواب العلم: باب فی الرخصة فیه۔ ☆دارمی: کتاب العلم: باب من رخص فی کتابة العلم۔☆ مسند احمد، ج ۲، عن ابی هریرة۔

(٥) ☆ابوداؤد، کتاب العلم ج ۳، باب فضل نشر العلم۔ ☆ترمذی، ابواب اعلم ج ۲، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع۔ حدیث زید بن ثابت حسن۔ ☆ ابن ماجه ، المقدمه: باب من بلغ علما ☆مسند احمد، ج ٥، زید بن ثابت۔ ☆دارمی، ج ۱، باب الاقتداء بالعلماء۔

(٦) ☆بخاری، ج ۱، کتاب العلم: باب قول النبی ﷺ ربّ مبلغ اوعی من سامع۔ ☆مسند احمد ، ج۱، عن ابن عباس۔ ☆ابن ماجه، المقدمه: باب من بلغ علما۔

(۷) ☆بخاری، ج ۱، کتاب العلم: باب لیبلّغ العلم الشاهد الغائب الخ۔

(۸) ☆بخاری، ج ۱، کتاب الایمان: باب اداء الخمس من الایمان۔ ☆ بخاری، ج ۱، کتاب العلم: باب تحریض النبی وفد عبدالقیس علی حفاظة الایمان۔ ☆ مسلم، ج ۱، کتاب الایمان: باب الامربالایمان باللّٰه تعالیٰ ورسوله ﷺ وشرائع الدین والدعاء الیه والسوال عنه وحفظه و تبلیغه من لم یبلغه۔ ☆ابوداؤد: کتاب الاشربه : باب فی الاوعیة۔ ☆ ترمذی ابواب الایمان: باب ماجاء فی اضافة الفرائض الی الایمان۔ اس میں وا دواخمس ما غنمتم تک ھے۔ ☆نسائی: کتاب الایمان: باب اداء الخمس ۔ آخری جمله اس میں بھی نہیں ھے۔

(۹) ☆مسلم، ج ۲، کتاب الزهد: باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابة العلم۔

(۱۰) ☆ترمذی: ابواب تفسیر القراٰن: باب ماجاء فی الذی یفسر القراٰن برأیه۔

(۱۱) ☆مسند احمد، ج ۱، ابن عباس۔☆مسند جلد ۱ پر ابن عباس سے جو روایت مروی ھے اس میں فی القرآن کی بجائے علی القرآن ھے۔

(۱۲) ☆بخاری، ج ۱، کتاب العلم: باب اثم من کذب علی النبی ﷺ ۔

(۱۳) ☆ابن ماجه: باب التغلیظ فی تعمد الکذب الخ۔

(۱٤) ☆ترمذی: ابواب العلم: باب فی تعظیم الکذب علی رسول اللّٰه ﷺ۔

(۱٥) ☆بخاری ج ۱، کتاب العلم: باب اثم من کذب علی النبی ﷺ۔

(۱٦) ☆ابن ماجه: المقدمه :باب التغلیظ من تعمد الکذب علیٰ رسول اللّٰه ﷺ۔

(۱۷) ☆المستدرك للحاکم، ج ۱، کتاب العلم۔ ☆ابوداؤد: کتاب السنة باب فی لزوم السنة۔ ☆ترمذی: ابواب العلم: باب مانص عنه ان یقال عنه حدیث رسول اللّٰه ﷺ۔ ☆ابن ماجه: باب تعظیم حدیث رسول اللّٰه ﷺ والتغلیظ علیٰ من عارضه۔ ☆موارد الظمآن میں نهیت عنه کے بعد ماندری ماهذا عند ناکتاب اللّٰه لیس هذا فیه کے الفاظ ھیں۔ ☆موارد الظمآن: کتاب العلم: باب اتباع رسول اللّٰه ﷺ ۔ ☆ابن ماجه نے من امری کے الفاظ روایت نہیں کیے۔ اور فیقول لاندری کے بجائے لاادری روایت کیا ھے۔

(۱۸) ☆مسند احمد، ج ٦، مرویات ابی رافع رضی اللّٰه عنه۔

(۱۹) ☆ابوداؤد: کتاب السنة: باب فی لزوم السنة۔ ☆دارقطنی: ج ۲ ☆دارمی، باب السنة قاضیة علیٰ کتاب اللّٰه ☆ابن ماجه: المقدمه۔

(۲۰) ابوداؤد: کتاب الخراج والفئی والامارة: باب فی تعشیر اهل الذمه اذا اختلفوا بالتجارات۔

(۲۱) بخاری، ج ۲، کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح۔ ☆مسلم: کتاب النکاح، ج ۱۔

كتابُ التوحيد

فصل اوّل

توحید اور اس کے تقاضے

اساساتِ اسلام

۱۔ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ترجمہ: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ (تفہیمات حصہ دوم ص: فتنۂ تکفیر)

تخریج: حَدَّثَنِیْ اَبُوْ خَيْثَمَةَ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَاوَكِيْعٌ عَنْ كَهْمَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ يَعْمُرَح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذِنِ الْعَنْبَرِیُّ وَهٰذَا حَدِيْثُهٗ، قَالَ: نَااَبِیْ، قَالَ: نَا كَهْمَسٌ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْیٰ بْنِ يَعْمُرَ، قَالَ: كَانَ اَوَّلَ مَنْ قَالَ فِی الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدُنِ الْجُهَنِیُّ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَحَمِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِیُّ حَاجَّيْنِ اَوْ مُعْتَمِرَيْنِ ، فَقُلْنَا: لَوْ لَقِيْنَا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلْنَاهُ عَمَّايَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِی الْقَدْرِ، فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهٗ اَنَا وَصَاحِبِیْ۔ اَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِیْ سَيَكِلُ الْكَلَامَ اِلَیَّ، فَقُلْتُ : يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَذَكَرَمِنْ شَاْنِهِمْ وَاَنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنْ لَّا قَدْرَ۔ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ۔ قَالَ: اِذَا لَقِيْتَ اُولٰٓئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِنْهُمْ وَاَنَّهُمْ بُرَآءُ مِّنِّیْ وَالَّذِیْ يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَوْاَنَّ لِاَحَدِ هِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهٗ مَاقَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ۔

ثُمَّ قَالَ: حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ

وَلَایَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْهِ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَوَضَعَ کَفَّیْهِ عَلٰی فَخِذَیْهِ، وَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۔ قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهٗ یَسْئَلُهٗ، وَیُصَدِّقُهٗ۔ قَالَ: فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ، قَالَ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ، قَالَ: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ، قَالَ: فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَابِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا، قَالَ: اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَآءَ الشَّاءِ، یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ، قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِیًّا، ثُمَّ قَالَ لِیْ: یَاعُمَرُ! اَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ:اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: فَاِنَّهٗ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔ (۱)

یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ بصرہ میں معبد جہنی نے سب سے پہلے انکارِ تقدیر پر گفتگو کی۔ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری دونوں حج یا عمرہ کا عزم لیے ہوئے روانہ ہوئے۔ ہماری خواہش تھی کہ کاش اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی سے ہماری ملاقات ہوجائے تو ہم ان سے اس نظریہ کے بارے میں دریافت کریں جو یہ لوگ تقدیر کے متعلق رکھتے ہیں۔ حسنِ اتفاق سے عبداللہ بن عمر سے ہماری ملاقات اس وقت ہوگئی جب وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ ہم دونوں نے ان کو دائیں بائیں دونوں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ میرا ساتھی آغازِ گفتگو کا موقع مجھے ہی دے گا۔ اس خیال سے میں نے گفتگو شروع کردی میں نے کہا۔ اے ابوعبدالرحمٰن! ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوگئے ہیں جو تلاوتِ قرآن کرتے ہیں اور علم کا شوق بھی رکھتے ہیں اور اس کے متعلق باریکیاں بھی چھانٹتے ہیں اور مزید ان کے حالات پر روشنی ڈالی۔ مگر ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ تقدیرِ الٰہی کوئی چیز نہیں۔ ہر معاملہ بغیر تقدیر کے ازخود ہوجاتا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ان سے تمہاری ملاقات ہوتو صاف صاف کہہ دینا کہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کی ابن عمر قسم کھاتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اسے راہِ خدا میں خرچ کردے اللہ تعالیٰ اس کی اس خیرات کو اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے حدیث سنائی کہ ایک روز ہم لوگ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک اس اثنا میں ایک اجنبی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لباس نہایت سفید، بال انتہائی سیاہ۔ سفر کا کوئی نشان اس پر نمایاں نہیں تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اسے جانتا پہچانتا نہ تھا۔ بالآخر وہ حضورؐ کے روبرو دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے (مؤدب ہو کر بیٹھا) اور عرض کیا اے محمدؐ مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا، ''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں اور اس بات کی شہادت دے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اگر

استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرے۔" اس نے عرض کیا، "آپؐ نے سچ فرمایا۔" ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ اچھا بتائیے ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، "ایمان یہ ہے کہ تم خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت پر ایمان لاؤ اور خیر و شر کے مقدر ہونے پر ایمان لاؤ۔" اس نے عرض کیا کہ "آپ نے سچ فرمایا۔" پھر پوچھا کہ "احسان کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو اس یقین کے ساتھ عبادت کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" اس شخص نے کہا "اچھا اب قیامت کے متعلق ارشاد فرمائیے۔" آپؐ نے فرمایا، "مسئول عنہ سائل سے اس بارے میں زیادہ علم نہیں رکھتا۔" اس پر اس نے عرض کیا اچھا کچھ علامات بتا دیں۔ آپؐ نے فرمایا، "اس کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ اور برہنہ پا مفلس چرواہے اونچے اونچے عالی شان محلات تعمیر کریں گے اور ان پر اترائیں گے۔" اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں ٹھہرا رہا۔ پھر حضورؐ نے دریافت فرمایا، "جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟" میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "یہ جبریل تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔" [1]

جس چیز کو ہم اسلامی اخلاقیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ قرآن اور حدیث کی رو سے دراصل چار مراتب[2] پر مشتمل ہے۔ ایمان[1]، تقویٰ[2]، اسلام[3] اور احسان[4] یہ چاروں مراتب یکے بعد دیگرے اس فطری ترتیب پر واقع ہیں کہ ہر بعد کا مرتبہ پہلے مرتبے سے پیدا اور لازماً اسی پر قائم ہوتا ہے، اور جب تک نیچے والی منزل پختہ و محکم نہ ہو جائے دوسری منزل کی تعمیر کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس پوری عمارت میں ایمان کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے۔ پھر اس کے اوپر تقویٰ اور اس سے اوپر احسان کی منزلیں اٹھتی ہیں۔ ایمان نہ ہو تو اسلام و تقویٰ یا احسان کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں۔ ایمان کمزور ہو تو اس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا، یا ایسی کوئی منزل تعمیر کر بھی دی جائے تو وہ بودی اور متزلزل ہوگی۔ ایمان محدود ہو تو جتنے حدود میں وہ محدود ہوگا، اسلام، تقویٰ اور احسان بھی بس انہی حدود تک محدود رہیں گے۔ پس جب تک ایمان پوری طرح صحیح، پختہ اور وسیع نہ ہو، کوئی مرد عاقل جو دین کا فہم رکھتا ہو، اسلام، تقویٰ یا احسان کی تعمیر کا خیال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تقویٰ سے پہلے اسلام اور احسان سے پہلے تقویٰ کی تصحیح، پختگی اور توسیع ضروری ہے۔ لیکن اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس فطری و اصولی ترتیب کو نظر انداز کر کے ایمان و اسلام کی تکمیل کے بغیر تقویٰ و احسان کی باتیں شروع کر دیتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں ایمان و اسلام کا ایک نہایت محدود تصور جاگزیں

---

[1] بقول قاضی عیاض: یہ حدیث ایسی جامع ہے کہ جملہ امور شریعت اس میں بیان کر دیے ہیں۔ مثلاً

ارکان و اساسات اسلام: شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ۔ اقامت صلوٰۃ، ایتاء الزکوٰۃ، صوم رمضان، بصورت استطاعت حج بیت اللہ۔

ایمانیات: ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرۃ، اور ایمان بالقدر خیرہ وشرہ وغیرہ۔

احسان: ایک جملہ میں سارے تصوف اور سلوک کو یکجا کر دیا ہے کہ عبادت اس رنگ میں کرنی چاہیے کہ عابد اپنے معبود حقیقی کو اپنے روبرو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مرتبہ پر نہ پہنچے تو کم از کم یہ احساس تو ہو کہ وہ معبود اپنے عابد کو دیکھ رہا ہے گویا خدائے بزرگ و برتر کے ہر آن اور ہر لحہ حاضر و ناظر ہونے کا تصور رہے۔ (مرتب)

[2] حدیث جبریل میں اساسات اسلام، ایمانیات اور احسان کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی عمارت چار بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ یعنی ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان۔ اسی کے پیش نظر اس مقام پر ایمان، اسلام اور احسان کے ساتھ تقویٰ کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے۔ (مرتب)

ہے اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ محض وضع قطع، لباس، نشست و برخاست، اکل وشرب اور ایسی ہی چند ظاہری چیزوں کو ایک مقرر نقشے پر ڈھال لینے سے تقویٰ کی تکمیل ہو جاتی ہے، اور پھر عبادات میں نوافل، اذکار، اوراد و وظائف اور ایسے ہی بعض اعمال اختیار کر لینے سے احسان کا بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ بسا اوقات اسی تقویٰ اور احسان کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زندگیوں میں ایسی صریح علامات بھی نظر آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان کا ایمان ہی سرے سے درست اور پختہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غلطیاں جب تک موجود ہیں، کسی طرح یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ ہم اسلامی اخلاقیات کا نصاب پورا کرنے میں کبھی کامیاب ہوسکیں گے۔ لٰہذا یہ ضروری ہے کہ ہمیں ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کے ان چاروں مراتب کا پورا پورا تصور بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہم ان کی فطری ترتیب کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایمان

سب سے پہلے ایمان کو لیجیے جو اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت کے اقرار کا نام ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اقرار کر لے تو اس سے وہ قانونی شرط پوری ہو جاتی ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے رکھی گئی ہے اور وہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے مگر کیا یہی سادہ اقرار، جو ایک قانونی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے، اس غرض کے لیے بھی کافی ہوسکتا ہے کہ اسلامی زندگی کی ساری سہ منزلہ عمارت صرف اس بنیاد پر قائم ہو سکے؟ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں، اور اسی لیے جہاں یہ اقرار موجود ہوتا ہے وہاں عملی اسلام اور تقویٰ اور احسان کی تعمیر شروع کر دی جاتی ہے جو اکثر ہوائی قلعے سے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن فی الواقع ایک مکمل اسلامی زندگی کی تعمیر کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ایمان اپنی تفصیلات میں پوری طرح وسیع اور اپنی گہرائی میں اچھی طرح مستحکم ہو۔ اس کی تفصیلات میں سے جو شعبہ بھی چھوٹ جائے گا، اسلامی زندگی کا وہی شعبہ تعمیر ہونے سے رہ جائے گا، اور اس کی گہرائی میں جہاں بھی کسر رہ جائے گی اسلامی زندگی کی عمارت اسی مقام پر بودی ثابت ہوگی۔

مثال کے طور پر ایمان باللہ کو دیکھیے جو دین کی اوّلین بنیاد ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ خدا کا اقرار اپنی سادہ صورت سے گزر کر جب تفصیلات میں پہنچتا ہے تو اس کی بے شمار صورتیں بن جاتی ہیں۔ کہیں وہ صرف اس حد پر ختم ہو جاتا ہے کہ بے شک خدا موجود ہے اور وہ دنیا کا خالق ہے اور اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ کہیں اس کی انتہائی وسعت بس اتنی ہوتی ہے کہ خدا ہمارا معبود ہے اور ہمیں اس کی پرستش کرنی چاہیے۔ کہیں خدا کی صفات اور اس کے حقوق و اختیارات کا تصور کچھ زیادہ وسیع ہو کر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ عالم الغیب، سمیع وبصیر، سمیع الدعوات اور قاضی الحاجات اور ''پرستش'' کی تمام جزوی شکلوں کا مستحق ہونے میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ کہ ''مذہبی معاملات'' میں آخری سند خدا ہی کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مختلف تصورات سے ایک ہی طرز کی زندگی نہیں بن سکتی بلکہ جو تصور جتنا محدود ہے، عملی زندگی اور اخلاق میں بھی لازماً اسلامی رنگ اتنا ہی محدود ہوگا، حتّٰی کہ جہاں عام مذہبی تصورات کے مطابق ایمان باللہ اپنی انتہائی وسعت پر پہنچ جائے گا وہاں بھی اسلامی زندگی اس سے آگے نہ بڑھ سکے گی کہ خدا کے باغیوں کی وفاداری اور خدا کی وفاداری ایک ساتھ نباہ لی جائے، یا نظام کفر اور نظام اسلام کو سمو کر ایک مرکب بنا لیا جائے۔

اسی طرح ایمان باللہ کی گہرائی کا پیمانہ بھی مختلف ہے۔ کوئی خدا کا اقرار کرنے کے باوجود اپنی کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی خدا پر قربان کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، کوئی بعض چیزوں سے خدا کو عزیز تر رکھتا ہے مگر بعض چیزیں اسے خدا سے عزیز تر ہوتی ہیں، کوئی اپنی جان و مال تک خدا پر قربان کر دیتا ہے مگر اپنے رجحاناتِ نفس اور اپنے نظریات و افکار کی قربانی یا اپنی شہرت کی قربانی اسے گوارا نہیں ہوتی۔ ٹھیک ٹھیک اسی تناسب سے اسلامی زندگی کی پائیداری و ناپائیداری بھی متعین ہوتی ہے، اور انسان کا اسلامی اخلاق ٹھیک اسی مقام پر دغا دے جاتا ہے جہاں اس کے نیچے ایمان کی بنیاد کمزور رہ جاتی ہے۔ ایک مکمل اسلامی زندگی کی عمارت اگر اٹھ سکتی ہے تو صرف اسی اقرارِ توحید پر اٹھ سکتی ہے جو انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی پر وسیع ہو جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو اور اپنی ہر چیز کو خدا کی ملک سمجھے، اسی کو اپنا اور تمام دنیا کا ایک ہی جائز مالک، معبود، مطاع اور صاحب امر و نہی تسلیم کرے، اسی کو ہدایت کا سرچشمہ مانے، اور پورے شعور کے ساتھ اس حقیقت پر مطمئن ہو جائے کہ خدا کی اطاعت سے انحراف، یا اس کی ہدایت سے بے نیازی، یا اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں غیر کی شرکت جس پہلو اور جس رنگ میں بھی ہے سراسر ضلالت ہے۔ پھر اس عمارت میں استحکام اگر پیدا ہو سکتا ہے تو صرف اس وقت ہو سکتا ہے کہ آدمی پورے شعور اور پورے ارادے کے ساتھ یہ فیصلہ کر لے کہ وہ اور اس کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ اپنے معیار پسند اور ناپسند کو ختم کر کے اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔ اپنی خودسری کو مٹا کر اپنے نظریات، خیالات، خواہشات، جذبات، اور اندازِ فکر کو اس علم کے مطابق ڈھال لے جو خدا نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ اپنی تمام ان وفاداریوں کو دریا برد کر دے جو خدا کی وفاداری کے تابع نہیں بلکہ اس کی مدِ مقابل بن سکتی ہوں۔ اپنے دل میں سب سے بلند مقام پر خدا کی محبت کو بٹھائے اور ہر اس بت کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نہان خانۂ دل سے نکال پھینکے جو خدا کے مقابلہ میں عزیز تر ہونے کا مطالبہ کرتا ہو۔ اپنی محبت اور نفرت، اپنی دوستی و دشمنی، اپنی رغبت اور کراہیت، اپنی صلح اور جنگ ہر چیز کو خدا کی مرضی میں اس طرح گم کر دے کہ اس کا نفس وہی چاہنے لگے جو خدا چاہتا ہے اور اس سے بھاگنے لگے جو خدا کو ناپسند ہے۔ یہ ہے ایمان باللہ کا حقیقی مرتبہ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں ایمان ہی ان حیثیات سے اپنی وسعت اور ہمہ گیری اور اپنی پختگی و مضبوطی میں ناقص ہو وہاں تقویٰ یا احسان کا کیا امکان ہو سکتا ہے۔

اسی پر دوسرے ایمانیات کو بھی قیاس کر لیجیے۔ نبوت پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان کا نفس زندگی کے سارے معاملات میں نبی ﷺ کو اپنا رہنما نہ مان لے اور اس کی رہنمائی کے خلاف یا اس سے آزاد جتنی رہنمائیاں ہوں ان کو رد نہ کر دے۔ کتاب پر ایمان اس وقت تک ناقص ہی رہتا ہے جب تک نفس میں کتاب اللہ کے بتائے ہوئے اصول زندگی کے سوا کسی دوسری چیز کے تسلّط پر رضامندی کا شائبہ بھی باقی ہو یا اتباع مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کو اپنی اور ساری دنیا کی زندگی کا قانون دیکھنے کے لیے قلب و روح کی بے چینی میں کچھ کسر بھی ہو۔ اسی طرح آخرت پر ایمان بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ نفس پوری طرح آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے اور اخروی قدروں کے مقابلہ میں دنیوی قدروں کو ٹھکرا دینے پر آمادہ نہ ہو جائے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال اسے زندگی کی ہر راہ پر چلتے ہوئے قدم قدم پر کھٹکنے نہ لگے۔ یہ بنیادیں ہی جہاں پوری طرح موجود نہ ہوں آخر وہاں اسلامی زندگی کی عالی شان عمارت کس شے پر تعمیر ہو گی۔ جب لوگوں نے ان بنیادوں کی توسیع و تکمیل اور پختگی کے بغیر ہی تعمیر اخلاقِ اسلامی کو ممکن سمجھا تب ہی تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ

کرنے والے جج، غیر شرعی قوانین کی بنیاد پر مقدمے لڑنے والے وکیل، نظامِ کفر کے ماتحت معاملات زندگی کا انتظام کرنے والے کارکن، کافرانہ اصولِ تمدّن وسیاست پر زندگی کی تشکیل وتاسیس کے لیے لڑنے والے لیڈر اور پیرو، غرض سب کے لیے تقویٰ واحسان کے مراتب عالیہ کا دروازہ کھل گیا بشرطیکہ وہ اپنی زندگی کے ظاہری انداز واطوار کو ایک خاص نقشے پر ڈھال لیں۔ اور کچھ نوافل واذکار کی عادت ڈال لیں۔

اسلام

ایمان کی یہ بنیادیں، جن کا ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے، جب مکمل اور گہری ہو جاتی ہیں، تب ان پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام دراصل ایمان کے عملی ظہور کا دوسرا نام ہے۔ ایمان اور اسلام کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے جیسا بیج اور درخت کا تعلق ہوتا ہے۔ بیج میں جو کچھ اور جیسا کچھ موجود ہوتا ہے وہی درخت کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے، حتّٰی کہ درخت کا امتحان کر کے بآسانی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ بیج میں کیا تھا اور کیا نہ تھا۔ آپ نہ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ بیج نہ ہو اور درخت موجود ہو، اور نہ یہی ممکن ہے کہ زمین بنجر بھی نہ ہو اور بیج اس میں موجود بھی ہو پھر بھی درخت پیدا نہ ہو۔ ایسا ہی معاملہ ایمان اور اسلام کا ہے۔ جہاں ایمان موجود ہوگا، لازماً اس کا ظہور آدمی کی عملی زندگی میں، اخلاق میں، برتاؤ میں، تعلقات کے کٹنے اور جڑنے میں، دوڑ دھوپ کے رخ میں، مذاق ومزاج کی افتاد میں، سعی وجہد کے راستوں میں، اوقات اور قوتوں اور قابلیتوں کے مصرف میں، غرض مظاہر زندگی کے ہر ہر جز میں ہو کر رہے گا۔ ان میں سے جس پہلو میں بھی اسلام کے بجائے غیر اسلام ظاہر ہو رہا ہے یقین کر لیجیے کہ اس پہلو میں ایمان موجود نہیں ہے یا ہے تو بالکل بودا اور بے جان ہے، اور اگر عملی زندگی ساری کی ساری ہی غیر مسلمانہ شان سے بسر ہو رہی ہو تو جان لیجیے کہ دل ایمان سے خالی ہے یا زمین اتنی بنجر ہے کہ ایمان کا بیج برگ وبار نہیں لا رہا ہے۔ بہرحال میں نے جہاں تک قرآن اور حدیث کو سمجھا ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دل میں ایمان ہو اور عمل میں اسلام نہ ہو۔

تھوڑی دیر کے لیے اپنے ذہن سے ان بحثوں کو نکال دیں جو فقہاء اور متکلمین نے اس مسئلہ میں کی ہیں اور قرآن سے اس معاملہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادی ایمان اور عملی اسلام لازم وملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے، اور تمام اچھے وعدے جو اس نے اپنے بندوں سے کیے ہیں انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو اعتقاداً مومن اور عملاً مسلم ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں منافقین کو پکڑا ہے وہاں ان کے عمل ہی کی خرابیوں سے ان کے ایمان کے نقص پر دلیل قائم کی ہے اور عملی اسلام ہی کو حقیقی ایمان کی علامت ٹھیرایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قانونی لحاظ سے کسی شخص کو کافر ٹھیرانے اور امت سے اس کا رشتہ کاٹ دینے کا معاملہ دوسرا ہے اور اس میں انتہائی احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے، مگر میں یہاں اس ایمان واسلام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جس پر دنیا میں فقہی احکام مترتب ہوتے ہیں بلکہ یہاں ذکر اس ایمان واسلام کا ہے جو خدا کے ہاں معتبر ہے اور جس پر اخروی نتائج مترتب ہونے والے ہیں۔ قانونی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے اگر آپ دیکھیں گے تو یقیناً یہی پائیں گے کہ جہاں عملاً خدا کے آگے سپر اندازی اور سپردگی وحوالگی میں کمی ہے، جہاں نفس کی پسند خدا کی پسند سے مختلف ہے، جہاں خدا کی وفاداری کے ساتھ غیر کی

وفاداری نبھ رہی ہے۔ جہاں اقامت دین کی سعی کے بجائے دوسرے مشاغل میں انہماک ہے، جہاں کوششیں اور محنتیں راہ خدا کے بجائے دوسری راہوں میں صرف ہورہی ہیں، وہاں ضرور ایمان میں نقص ہے اور ظاہر ہے کہ ناقص ایمان پر تقویٰ اور احسان کی تعمیر نہیں ہوسکتی خواہ ظاہر کے اعتبار سے متقیوں کی سی وضع بنانے اور محسنین کے بعض اعمال کی نقل اتارنے کی کتنی ہی کوشش کی جائے۔ ظاہر فریب شکلیں اگر حقیقت کی روح سے خالی ہوں تو ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسی ایک نہایت خوب صورت آدمی کی لاش، بہترین وضع و ہیئت میں موجود ہومگر اس میں جان نہ ہو۔ اس خوبصورت لاش کی ظاہری شان سے دھوکا کھا کر آپ کچھ توقعات اس سے وابستہ کریں گے تو واقعات کی دنیا اپنے پہلے ہی امتحان میں اس کا ناکارہ ہونا ثابت کر دے گی اور تجربے سے آپ کو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ ایک بدصورت مگر زندہ انسان ایک خوب صورت مگر بے روح لاش سے بہرحال زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ ظاہر فریبیوں سے آپ اپنے نفس کو تو ضرور دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن عالمِ واقعہ پر کچھ بھی اثر نہیں ڈال سکتے اور نہ خدا کی میزان ہی میں کوئی وزن حاصل کرسکتے ہیں۔

تقویٰ

تقویٰ کی بات کرنے سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ تقویٰ ہے کیا چیز۔ تقویٰ حقیقت میں کسی وضع و ہیئت اور کسی خاص طرز معاشرت کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل وہ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خداترسی اور احساسِ ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو، عبدیت کا شعور ہو، خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو، اور اس بات کا زندہ ادراک موجود ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے ایک مہلت عمر دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بالکل اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس دیے ہوئے وقت کے اندر اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ اس سروسامان میں کس طرح تصرف کرتا ہوں جو مشیت الٰہی کے تحت مجھے دیا گیا ہے، اور ان انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن سے قضائے الٰہی نے مختلف حیثیتوں سے میری زندگی متعلق کردی ہے۔ یہ احساس وشعور جس شخص کے اندر پیدا ہوجائے اس کا ضمیر بیدار ہوجاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہوجاتی ہے اس کو ہروہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کے مذاق کو ہروہ شے ناگوار ہونے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحانات و میلانات پرورش پارہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور قوتیں صرف کررہا ہوں۔ وہ صریح ممنوعات کو تو درکنار مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے۔ اس کا احساس فرض اسے مجبور کردیتا ہے کہ تمام اوامر کو پوری فرماں برداری کے ساتھ بجالائے۔ اس کی خداترسی ہراس موقعہ پر اس کے قدم میں لغزش پیدا کردیتی ہے۔ جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا وتیرہ بن جاتی ہے اور اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہوجائے۔ یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی مخصوص دائرۂ عمل میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے پورے طرزِ فکر اور اس کے تمام کارنامۂ زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثر سے ایک ایسی ہموار و یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرز

کی پاکیزگی وصفائی پائیں گے۔ بخلاف اس کے جہاں تقویٰ اس چیز کا نام رکھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی اور مخصوص طریقوں کی پیروی اختیار کرلے اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمائش کی جاسکتی ہو۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ چند اشکالِ تقویٰ جو سکھادی گئی ہیں، ان کی پابندی انتہائی اہتمام کے ساتھ ہورہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق، وہ طرزِ فکر اور وہ طرزِ عمل بھی ظاہر ہورہے ہیں جو مقام تقویٰ تو درکنار، ایمان کے ابتدائی مقتضیات سے بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی تمثیلی زبان میں مچھر چھانے جارہے ہیں اور اونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جارہے ہیں۔

حقیقی تقویٰ اور مصنوعی تقویٰ کے اس فرق کو یوں سمجھیے کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کے اندر طہارت و نظافت کی حس موجود ہے اور پاکیزگی کا ذوق پایا جاتا ہے۔ ایسا شخص گندگی سے فی نفسہٖ نفرت کرے گا خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو اور طہارت کو بجائے خود اختیار کرے گا خواہ اس کے مظاہر کا احاطہ نہ ہوسکتا ہو بخلاف اس کے ایک دوسرا شخص ہے جس کے اندر طہارت کی حس موجود نہیں ہے مگر وہ گندگیوں اور طہارتوں کی ایک فہرست لیے پھرتا ہے جو کہیں سے اس نے نقل کرلی ہیں، یہ شخص ان گندگیوں سے سخت اجتناب کرے گا جو اس کی فہرست میں لکھی ہوئی ہیں، مگر بے شمار ایسی گھناؤنی چیزوں میں آلودہ پایا جائے گا جو ان گندگیوں سے بدرجہا زیادہ ناپاک ہوں گی جن سے وہ بچ رہا ہے صرف اس وجہ سے کہ وہ اس کی فہرست میں درج ہونے سے رہ گئیں۔ یہ فرق جو میں آپ سے عرض کررہا ہوں، یہ محض ایک نظری فرق نہیں ہے بلکہ آپ اس کو اپنی آنکھوں سے ان حضرات کی زندگیوں میں دیکھ سکتے ہیں جن کے تقویٰ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ایک طرف ان کے ہاں جزئیاتِ شرع کا یہ اہتمام ہے کہ داڑھی ایک خاص مقدار سے کچھ بھی کم ہو تو فسق کا فیصلہ نافذ کردیا جاتا ہے، پائینچہ ٹخنے سے ذرا نیچے ہوجائے تو جہنم کی وعید سنادی جاتی ہے۔ اپنے مسلک فقہی کے فروعی احکام سے ہٹنا ان کے نزدیک گویا دین سے نکل جانا ہے، لیکن دوسری طرف دین کے اصول وکلیات سے ان کی غفلت اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کا مدار انھوں نے رخصتوں اور سیاسی مصلحتوں پر رکھ دیا ہے، اقامتِ دین کی سعی سے گریز کی بے شمار راہیں انھوں نے نکال رکھی ہیں، غلبۂ کفر کے تحت ''اسلامی زندگی'' کے نقشے بنانے ہی میں ان کی ساری محنتیں اور کوششیں صرف ہورہی ہیں، اور انہی کی غلط رہنمائی نے مسلمانوں کو اس چیز پر مطمئن کیا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے بلکہ اس کی خدمت کرتے ہوئے بھی ایک محدود دائرے میں مذہبی زندگی بسر کرکے وہ دین کے سارے تقاضے پورے کرسکتے ہیں اور اس سے آگے کچھ مطلوب نہیں ہے جس کے لیے وہ سعی کریں۔ پھر اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے سامنے دین کے اصلی مطالبے پیش کرے اور سعی اقامتِ دین کی طرف توجہ دلائے تو صرف یہی نہیں کہ وہ اس کی بات سنی ان سنی کردیتے ہیں بلکہ کوئی حیلہ، کوئی بہانہ اور کوئی چال ایسی نہیں چھوڑتے جو اس کام سے خود بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کے لیے استعمال نہ کریں۔ اس پر بھی ان کے تقویٰ پر کوئی آنچ نہیں آتی اور نہ مذہبی ذہنیت رکھنے والوں میں سے کسی کو یہ شک ہوتا ہے کہ ان کے تقویٰ میں کوئی کسر ہے۔ اسی طرح حقیقی اور مصنوعی تقویٰ کا فرق بے شمار دوسری شکلوں میں بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے مگر آپ اسے تب ہی محسوس کرسکتے ہیں کہ تقویٰ کا اصلی تصور آپ کے ذہن میں واضح طور پر موجود ہو۔

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وضع قطع، لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب

واحکام حدیث سے ثابت ہیں، میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا ہوں یا انھیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو، دراصل جو کچھ میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل شے حقیقت تقویٰ ہے نہ کہ یہ مظاہر۔ حقیقت تقویٰ جس کے اندر پیدا ہوگی تو اس کی پوری زندگی ہمواری و یک رنگی کے ساتھ اسلامی زندگی بنے گی اور اسلام اپنی پوری ہمہ گیری کے ساتھ اس کے خیالات میں، اس کے جذبات ورجحانات میں، اس کے مذاقِ طبیعت میں، اس کے اوقات کی تقسیم اور اس کی قوتوں کے مصارف میں، اس کی سعی کی راہوں میں، اس کے طرزِ زندگی اور معاشرت میں، اس کی کمائی اور خرچ میں۔ غرض اس کی حیات دنیوی کے سارے ہی پہلوؤں میں رفتہ رفتہ نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ بخلاف اس کے اگر مظاہر کو حقیقت پر مقدم رکھا جائے گا اور ان پر بے جا زور دیا جائے گا اور حقیقی تقویٰ کی تخم ریزی و آبیاری کے بغیر مصنوعی طور پر چند ظاہری احکام کی تعمیل کرادی جائے گی تو نتائج وہی کچھ ہوں گے جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے۔ پہلی چیز دیر طلب اور صبر آزما ہے۔ بتدریج نشو و نما پاتی اور ایک مدت کے بعد برگ و بار لاتی ہے۔ جس طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے، اسی لیے سطحی مزاج کے لوگ اس سے اپراتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے، جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنادی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ کی پیداوار کا یہی ڈھنگ آج مقبول ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو توقعات ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں، وہ اس قسم کے مصنوعی درختوں سے کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔

احسان

احسان دراصل اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ اس قلبی لگاؤ، اس گہری محبت، اس سچی وفاداری اور فدویت وجاں نثاری کا نام ہے جو مسلمان کو فنافی الاسلام کردے۔ تقویٰ کا اساسی تصور خدا کا خوف ہے جو انسان کو اس کی ناراضی سے بچنے پر آمادہ کرے اور احسان کا اساسی تصور خدا کی محبت ہے جو آدمی کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ابھارے۔ ان دونوں چیزوں کے فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ حکومت کے ملازموں میں سے ایک تو وہ لوگ ہیں جو نہایت فرض شناسی وتن دہی سے وہ تمام خدمات ٹھیک ٹھیک بجالاتے ہیں جو ان کے سپرد کی گئی ہوں۔ تمام ضابطوں اور قاعدوں کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو حکومت کے لیے قابل اعتراض ہو۔ دوسرا طبقہ ان مخلص وفاداروں اور جاں نثاروں کا ہوتا ہے جو دل وجان سے حکومت کے ہوا خواہ ہوتے ہیں، صرف وہی خدمات انجام نہیں دیتے ہیں جو ان کے سپرد کی گئی ہوں بلکہ ان کے دل کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ سلطنت کے مفاد کو زیادہ سے زیادہ کس طرح ترقی دی جائے، اور اس دھن میں فرض اور مطالبہ سے زائد کام کرتے ہیں، سلطنت پر کوئی آنچ آئے تو وہ جان ومال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں، قانون کی کہیں خلاف ورزی ہو تو ان کے دل کو چوٹ لگتی ہے، کہیں بغاوت کے آثار پائے جائیں تو وہ بے چین ہوجاتے ہیں اور اسے فرو کرنے میں جان لڑادیتے ہیں، جان بوجھ کر خود سلطنت کے مفاد کو نقصان پہنچانا تو درکنار اس کو کسی طرح نقصان پہنچتے دیکھنا بھی ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے اور اس خرابی کے رفع کرنے میں وہ اپنی حد تک کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، ان کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں بس ان کی سلطنت ہی کا

بول بالا ہو اور زمین کا کوئی چپہ ایسا باقی نہ رہے جہاں اس کا پھریرا نہ اڑے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے لوگ حکومت کے متقی ہیں اور دوسری قسم کے لوگ اس کے محسن۔ اگرچہ ترقیاں متقین کو بھی ملتی ہیں اور بہرحال ان کے نام اچھے ہی ملازموں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں، مگر جو سرفرازیاں محسنین کے لیے ہیں ان میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں ہوتا۔ پس اسی مثال پر اسلام کے متقیوں اور محسنوں کو بھی قیاس کر لیجیے۔ اگرچہ متقین بھی قابل قدر اور قابل اعتماد لوگ ہیں۔ مگر اسلام کی اصلی طاقت محسنین کا گروہ ہے اور وہ اصلی کام جو اسلام اس دنیا میں کرنا چاہتا ہے اسی گروہ سے بن آسکتا ہے۔

احسان کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے دین کو کفر سے مغلوب دیکھیں، جن کے سامنے حدود اللہ پامال ہی نہیں بلکہ کالعدم کر دی جائیں، خدا کا قانون عملاً ہی نہیں بلکہ باضابطہ منسوخ کر دیا جائے۔ خدا کی زمین پر خدا کا نہیں بلکہ اس کے باغیوں کا بول بالا ہو رہا ہو۔ نظام کفر کے تسلط سے نہ صرف عام انسانی سوسائٹی میں اخلاقی و تمدنی فساد برپا ہو بلکہ خود امت مسلمہ بھی نہایت سرعت کے ساتھ اخلاقی و عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہو۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے دلوں میں نہ کوئی بے چینی پیدا ہو نہ اس حالت کو بدلنے کے لیے کوئی جذبہ بھڑکے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے نفس کو اور عام مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے غلبے پر اصولاً و عملاً مطمئن کر دیں، ان کا شمار آخر کار محسنین میں کس طرح ہو سکتا ہے اور اس جرم عظیم کے ساتھ محض یہ بات انھیں احسان کے مقام عالی پر کیسے سرفراز کر سکتی ہے کہ وہ چاشت اور اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھتے رہے، ذکر و شغل اور مراقبے کرتے رہے، حدیث و قرآن کے درس دیتے رہے، جزئیات فقہ کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کے اتباع کا سخت اہتمام فرماتے رہے اور تزکیہ نفس کی خانقاہوں میں دینداری کا وہ فن سکھاتے رہے جس میں حدیث فقہ اور تصوف کی باریکیاں تو ساری موجود تھیں مگر ایک نہ تھی تو وہ حقیقی دینداری جو ''سر داد نداد دست در دست یزید'' کی کیفیت پیدا کرے اور ''بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا'' کے مقام وفاداری پر پہنچائے۔ آپ دنیوی ریاستوں اور قوموں میں بھی وفادار اور غیر وفادار کی اتنی تمیز ضرور نمایاں پائیں گے کہ اگر ملک میں بغاوت ہو جائے یا ملک کے کسی حصے پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو باغیوں اور دشمنوں کے تسلط کو جو لوگ جائز تسلیم کر لیں، یا ان کے تسلط پر راضی ہو جائیں اور ان کے ساتھ مغلوبانہ مصالحت کر لیں، یا ان کی سرپرستی میں کوئی ایسا نظام بنائیں جس میں اصلی اقتدار کی باگیں انہی کے ہاتھ میں رہیں اور کچھ ضمنی حقوق و اختیارات انھیں بھی مل جائیں، تو ایسے لوگوں کو کوئی ریاست اور کوئی قوم اپنا وفادار ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی خواہ وہ قومی فیشن کے کیسے ہی سخت پابند اور جزئی معاملات میں قومی قانون کے کتنے ہی شدید پیرو ہوں۔[1] (روداد جماعت اسلامی حصہ سوم: احسان)

۲۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَ هُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، دارقطنی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں جب وہ ایسا

[1] اس حدیث کے جزء ما المسئول عنها باعلم من السائل فصل ۳ کے تحت عالم الغیب کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔ (مرتب)

کردیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں بچالیں گے، اِلّا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ان کے خلاف قائم ہو، اوران کا حساب اللہ عزوجل کے ذمے ہے۔''

تشریح: جہاں تک کسی شخص کے درحقیقت مومن یا غیر مومن ہونے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ کرنا تو کسی انسان کا کام ہی نہیں ہے۔ یہ معاملہ تو براہ راست خدا سے تعلق رکھتا ہے اور وہی اس کا فیصلہ قیامت کے روز فرمائے گا۔ رہے بندے، تو ان کے فیصلہ کرنے کی چیز اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے ملت اسلام کے لیے جو امتیازی نشانات بتائے ہیں ان کے لحاظ سے کون شخص سرحد اسلام کے اندر ہے اور کون اس سے باہر نکل گیا ہے۔ اس غرض کے لیے جو چیزیں ہم کو بنائے اسلام کی حیثیت سے بتائی گئی ہیں۔ (وہ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں) (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِنِ الْمُسْنَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْ رَوْحِ نِ الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِبْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبِيْ يُحَدِّثُ: عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَ هُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں جب وہ ایسا کردیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں بچالیں گے، اِلّا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ان کے خلاف قائم ہو اور ان کا حساب اللہ عزوجلّ کے ذمے ہے۔''

۳۔ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔

ترجمہ: اللہ کی بندگی کر، اس کے ساتھ خداوندی میں کسی کو شریک نہ کر، نماز کا پابند رہ، زکوۃ دے اور قرابت داروں کے حقوق ادا کر۔

پس منظر: ایک مرتبہ آپؐ سفر میں تھے، ایک اعرابی نے آکر آپ کے اونٹ کی نکیل تھام لی اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! مجھے کوئی ایسی چیز بتایے جو مجھ کو جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کردے۔ (فرمایا: تَعْبُدُ اللّٰهَ ...)

تشریح: یہاں ایک ایسا شخص سامنے ہے جو آپؐ کی رسالت کا قائل ہے، حیاتِ اخروی کا قائل ہے، اسلام قبول کر چکا ہے، اس کو تمام ایمانیات اور اخلاقیات کی تفصیل مطلوب نہیں۔ وہ صرف خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہدایت مانگ رہا ہے۔ آپؐ اس کی ضرورت کے مطابق اس کو تعلیم دیتے ہیں کہ جس عقیدہ پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، اس میں مضبوط ہوجا اور اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کیے جا۔ (تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات کے لیے...؟)

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوا لْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: اَخْبَرَنِيْ ابْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ مُوْسٰى بْنَ طَلْحَةَ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُّدْخِلُنِيْ

الْجَنَّةَ وَحَدَّثَنِی عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا بَهْزٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوْهَبٍ وَاَبُوْهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُمَا سَمِعَا مُوْسیٰ بْنَ طَلْحَةَ، عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ، اَنَّ رَجُلًاقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّةَ، فَقَالَ الْقَوْمُ : مَالَهٗ مَا لَهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَرَبٌ مَالَهٗ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔ (۳)

ترجمہ: حضرت ایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل ارشادفرمائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے۔“ لوگوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ ”اسے کیا ہوگیا اسے کیا ہوگیا۔“ آپؐ نے فرمایا ”اسے کوئی ضرورت پیش آگئی ہے، پھر فرمایا ”اللہ کی بندگی کر، اس کے ساتھ خداوندی میں کسی کو شریک نہ کر، نماز کا پابند رہ، زکوۃ دے اور قرابت داروں کے حقوق ادا کر۔“

حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ، قَالَ: نَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ مُوْسیٰ بْنُ طَلْحَةَ، عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: دُلَّنِیْ عَلیٰ عَمَلٍ اَعْمَلُهٗ یُدْنِیْنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ، قَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ ذَارَحِمَكَ فَلَمَّا اَدْبَرَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنْ تَمَسَّكَ بِمَا اُمِرَ بِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔(٤)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ”(یارسول اللہ) مجھے ایسے عمل کی راہ نمائی فرمائیں جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کردے۔“ جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”اللہ تعالیٰ کی بندگی کر اور اس کے ساتھ خداوندی میں کسی کو شریک نہ کر، نماز قائم رکھ، اور زکوۃ دے اور قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر۔“ یہ سن کر وہ شخص جب واپس پلٹنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”جن امور کا اسے حکم دیا گیا ہے اگر ان پر عمل پیرا رہا تو جنت میں داخل ہوگیا۔“

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ اَبِیْ عُمَرَ الْعَدَنِیُّ، ثَنَاعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِی النُّجُوْدِ، عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ، عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَاَصْبَحْتُ یَوْمًا قَرِیْبًا مِّنْهُ وَنَحْنُ نَسِیْرُ، فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلُنِی الْجَنَّةَ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ، قَالَ: لَقَدْ سَاَلْتَ عَظِیْمًا وَاِنَّهٗ یَسِیْرٌ عَلیٰ مَنْ یَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَیْتَ... (۵)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہمارا سفر جاری تھا کہ ایک روز علی الصبح حضورؐ کا قرب مجھے نصیب ہوگیا (اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) میں نے عرض کیا ”اے رسولؐ خدا! ”مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کردے۔“ آپؐ نے فرمایا، ”تم نے بہت بڑا سوال کیا مگر اللہ تعالیٰ جس کے لیے آسان فرمادے اس کے لیے بڑا آسان ہے۔ (پھر فرمایا) ”اللہ تعالیٰ کی بندگی کر اور اس کے ساتھ

خداوندی میں کسی کوشریک وساجھی نہ بنا، نماز قائم رکھ اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔''

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ: نَا اَبِیْ، قَالَ: نَا عَمْرُوبْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: نَا مُوسیٰ بْنُ طَلْحَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي اَبُوْ اَيُّوْبَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِیْ سَفَرٍ فَاَخَذَ بِخِطَامِ نَا قَتِهٖ اَوْبِزِمَا مِهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ بِمَايُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا يُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَكَفَّ النَّبِیُّ ﷺ، ثُمَّ نَظَرَفِیْ اَصْحَابِهٖ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ وُفِّقَ اَوْلَقَدْ هُدِیَ، قَالَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ فَاَعَادَ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ۔ (٦)

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے۔ایک اعرابی نے سامنے سے آ کر آپؐ کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور عرض کیا ''یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز ارشاد فرمائیں جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کردے۔'' راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑے سے توقف کے بعد اپنے صحابہ میں نظر دوڑا کر فرمایا ''لازماً توفیق الٰہی سے نوازا گیا یا فرمایا راہِ ہدایت دکھایا گیا۔'' پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ذرا اپنا سوال پھر دہراؤ تو اس نے دوبارہ پہلے کی طرح عرض کیا۔آپؐ نے فرمایا، ''اللہ کی بندگی کر، اس کے ساتھ خداوندی میں کسی کو شریک نہ کر، نماز کا پابند رہ، زکوٰۃ دے اور قرابت داروں کے حقوق ادا کر اور اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو۔''

٤۔تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: ''وہ عمل یہ ہے کہ تو صرف اللہ کی بندگی کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، جو نماز فرض کی گئی ہے اس کا پابند رہے، جو زکوٰۃ مقرر کردی گئی ہے وہ ادا کرتا رہے اور رمضان کے روزے رکھے۔''

پس منظر: ایک دوسرے موقع پر ایک اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھ کو جنت میں پہنچادے (تو آپؐ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے) اس نے کہا ''بہ خدا میں نہ اس سے زیادہ کچھ کروں گا نہ کم'' جب وہ چلا گیا تو حضورؐ نے فرمایا، ''جو شخص اہلِ جنت میں سے کسی کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔''

(تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات کے لیے...؟)

تشریح: اب حضورؐ کی تعلیم اور اس شخص کے جواب اور پھر آپؐ کے آخری ارشاد پر غور کیجیے۔ایک سچا مسلمان سامنے تھا۔نبی کی ہدایت کو صدق دل سے قبول کرنے کو تیار تھا۔اس کو صرف یہ سمجھانے کی ضرورت تھی کہ خدا کی جنت میں داخل ہونے کے لیے بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت نہیں، چلّے کھینچنے اور رات رات بھر وظیفے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔اسی دنیاداری کی زندگی میں اگر تو اپنے اعتقاد کو شرک سے پاک رکھے اور خدا کے عائد کیے ہوئے فرائض ادا کرتا ہے تو جنت تجھے مل سکتی ہے۔

(تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات کے لیے...؟)

تخریج: حَدَّثَنَامُحَمَّدُبْنُ اِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ يَحْيٰ بْنِ سَعِيدِبْنِ حَبَّانَ، عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتَى النَّبِیَّ ﷺ، فَقَالَ: دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَاعَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ، قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَااَزِيْدُ عَلٰی هٰذَا فَلَمَّا وَلّٰی، قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَاِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْاِلٰی هٰذَا۔ (۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ’’مجھے ایسے عمل کی طرف راہ نمائی فرمائیں کہ جب میں اسے انجام دوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔‘‘ تو آپؐ نے فرمایا: وہ عمل یہ ہے کہ ’’تو صرف اللہ کی بندگی کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائے، جو نماز فرض کی گئی ہے اس کا پابند رہے۔ جو زکوٰۃ مقرر کر دی گئی ہے وہ ادا کرتا رہے اور رمضان کے روزے رکھے۔‘‘ (یہ ارشادات سن کر) اس شخص نے کہا، ’’بہ خدا میں نہ اس سے زیادہ کچھ کروں گا نہ کم۔‘‘ جب وہ چلا گیا تو حضورؐ نے فرمایا ’’جو شخص اہل جنت میں سے کسی کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔‘‘

۵۔ **ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک مشن پر یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب کی ایک قوم میں پہنچو گے۔ سب سے پہلے ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی شہادت دیں اور یہ تسلیم کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب اس کو مان لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ نے تم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو بھی مان لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو تمہارے مال داروں سے لی جائے گی اور تمہارے غریبوں کو دے دی جائے گی۔ جب وہ اس کو بھی مان لیں تو خبردار ان کے (عمدہ و نفیس) مال کو ہاتھ نہ لگانا۔ اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات کے لیے...؟)

تخریج: حَدَّثَنِیْ حِبَّانُ، قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ اِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيٰ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَيْفِیٍّ، عَنْ اَبِیْ مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِمُعَاذِبْنِ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ: اِنَّكَ سَتَاْتِیْ قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ اِلٰی اَنْ يَّشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآءِ هِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَ كَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ (۸)

۶۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور مجھ پر اور ان سب باتوں پر ایمان لائیں جو میں لایا ہوں۔ پھر جب انھوں نے ایسا کر دیا تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا الّا یہ کہ ان کے خلاف کوئی حق قائم ہو جائے، اس کے بعد ان کا حساب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

تخریج: ﴿الف﴾ حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قَالَ: اَخبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِى الدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنِ الْعَلَاءِ ح وَحَدَّثَنَا اُمَيَّةُ بْنُ بَسْطَامٍ وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: نَا يَزِيْدُبْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: نَارَوْحٌ عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ عَبدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ اَبِيْهِ۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِىْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَآئَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ (۹)

﴿ب﴾ حَدَّثَنَا يَحْيٰ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: اَخْبَرَنِىْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِىُّ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّىْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ ...(۱۰)

اس روایت میں جمع کے بجائے واحد کا صیغہ ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان کو بچالیا الّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی حق قائم ہو جائے، اس کے بعد اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔''

﴿ج﴾ حَدَّثَنَامُسَدَّدٌ، ثَنا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا مَنَعُوْا مِنِّىْ دِمَآءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔(۱۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الّا اللہ کہیں (اقرار کریں) پس جب انھوں نے لا الٰہ الّا اللہ کا اقرار کرلیا تو مجھ سے اپنے خون، اپنے مال بچالیے الّا یہ کہ ان کے خلاف کوئی حق قائم ہو جائے، اس کے بعد ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس روایت میں یَشْهَدُوْا کے بجائے قَالُوْا ہے۔

﴿د﴾ حَدَّثَنَااَحْمَدُبْنُ الْاَزْهَرِ، ثنا اَبُوا النَّضْرِ، ثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ۔ (۱۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیں اور اس کی شہادت دیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔''

۷۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ یَسْتَقْبِلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَنْ یَاْکُلُوْا ذَبِیْحَتَنَا وَاَنْ یُّصَلُّوْا صَلَاتَنَا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ حَرُمَتْ عَلَیْنَا دِمَاءُ هُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَیْهِمْ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرف نماز پڑھیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ہمارے اوپر ان کے خون اور ان کے اموال حرام ہو جائیں گے۔ بجز اس کے کہ کسی حق کے بدلے میں ان کو لیا جائے۔ ان کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان پر فرائض وہی عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر ہیں۔''

تشریح: اس اعتقادی قانون کی رو سے اسلام اور کفر کے درمیان ابدی جنگ ہے مگر یہ جنگ محض نظری (Theoretical) ہے۔ ہر کافر حربی (Enemy) ہے، مگر اس معنی میں کہ جب تک ہماری اور اس کی قومیت الگ ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان بنائے نزاع قائم ہے۔ ہر دارالکفر دارالحرب ہے، مگر اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جب تک وہ دارلکفر ہے محل حرب ہے۔ یا بالفاظ دیگر حربیت کا کلی ارتفاع صرف اختلاف قومیت ہی کے مٹ جانے سے ہوسکتا ہے۔ اس قانون نے محض ایک نظریہ اور قاعدۂ اصلیہ واضح طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے جس پر ان کی حکمت عملی کی بنا قائم ہے۔ باقی رہے حقوق و واجبات اور جنگ و صلح کے عملی مسائل تو ان کا اس قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ دستوری اور بین الاقوامی قانون سے تعلق رکھتے ہیں۔

(سود: اعتقادی قانون)

تخریج: حَدَّثَنَا سَعِیْدُبْنُ یَعْقُوْبَ الطَّالِقَانِیُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُمَیْدٍ، عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ یَسْتَقْبِلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَنْ یَّاْکُلُوْا ذَبِیْحَتَنَا ، وَاَنْ یُّصَلُّوْا صَلَاتَنَا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ حَرُمَتْ عَلَیْنَا دِمَاءُ هُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا، لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ، وَعَلَیْهِمْ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔(۱۳)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِذَا شَهِدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَصَلُّوا صَلَا تَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَاَکَلُوْا ذَبَائِحَنَا ...

اس روایت میں الناس کے بجائے مشرکون کا لفظ آیا ہے۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ کروں یہاں تک کہ گواہی دیں کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پس جب وہ اس کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں۔"

حَدَّثَنَا نُعَيْمٌ، قَالَ: نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ، عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلُّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاءُ هُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ (١٤)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں (اقرار کریں) پس جب وہ اس کلمہ کا اقرار کرلیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہوگئے۔ اِلّا یہ کہ کوئی حق ان کے خلاف قائم ہوجائے۔ اس کے بعد ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔"

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق

٨۔ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "جس نے کسی سے دوستی ومحبت کی تو خدا کے لیے کی اور دشمنی کی تو خدا کے لیے کی اور کسی کو دیا تو خدا کے لیے دیا اور کسی سے روکا تو خدا کے لیے روکا، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا، یعنی وہ پورا مومن ہوگیا۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

"(اے محمد ﷺ) کہو میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتا ہوں۔"

اس آیت کی تشریح نبی ﷺ کے (مندرجہ بالا) ارشاد سے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے اور مرنے کو صرف اللہ کے لیے خالص کرلے اور اللہ کے سوا کسی کو اس میں شریک نہ کرے۔ یعنی نہ تو اس کی بندگی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ہو اور نہ اس کا جینا اور مرنا۔ اس کی جو تشریح نبی ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اس کا لین دین خالصتاً خدا

کے لیے ہونا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان ہی کی تکمیل نہیں ہوتی کجا کہ مراتبِ عالیہ کا دروازہ کھل سکے۔ جتنی کمی اس معاملے میں ہوگی اتنا ہی نقص آدمی کے ایمان میں ہوگا اور جب اس حیثیت سے آدمی مکمل طور پر خدا کا ہو جائے تب کہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی چیزیں صرف مراتب عالیہ کا دروازہ کھولتی ہیں، ورنہ ایمان و اسلام کے لیے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا شرط نہیں ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر اس کیفیت کے بغیر بھی انسان مومن و مسلم ہوسکتا ہے۔ مگر یہ ایک غلط فہمی ہے اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ فقہی اور قانونی اسلام اور اس حقیقی اسلام میں جو خدا کے ہاں معتبر ہے، فرق نہیں کرتے۔ فقہی اور قانونی اسلام میں آدمی کے قلب کا حال نہیں دیکھا جاتا اور نہیں دیکھا جاسکتا۔ بلکہ صرف اس کے اقرار زبانی کو اور اس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان لازمی علامات کو نمایاں کرتا ہے یا نہیں، جو اقرار زبانی کی توثیق کے لیے ضروری ہیں۔ اگر کسی شخص نے زبان سے اللہ اور رسول ﷺ اور قرآن اور آخرت اور دوسرے ایمانیات کو ماننے کا اقرار کرلیا اور اس کے بعد وہ ضروری شرائط بھی پوری کردیں جن سے اس کے ماننے کا ثبوت ملتا ہے تو وہ دائرہ اسلام میں لے لیا جائے گا۔ اور سارے معاملات اس کے ساتھ مسلمان سمجھ کر کیے جائیں گے۔ لیکن یہ چیز صرف دنیا کے لیے ہے اور دنیوی حیثیت سے وہ قانونی اور تمدنی بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر مسلم سوسائٹی کی تعمیر کی گئی ہے۔ اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایسے اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مسلم سوسائٹی میں داخل ہوں، ان کو ایک دوسرے پر شرعی اور قانونی اور اخلاقی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوجائیں۔ ان کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوں، میراث تقسیم ہو، اور دوسرے تمدنی روابط وجود میں آئیں۔ لیکن آخرت میں انسان کی نجات اور اس کا مسلم و مومن قرار دیا جانا اور اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اس قانونی اقرار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کا قلبی اقرار، اس کے دل کا جھکاؤ اور اس کا برضاو رغبت اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کردینا ہے۔ دنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضی شرع کے لیے اور عام انسانوں اور مسلمانوں کے لیے ہے۔ کیونکہ وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ سکتے ہیں، مگر اللہ آدمی کے دل کو اور اس کے باطن کو دیکھتا ہے، اور اس کے ایمان کو ناپتا ہے۔ اس کے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا اس کا جینا اور مرنا اور اس کی وفاداریاں اور اس کی اطاعت و بندگی، اور اس کا پورا کارنامۂ زندگی اللہ کے لیے ہے یا کسی اور کے لیے۔ اگر اللہ کے لیے ہے تو وہ مسلم اور مومن ہے اور اگر کسی اور کے لیے ہے تو نہ مسلم ہے نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا خام ہے اتنا ہی اس کا ایمان اور اسلام خام ہے خواہ دنیا میں اس کا شمار کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں ہوتا ہو اور اس کو کتنے ہی بڑے مراتب دیے جاتے ہوں۔ اللہ کے ہاں قدر صرف اس چیز کی ہے کہ جو کچھ اس نے آپ کو دیا ہے وہ سب کچھ آپ نے اس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کردیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو اور حق بندگی ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے، اور اگر آپ نے کسی چیز کو خدا کی بندگی سے مستثنیٰ کر کے رکھا، تو آپ کا یہ اقرار کہ آپ مسلم ہوئے یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کردیا، محض ایک جھوٹا اقرار ہے، جس سے دنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مسلم سوسائٹی آپ کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس سے دنیا میں آپ کو مسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے ہیں۔ لیکن اس سے فریب کھا کر خدا اپنے ہاں آپ کو وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

یہ قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق جو (اوپر بیان کیا گیا ہے) اگر آپ اس پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے

نتائج صرف آخرت ہی میں مختلف نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی ایک بڑی حد تک مختلف ہیں۔ دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں، ان سب کو دو قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسول کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں، مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کل زندگی کا محض ایک جز اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھیں، اس مخصوص جز اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو، عبادت گزاریاں ہوں، تسبیح و مصلّے ہوں، خدا کا ذکر ہو، کھانے پینے اور بعض معاشرتی معاملات میں پرہیز گاریاں ہوں اور وہ سب کچھ ہو جسے مذہبی طرزِ عمل کہا جاتا ہے، مگر اس شعبے کے سوا ان کی زندگی کے دوسرے تمام پہلوان کے مسلم ہونے کی حیثیت سے مستثنیٰ ہوں۔ وہ محبت کریں تو اپنے نفس یا اپنے مفاد یا اپنے ملک و قوم یا کسی اور کی خاطر کریں۔ وہ دشمنی کریں، اور کسی سے جنگ کریں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دنیوی یا نفسانی تعلق کی بنا پر کریں۔ ان کے کاروبار، ان کے لین دین، ان کے معاملات اور تعلقات، ان کا اپنے بال بچوں، اپنے خاندان، اپنی سوسائٹی اور اپنے اہل محلہ کے ساتھ برتاؤ سب کا سب ایک بڑی حد تک دین سے آزاد اور دنیوی حیثیتوں پر مبنی ہو۔ ایک زمیندار کی حیثیت سے، ایک تاجر کی حیثیت سے، ایک حکمران کی حیثیت سے، ایک سپاہی کی حیثیت سے، ایک پیشہ ور کی حیثیت سے ان کی اپنی ایک مستقل حیثیت ہو۔ جس کا ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے، خواہ جزئی طور پر متاثر یا منسوب ہوں، لیکن فی الواقع ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں۔ ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں۔ وہ باپ ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے۔ تاجر، زمیندار، مزدور، ملازم یا پیشہ ور ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے ان کی خدمات، ان کی خواہشات، ان کے نظریات، ان کے خیالات اور ان کی رائیں، ان کی نفرت اور رغبت، ان کی پسند اور ناپسند سب کچھ اسلام کے تابع ہو۔ ان کے دل و دماغ پر، ان کی آنکھوں اور کانوں پر، ان کے پیٹ اور ان کی شرم گاہوں پر، اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے جسم و جان پر اسلام کا مکمل قبضہ ہو۔ نہ ان کی محبت اسلام سے آزاد ہو نہ دشمنی۔ جس سے ملیں تو اسلام کے لیے ملیں اور جس سے لڑیں تو اسلام کے لیے لڑیں۔ کسی کو دیں تو اس لیے دیں کہ اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ اسے دیا جائے اور کسی سے روکیں تو اس لیے روکیں کہ اسلام یہی کہتا ہے کہ اس سے روکا جائے۔ اور ان کا یہ طرزِ عمل صرف انفرادی حد تک ہی نہ ہو بلکہ ان کی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام کی بنیاد پر قائم ہو۔ بحیثیت ایک جماعت کے ان کی ہستی صرف اسلام کے لیے قائم ہو اور ان کا سارا اجتماعی برتاؤ اسلام کے اصولوں ہی پر مبنی ہو۔

یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، چاہے قانونی حیثیت سے دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہو۔ پہلی قسم کے مسلمانوں کا کوئی کارنامہ تاریخ اسلام میں قابل ذکر یا قابل فخر نہیں ہے۔ انھوں نے فی الحقیقت کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس نے تاریخ عالم پر کوئی اسلامی نقش چھوڑا ہو۔ اسلام کو اگر تنزل نصیب ہوا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی کثرت مسلم سوسائٹی میں ہو جانے کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہوا کہ دنیا کے نظام زندگی کی باگیں کفر کے قبضے میں چلی گئیں اور مسلمان اس کے ماتحت رہ کر صرف ایک محدود مذہبی زندگی کی آزادی پر قانع ہو گئے۔ خدا کو ایسے مسلمان ہرگز مطلوب نہ تھے۔ اس نے اپنے انبیاء کو دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا تھا، نہ اپنی کتابیں اس لیے نازل کی تھیں کہ صرف اس طرز کے مسلمان دنیا میں بنا ڈالے جائیں۔ دنیا میں ایسے مسلمانوں کے نہ ہونے سے کسی حقیقی

قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کمی نہ تھی جسے پورا کرنے کے لیے سلسلہ وحی و نبوت کو جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ درحقیقت جو مسلمان خدا کو مطلوب ہیں جنھیں تیار کرنے کے لیے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کی تنزیل ہوئی اور جنھوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے کبھی کوئی قابلِ قدر کام کیا ہے یا آج کر سکتے ہیں وہ صرف دوسری ہی قسم کے مسلمان ہیں۔

(روداد جماعت اسلامی سوم: قانونی اور حقیقی ...)

ایمان[1] و اسلام کا یہ معیار جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے ہم سب اپنے آپ کو اس پر پرکھ کر دیکھیں اور اس کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں... کیا ہم نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے؟ پھر دیکھیے کہ واقعی ہم جس سے محبت کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے ہیں۔ ہماری نفسانیت کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے؟ پھر کیا ہمارا دینا اور روکنا بھی خدا کی خاطر ہو چکا ہے؟ اپنے پیٹ اور اپنے نفس سمیت دنیا میں ہم جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اسی لیے دے رہے ہیں کہ خدا نے اس کا حق مقرر کیا ہے اور اس کو دینے سے صرف خدا کی رضا ہم کو مطلوب ہے؟ اور اسی طرح جس سے ہم جو کچھ روک رہے ہیں وہ بھی اسی لیے روک رہے ہیں کہ خدا نے اسے روکنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے روکنے میں ہمیں خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کی تمنا ہے؟ اگر ہم یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کیجیے کہ اس نے ہم پر نعمت ایمان کا اتمام کر دیا۔ اور اگر اس حیثیت سے ہم اپنے اندر کمی محسوس کرتے ہیں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اسی کمی کو پورا کرنے کی فکر کیجیے اور اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر مرکوز کر دیجیے، کیونکہ اسی کسر کے پورے ہونے پر دنیا میں ہماری فلاح اور آخرت میں ہماری نجات کا مدار ہے۔ ہم دنیا میں خواہ کچھ بھی حاصل کر لیں، اس کے حصول سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس کسر کی بدولت ہمیں پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ کسر ہم نے پوری کر لی تو خواہ ہم کو دنیا میں کچھ حاصل نہ ہو پھر بھی ہم خسارے میں نہ رہیں گے۔

یہ کسوٹی اس غرض کے لیے نہیں ہے کہ اس پر ہم دوسروں کو پرکھیں اور ان کے مومن یا منافق اور مسلم یا کافر ہونے کا فیصلہ کریں۔ بلکہ یہ کسوٹی اس غرض کے لیے ہے کہ ہم اس پر خود اپنے آپ کو پرکھیں، اور آخرت کی عدالت میں جانے سے پہلے اپنا کھوٹ معلوم کر کے یہیں اسے دور کرنے کی فکر کریں۔ ہمیں فکر اس بات کی نہ ہونی چاہیے کہ دنیا میں مفتی اور قاضی ہمیں کیا قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کی ہونی چاہیے کہ احکم الحاکمین اور عالم الغیب والشہادۃ ہمیں کیا قرار دے گا۔ ہم اس پر مطمئن نہ ہوں کہ یہاں ہمارا نام مسلمانوں کے رجسٹر میں لکھا ہے، فکر اس بات کی کیجیے کہ خدا کے دفتر میں ہم کیا لکھے جاتے ہیں۔ ساری دنیا بھی ہم کو سند اسلام و ایمان دے دے تو کچھ حاصل نہیں۔ فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے اس کے ہاں منافق کے بجائے مومن، نافرمان کے بجائے فرماں بردار اور بے وفا کی جگہ وفادار قرار پانا اصل کامیابی ہے۔ (خطبات: محاسبۂ نفس)

تخریج: حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ شَابُوْرٍ، عَنْ يَحْيَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، اَنَّهٗ قَالَ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔ (۱۵)

---

[1] ضمائر کے قدرے تغیر کے ساتھ۔ (مرتب)

اِستِقَامت فِی الدین

۹۔ قَدۡ قَالَهَا النَّاسُ ثُمَّ كَفَرَ اَكۡثَرُهُمۡ، فَمَنۡ مَاتَ عَلَيۡهَا فَهُوَ مِمَّنِ اسۡتَقَامَ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ''بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے۔ ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی عقیدے پر جما رہا۔ (ابن جریر، نسائی، ابن ابی حاتم)

تشریح: یعنی محض اتفاقاً کبھی اللہ کو اپنا رب کہہ کر نہیں رہ گئے، اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہوئے کہ اللہ کو اپنا رب کہتے بھی جائیں اور ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا رب بناتے بھی جائیں، بلکہ ایک مرتبہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد پھر ساری عمر اس پر قائم رہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا نہ اس عقیدے کے ساتھ کسی باطل عقیدے کی آمیزش کی، اور اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

خدا اور رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے اور خدا کے دین کو قائم کرنے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں، جو خطرات بھی درپیش ہوئے، جو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں اور جن نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑے ان کا پوری ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ کوئی خوف کوئی لالچ اور خواہشات نفس کا کوئی تقاضا ان کو سیدھی راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب نہیں ہوا۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَمۡرُو بۡنُ عَلِيٍّ، قَالَ: ثَنَا سَالِمُ بۡنُ قُتَيۡبَةَ اَبُوۡ قُتَيۡبَةَ، قَالَ: ثَنَا سُهَيۡلُ بۡنُ اَبِىۡ حَزۡمٍ الۡقُطَعِيُّ، عن ثَابِتٍ الۡبُنَانِيُّ، عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ، اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَاَ: اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا، قَالَ قَدۡ قَالَهَا النَّاسُ ثُمَّ كَفَرَ اَكۡثَرُهُمۡ فَمَنۡ مَاتَ عَلَيۡهَا فَهُوَ مِمَّنِ اسۡتَقَامَ۔ (١٦)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس حدیث کی تشریح یوں کرتے ہیں:

لَمۡ يُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ شَيۡئًا، لَمۡ يَلۡتَفِتُوۡا اِلٰى اِلٰهٍ غَيۡرِهٖ۔

''پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔ اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ نہ کی۔'' (ابن جریر)

تخریج⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اَبُوۡ كُرَيۡبٍ وَاَبُو السَّائِبِ، قَالَا: ثَنَا ابۡنُ اِدۡرِيۡسَ، قَالَ: اَخۡبَرَنَا الشَّيۡبَانِيُّ عَنۡ اَبِىۡ بَكۡرِبۡنِ اَبِىۡ مُوۡسٰى، عَنِ الۡاَسۡوَدِبۡنِ هِلَالٍ الۡمُحَارِبِيِّ، قَالَ: قَالَ اَبُوۡ بَكۡرٍ مَا تَقُوۡلُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡاٰيَةِ۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا، قَالَ: فَقَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا مِنۡ ذَنۡبٍ، قَالَ: فَقَالَ اَبُوۡبَكۡرٍ: لَقَدۡ حَمِلۡتُمۡ عَلٰى غَيۡرِ الۡمَحۡمَلِ، قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَمۡ يَلۡتَفِتُوۡا اِلٰى اِلٰهٍ غَيۡرِهٖ۔(١٧)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر فرمایا: ''خدا کی قسم! استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے، لومڑیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے نہ پھرے۔'' (ابن جریر)

⟨۲⟩: حَدَّثَنَا اَحۡمَدُ بۡنُ مَنِيۡعٍ، قَالَ: ثَنَا عَبۡدُ اللّٰهِ بۡنُ الۡمُبَارَكِ، قَالَ: ثَنَا يُوۡنُسُ بۡنُ يَزِيۡدَ، عَنِ

الزُّهرِيِّ، قَالَ: تَلَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ عَلَى المِنبَرِ، اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ استَقَامُوا قَالَ استَقَامُوا وَاللّٰهِ بِطَاعَتِهٖ وَلَم يَرُوغُوا رَوغَانَ الثَّعَالِبِ۔ (۱۸)

حضرت عثمانؓ (استقامت کے بارے میں) فرماتے ہیں کہ ''اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کرلینا''

(کشاف ص ۳۳۱، سورہ حٰمٓ السجدہ)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کے عائد کردہ فرائض فرماں برداری کے ساتھ ادا کرتے رہنا''۔[1]

توکّل علی اللہ

۱۰۔ مَن اَحَبَّ اَن يَكُونَ اَقوَى النَّاسِ فَليَتَوَكَّل عَلَى اللّٰهِ، وَمَن اَحَبَّ اَن يَكُونَ اَغنَى النَّاسِ فَليَكُن بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَوثَقَ مِنهُ بِمَا فِي يَدَيهِ، وَمَن اَحَبَّ اَن يَكُونَ اَكرَمَ النَّاسِ فَليَتَّقِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔

ترجمہ: ابن ابی حاتم نے ابنِ عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جو شخص چاہتا ہو کہ سب انسانوں سے زیادہ طاقتور ہوجائے اسے چاہیے کہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہوجائے اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ عزت والا ہوجائے اسے چاہیے کہ اللہ عزوجل سے ڈرے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر حاشیہ: ۵۷)

تشریح: توکل کے معنی یہ ہیں کہ:

اولاً، آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی پر کامل اعتماد ہو اور وہ سمجھے کہ حقیقت کا جو علم، اخلاق کے جو اصول، حلال و حرام کے جو حدود اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جو قواعد و ضوابط اللہ نے دیے ہیں وہی برحق ہیں اور انہی کی پیروی میں انسان کی خیر ہے۔

ثانیاً، آدمی کا بھروسا اپنی طاقت، قابلیت، اپنے ذرائع و وسائل، اپنی تدابیر اور اللہ کے سوا دوسروں کی امداد و اعانت پر نہ ہو، بلکہ وہ پوری طرح یہ بات ذہن نشین رکھے کہ دنیا و آخرت کے ہر معاملے میں اس کی کامیابی کا اصل انحصار اللہ کی توفیق و تائید پر ہے، اور اللہ کی توفیق و تائید کا وہ اسی صورت میں مستحق ہوسکتا ہے جب کہ وہ اس کی رضا کو مقصود بنا کر، اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرتے ہوئے کام کرے۔

ثالثاً، آدمی کو ان وعدوں پر پورا بھروسا ہو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان و عملِ صالح کا رویہ اختیار کرنے والے اور باطل کے بجائے حق کے لیے کام کرنے والے بندوں سے کیے ہیں، اور انہی وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان تمام فوائد اور منافع اور لذائذ کو لات ماردے جو باطل کی راہ پر جانے کی صورت میں اسے حاصل ہوتے نظر آتے ہوں، اور ان سارے نقصانات اور تکلیفوں اور محرومیوں کو انگیز کرجائے جو حق پر استقامت کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں۔

توکل کے معنی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایمان کے ساتھ اس کا کتنا گہرا تعلق ہے، اور اس کے

---

[1] کشاف، ص: ۳۳۱ سورہ حٰمٓ السجدہ مطبع الشرفیہ (تفہیم القرآن، ج ۴ حٰمٓ السجدہ)

بغیر جو ایمان محض خالی خولی اعتراف و اقرار کی حد تک ہو، اس سے وہ شاندار نتائج کیوں نہیں حاصل ہو سکتے جن کا وعدہ ایمان لا کر توکل کرنے والوں سے کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۴، الشوریٰ حاشیہ: ۵۷)

تخریج: قَالَ ابنُ اَبِیْ حَاتِمٍ، حَدَّثَنَا اَحْمَدُبْنُ عِصَامٍ الْاَنْصَارِیُّ، ثَنَاعَبْدُاللّٰہِ بْنُ بَکْرٍ السَّھْمِیُّ، ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ، عَنْ اَبِی الْمِقْدَامِ مَوْلیٰ آلِ عُثْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ کَعْبٍ الْقُرَظِیِّ، ثَنَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، رَفَعَ الْحَدِیْثَ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَکُوْنَ اَقْوَی النَّاسِ فَلْیَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَکُوْنَ اَغْنَی النَّاسِ فَلْیَکُنْ بِمَا فِیْ یَدِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اَوْثَقَ مِنْہُ بِمَا فِیْ یَدَیْہِ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَکُوْنَ اَکْرَمَ النَّاسِ فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ۔ (۱۹)

صرف ایمان باللہ سے ہی انسان راہ راست پر قائم رہ سکتا ہے

۱۱۔ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ، لَایَقْضِی اللّٰہُ لَہٗ قَضَاءً اِلَّا کَانَ خَیْرًا لَّہٗ، وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍاِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اللہ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتا ہے وہ اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے خوشحالی میسر آئے تو شکر کرتا ہے، اور وہ بھی اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔''

تشریح: مصائب کے ہجوم میں جو چیز انسان کو راہ راست پر قائم رکھتی ہے اور کسی سخت سے سخت حالت میں بھی اس کے قدم ڈگمگانے نہیں دیتی وہ صرف ایمان باللہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ آفات کو یا تو اتفاقات کا نتیجہ سمجھتا ہے یا دنیوی طاقتوں کو ان کے لانے اور روکنے میں مؤثر مانتا ہے، یا انھیں ایسی خیالی طاقتوں کا عمل سمجھتا ہے جنھیں انسانی اوہام نے نفع وضرر پہنچانے پر قادر فرض کر لیا ہے، یا خدا کو فاعل مختار مانتا تو ہے مگر صحیح ایمان کے ساتھ نہیں مانتا۔ ان تمام مختلف صورتوں میں آدمی کم ظرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو وہ مصیبت سہہ لیتا ہے لیکن اس کے بعد وہ گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ ہر آستانے پر جھک جاتا ہے۔ ہر ذلت قبول کر لیتا ہے۔ ہر کمینہ حرکت کر سکتا ہے۔ ہر غلط کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ خدا کو گالیاں دینے سے بھی نہیں چوکتا حتّٰی کہ خودکشی تک کر گزرتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص یہ جانتا اور سچے دل سے مانتا ہو کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس کائنات کا مالک و فرماں روا ہے۔ اور اسی کے اذن سے مصیبت آتی اور اسی کے حکم سے ٹل سکتی ہے۔ اس کے دل کو اللہ صبر و تسلیم اور رضا بقضاء کی توفیق دیتا ہے۔ اس کو عزم اور ہمت کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتا ہے۔ تاریک سے تاریک حالات میں بھی اس کے سامنے اللہ کے فضل کی امید کا چراغ روشن رہتا ہے اور کوئی بڑی سے بڑی آفت بھی اس کو اتنا پست ہمت نہیں ہونے دیتی کہ وہ راہ راست سے ہٹ جائے، یا باطل کے آگے سر جھکا دے، یا اللہ کے سوا کسی اور کے در پر اپنے درد کا مداوا ڈھونڈنے لگے۔ اس طرح ہر مصیبت اس کے لیے مزید خیر کے

دروازے کھول دیتی ہے اور کوئی مصیبت بھی حقیقت میں اس کے لیے مصیبت نہیں رہتی بلکہ نتیجے کے اعتبار سے سراسر رحمت بن جاتی ہے کیونکہ خواہ وہ اس کا شکار ہو کر رہ جائے یا اس سے بخیریت گزر جائے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے رب کی ڈالی ہوئی آزمائش سے کامیاب ہو کر نکلتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵ التغابن حاشیہ: ۲۵)

تخریج: وَفِی الْحَدِیْثِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ:

عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ لَا یَقْضِی اللّٰہُ لَہٗ قَضَاءً اِلَّا کَانَ خَیْرًا لَّہٗ اِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔ (۲۰)

حَدَّثَنَا ھُدَّابُ بْنُ خَالِدِ ںالْاَزْدِیُّ وَشَیْبَانُ بْنُ فَرُّوْخٍ جَمِیْعًا، عَنْ سُلَیْمَانَ ابْنِ الْمُغِیْرَۃِ وَاللَّفْظُ لِشَیْبَانَ، قَالَ: نَا سُلَیْمَانُ، نَاثَابِتٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی، عَنْ صُھَیْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ۔ (۲۱)

ترجمہ: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ بلاشبہ اس کا سارے کا سارا معاملہ اچھا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو بھی نصیب نہیں۔ اگر خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو شکر گزاری کا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اور اگر تکلیف سے دوچار ہوتا ہے تو صبر وشکیب سے کام لیتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی اس کے حق میں اچھا ہے اور بہتر ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ، حَدَّثَنِی اَبِیْ، ثَنَا بَھْزٌ وحَجَّاجٌ، قَالَا: ثَنَا سُلَیْمَانُ ابْنُ الْمُغِیْرَۃِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ صُھَیْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: عَجِبْتُ مِنْ اَمْرِالْمُؤْمِنِ اَنَّ اَمْرَ الْمُؤْمِنِ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ کَانَ ذٰلِکَ لَہٗ خَیْرٌ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ فَصَبَرَ کَانَ ذٰلِکَ لَہٗ خَیْرًا۔ (۲۲)

اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَاتِمِ الْبَصْرِیُّ رُوْحُ بْنُ اَسْلَمَ، ثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَۃَ، اَنَا ثَابِتٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی، عَنْ صُھَیْبٍ، قَالَ: بَیْنَمَارَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ جَالِسٌ وَضَحِکَ، فَقَالَ: اَلَا تَسْاَلُوْنِیْ مِمَّا اَضْحَکُ؟ فَقَالُوْا: مِمَّ تَضْحَکُ؟ قَالَ: عَجَبًا مِنْ اَمْرِ الْمُؤْمِنِ کُلِّہٖ لَہٗ خَیْرٌ ۔ اِنْ اَصَابَہٗ مَایُحِبُّ حَمِدَ اللّٰہَ عَلَیْہِ فَکَانَ لَہٗ خَیْرًا وَاِنْ اَصَابَہٗ مَایَکْرَہُ فَصَبَرَ، کَانَ لَہٗ خَیْرًا، وَلَیْسَ کُلُّ اَحَدٍ اَمْرُہٗ لَہٗ خَیْرٌ اِلَّا الْمُؤْمِنُ۔ (۲۳)

انسان کا اصل دشمن

۱۲۔ **ترجمہ:** حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تیرا اصل دشمن وہ نہیں ہے جسے اگر تو قتل کردے تو تیرے لیے کامیابی ہے اور وہ تجھے قتل کردے تو تیرے لیے

جنت ہے، بلکہ تیرا اصل دشمن، ہوسکتا ہے کہ تیرا اپنا وہ بچہ ہو جو تیری ہی صلب سے پیدا ہوا ہے، پھر تیرا سب سے بڑا دشمن وہ مال ہے جس کا تو مالک ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال میں بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر تم مال اور اولاد کے فتنے سے اپنے آپ کو بچالے جاؤ اور ان کی محبت پر اللہ کی محبت کو غالب رکھنے میں کامیاب رہو، تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵ التغابن حاشیہ: ۳۰)

انسان کے اخلاص ایمانی میں جو چیز بالعموم خلل ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافقت، غداری، اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنے مالی مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد، جن کی محبت میں گرفتار ہو کر تم عموماً راستی سے ہٹ جاتے ہو، دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ میں تمہارے لیے سامان آزمائش ہیں جسے تم بیٹا یا بیٹی کہتے ہو، حقیقت کی زبان میں وہ دراصل امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ اور جسے تم جائداد یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا پرچۂ امتحان ہے۔ یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہی اس لیے گئی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق اور حدود کا لحاظ کرتے ہو، کہاں تک ذمہ داریوں کا بوجھ لادے ہوئے جذبات کی کشش کے باوجود راہ راست پر چلتے ہو، اور کہاں تک اپنے نفس کو، جو ان دنیوی چیزوں کی محبت میں اسیر ہوتا ہے۔ اس طرح قابو میں رکھتے ہو کہ پوری طرح بندۂ حق بھی بنے رہو اور ان چیزوں کے حقوق اس حد تک ادا بھی کرتے رہو جس حد تک حضرتِ حق نے خود ان کا استحقاق مقرر کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲ الانفال حاشیہ: ۲۳)

تخریج: قَالَ الطبرانی: حَدَّثَنَاهَاشِمُ بْنُ مَرْثَدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ اِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ، حَدَّثَنِي اَبِي، حَدَّثَنِي ضَمْضَمُ بْنُ زُرْعَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ اَبِي مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ:لَيسَ عَدُوُّكَ الَّذِي اِنْ قَتَلْتَهٗ كَانَ فَوْزًا لَكَ وَاِنْ قَتَلَكَ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ وَلٰكِنَّ الَّذِي لَعَلَّهٗ عَدُوٌّلَّكَ وَلَدُكَ الَّذِي خَرَجَ مِنْ صُلْبِكَ ثُمَّ اَعْدٰى لَكَ مَالُكَ الَّذِي مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔ (٢٤)

اخلاصِ عمل

۱۳۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَقْبَلُ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ لَهٗ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ خالص اسی کے لیے نہ ہو۔

تشریح: یہ حدیث ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے نقل کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو خالص کر کے اس کی بندگی تم کو کرنی چاہیے کیوں کہ خالص اور بے آمیز اطاعت و بندگی اللہ کا حق ہے۔ دوسرے الفاظ میں بندگی کا مستحق کوئی دوسرا ہے ہی نہیں کہ اللہ کے ساتھ اس کی بھی پرستش اور اس کے احکام وقوانین کی بھی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی اور کی خالص اور بے آمیز بندگی کرتا ہے تو وہ غلط کرتا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ اللہ کی بندگی کے ساتھ بندگیٔ غیر کی آمیزش کرتا ہے تو یہ بھی حق کے سراسر خلاف ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر حاشیہ: ۴)

تخریج: **〈الف〉** اَخرجَ ابنُ مردویہ، عَنْ یزیدَ الرَّقاشِیّ، اِنَّ رَجُلًا قَالَ: یا رَسُولَ اللّٰہِ! اِنَّا نُعطِی اِلْتِمَاسَ الذِّکرِ فَھَلْ لَّنا مِنْ اجرٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :لَا، قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّا نُعْطِی اَمْوَالَنَا اِلْتِمَاسَ الْاَجْرِ والذِّکرِ فَھَلْ لَّنَا اَجرٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ لَا یَقْبَلُ اِلَّا مَنْ اَخلَصَ لَہٗ۔ (۲۵)

ترجمہ: (یزید الرقاشی سے مروی ہے کہ) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ''ہم اپنا مال دیتے ہیں، اس لیے کہ ہمارا نام بلند ہو، کیا اس پر ہمیں کوئی اجر ملے گا؟'' حضورؐ نے فرمایا ''نہیں''۔ اس نے پوچھا اگر اللہ کے اجر اور دنیا کی ناموری دونوں کی نیت ہو؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص اسی کے لیے نہ ہو۔

〈ب〉 نا یَحیٰ بْنُ مُحَمَّدِبْنِ صَاعِدٍ، وجعفرُبْنُ مُحَمَّدِبْنِ یَعْقُوْبَ الصَّنْدَلِیُّ، قَالَا: نا اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ مَحْشَرٍ، نَا عُبَیْدَۃُبْنُ حُمَیْدٍ، حَدَّثَنِی عَبْدُالعَزِیزِبْنُ رَفِیْعٍ وَغَیْرُہٗ عَنْ تَمِیْمِ بْنِ طَرفَۃَ عَنِ الضَّحَّاکِ بْنِ قَیْسِ نِ الفِھْرِیِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ: اَنَاخَیْرُ شَرِیْکٍ فَمَنْ اَشْرَکَ مَعِیَ شَرِیْکًا فَھُوَ لِشَرِیْکِی۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اَخْلِصُوْا اَعْمَالَکُمْ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ اِلَّا مَا اَخْلَصَ لَہٗ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا: ھٰذا لِلّٰہِ وَلِلرَّحِمِ، فَاِنَّھَا لِلرَّحِمِ وَلَیْسَ لِلّٰہِ مِنْھَا شَیْئٌ، وَلَا تَقُوْلُوْا، ھٰذَا لِلّٰہِ وَلِوُجُوْھِکُمْ فَاِنَّھَا لِوُجُوْھِکُمْ وَلَیْسَ لِلّٰہِ مِنْھَا شَیْئٌ۔ (۲۶)

ترجمہ: حضرت ضحاک بن قیس فہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں، میں سب شریکوں سے بہتر ہوں۔ پس جس چیز میں کسی نے میرے ساتھ غیر کو شریک بنایا وہ میرے شریک کے لیے ہے۔

لوگو! اپنے اعمال خالصتاً اللہ کے لیے کرو کیوں کہ وہ ایسا کوئی عمل قبول نہیں کرتا جو صرف اسی کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ لہٰذا تم یوں نہ کہا کرو کہ ''یہ اللہ کے لیے اور قرابت داری کے لیے ہے کیوں کہ اس طرح یہ قرابت داری کے لیے ہے اللہ کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اور یوں بھی نہ کہا کرو کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور تمہاری ذات کے لیے ہے۔ ایسا کہو گے تو یہ صرف تمہاری ذاتوں کے لیے ہوگا اللہ کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہ ہوگا۔''

اسلام میں ایمان بلا امانت اور دین بلا عہد کا کوئی تصوّر نہیں

۱۴۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔

ترجمہ: جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا، اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک پائی جائے اس

کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔" جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کرے۔ جب بولے تو جھوٹ بولے۔ جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب کسی سے جھگڑے تو (اخلاق و دیانت کی) ساری حدیں پھاند جائے۔"

تشریح: سورۂ مومنون میں ارشاد ہوا ہے۔ وَالَّذِيْنَ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۔ "امانات" کا لفظ جامع ہے اُن تمام امانتوں کے لیے جو خداوندِ عالم نے، یا معاشرے نے، یا افراد نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں۔ اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدے داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان،[1] یا انسان اور انسان کے درمیان، یا قوم اور قوم کے درمیان استوار کیے گئے ہوں۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و قرار سے نہ پھرے گا۔
(تفہیم القرآن، ج ۳ المومنون حاشیہ: ۸)

ان دونوں قسم کی امانتوں اور دونوں قسم کے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ ایک مومن کی سیرت کے لازمی خصائص میں سے ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۶، المعارج حاشیہ: ۲۱)

تخریج: اَخبرَنَا اَبُو الْخَيْرِ جَامِعُ بْنُ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ مَهْدِيِّ الْوَكِيْلُ، اَنْبَاَ اَبُوْطَاهِرِ الْمُحَمَّدُ اَبَاذِي، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدِ الدَّارِمِيُّ، ثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا اَبُو هِلَالٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَلَهٗ۔ (۲۷)

ترجمہ: جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا، اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا۔

مومنِ صادق کی پہچان

۱۵۔ (نبی ﷺ نے فرمایا) " لَايَابْنَتَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُ الَّذِىْ يُصَلِّىْ وَيَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُ وَهُوَ يَخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔"

ترجمہ: (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آں حضور ﷺ سے دریافت کیا) "یارسول اللہ! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک

---

[1] متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقع پر پیش آیا۔ اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسانِ اوّل کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح پوری نسلِ آدم کو بھی، جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اس کی تفسیر حضرت ابی بن کعب نے غالباً نبی ﷺ سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کی ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے، وہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انھیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انھیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا، کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے عرض کیا، ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمھارے باپ آدم کو گواہ ٹھیراتا ہوں تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا۔ میں تمھارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد و میثاق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو، یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے، آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں، آپ کے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے نہ کوئی معبود۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف حاشیہ: ۱۳۴)

شخص چوری، زنااور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے؟'' جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، اے صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی! اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر اللہ عزوجل سے ڈرتا رہتا ہے۔

تشریح: حدیث بالا سورہ المومنون کی آیت نمبر ۶۰ کے متعلق ہے۔ آیت میں فرمان ربانی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔

عربی زبان میں ''دینے'' (ایتاء) کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کی اطاعت قبول کر لینے کے لیے کہتے ہیں کہ اٰتيتُهٗ من نفسِی القَبُوْلَ۔ کسی شخص کی اطاعت سے انکار کر دینے کے لیے کہتے ہیں اٰتيتُهٗ مِنْ نَفْسِی الْإِبَائَةَ۔ پس اس دینے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ وہ راہِ خدا میں مال دیتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب اللہ کے حضور طاعت و بندگی پیش کرنے پر بھی حاوی ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے آیت کا پورا مفہوم یہ ہوا کہ وہ اللہ کی فرماں برداری میں جو کچھ بھی نیکیاں کرتے ہیں، جو کچھ بھی خدمات انجام دیتے ہیں، جو کچھ بھی قربانیاں کرتے ہیں، ان پر وہ پھولتے نہیں ہیں۔ غرورِ تقویٰ اور پندارِ خدارسیدگی میں مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ اپنے مقدور بھر سب کچھ کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ خدا جانے یہ قبول ہو یا نہ ہو، ہمارے گناہوں کے مقابلے میں وزنی ثابت ہو یا نہ ہو، ہمارے رب کے ہاں ہماری مغفرت کے لیے کافی ہو یا نہ ہو۔

(حدیث مذکورہ بالا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا کو يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا کے معنی میں لے رہی تھیں، پھر (حضورؐ) جواب سے پتہ چلا کہ آیت کی صحیح قرأت يَاْتُوْنَ نہیں بلکہ يُؤْتُوْنَ ہے، اور یہ يُؤْتُوْنَ صرف مال دینے کے محدود معنی میں نہیں ہے بلکہ طاعت بجالانے کے وسیع معنی میں ہے۔

ایک مومن کس قلبی کیفیت کے ساتھ اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اس کی مکمل تصویر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حالت ہے کہ عمر بھر کی بے نظیر خدمات کے بعد جب دنیا سے رخصت ہونے لگتے ہیں تو خدا کے محاسبے سے ڈرتے ہوئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آخرت میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے کہ، مومن طاعت کرتا ہے پھر بھی ڈرتا رہتا ہے، اور منافق معصیت کرتا ہے پھر بھی بے خوف رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، المومنون حاشیہ: ۵۴)

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِی اَبِی، ثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ: ثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ وَهْبٍ الْهَمَدَانِيِّ۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ، اَهُوَ الرَّجُلُ يَزْنِی وَيَسْرِقُ وَيَشْرَبُ الْخَمْرَ؟ قَالَ: لَا، يَابْنَتَ الصِّدِّيْقِ! وَلٰكِنَّهُ الرَّجُلُ يَصُوْمُ وَيُصَلِّیْ وَيَتَصَدَّقُ وَهُوَ يَخَافُ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُ۔ (۲۸)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت ''اَلَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ'' کے متعلق پوچھا کہ ''کیا اس سے مراد وہ شخص ہے جو زانی ہو، چور ہو اور مے خوار ہو۔'' آپؐ نے فرمایا ''نہیں، اے صدیق کی بیٹی! اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر اللہ عزوجل سے ڈرتا رہتا ہے کہ اس کا عمل قبول نہ کیا جائے۔''

وَقَالَ:لَا، یَابْنَةَ الصِّدِّیْقِ! وَلٰکِنَّهُمُ الَّذِیْنَ یُصَلُّوْنَ وَیَصُوْمُوْنَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ یَخَافُوْنَ اَلَّا یُتَقَبَّلَ مِنْهُمْ۔(۲۹)

گنہگار مومن اور ''نیکوکار'' کافر کا فرق

گنہگار مومن اور نیکوکار کافر کے درمیان فرق کی بنیاد یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری قبول کر کے اس کے وفادار بندوں میں شامل ہوجاتا ہے۔اس کے بعد اپنی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے وہ کسی جرم یا بعض جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔اس کے برعکس کافر دراصل ایک باغی ہوتا ہے اور اگر وہ نیکوکار ہو بھی تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس نے بغاوت کے جرم پر کسی اور جرم کا اضافہ نہیں کیا۔اب یہ ظاہر ہے کہ جو شخص باغی نہیں ہے اور صرف مجرم ہے اسے صرف جرم کی حد تک سزا دی جائے گی، بغاوت کی سزا اس کو نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ جرم کرنے کی وجہ سے کوئی شخص وفادار رعیت کے زمرے سے خارج نہیں ہوجاتا۔لیکن بغاوت بجائے خود سب سے بڑا جرم ہے، اس کے ساتھ اگر کوئی شخص دوسرے جرائم کا اضافہ نہ بھی کرتا ہو تو اسے وہ حیثیت کسی طرح نہیں دی جاسکتی جو وفادار رعیت کو دی جاتی ہے۔وہ بغاوت کی سزا بہرحال پاکر رہے گا خواہ وہ اس کے علاوہ کسی جرم کا ارتکاب نہ کرے۔لیکن اگر وہ باغی ہونے کے ساتھ کچھ جرائم کا مرتکب بھی ہو تو اسے بغاوت کی سزا کے ساتھ ان دوسرے جرائم کی سزا بھی دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی وفادار و فرماں بردار رعیت میں صرف وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو کسی قسم کے شرک کی آمیزش کے بغیر اور اللہ کے سب پیغمبروں کو کسی استثناء کے بغیر، اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو کسی کا انکار کیے بغیر مانتے ہوں اور آخرت کی جواب دہی کو بھی تسلیم کرتے ہوں۔ان میں سے جس چیز کو بھی آدمی نہ مانے گا وہ باغی ہوگا اور اسے خدا کی وفادار رعیت میں شمار نہ کیا جاسکے گا۔اب مثال کے طور پر رسولوں اور کتابوں ہی کے معاملہ کو لے لیجیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی انجیل کو جب یہودیوں نے نہ مانا تو وہ سب باغی ہوگئے، اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کو وہ مانتے تھے۔اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی آمد سے پہلے تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو اللہ کی وفادار رعیت تھے۔لیکن جب انھوں نے آں حضرت ﷺ اور قرآن کو ماننے سے انکار کردیا تو وہ بھی باغی ہوگئے۔مسیح اور انجیل اور سابق انبیاء اور ان کی کتابوں کو ماننے کے باوجود وہ اللہ کی وفادار رعیت میں شمار نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت باغیوں کے لیے نہیں بنائی ہے بلکہ اپنی وفادار رعیت کے لیے بنائی ہے۔اس وفادار رعیت میں سے اگر کوئی شخص کوئی ناقابل معافی جرم کرتا ہے یا اس نوعیت کے بہت سے جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اسے اس کے جرائم کے مطابق سزا دی جائے گی اور جب وہ اپنی سزا بھگت لے گا تو جنت میں داخل کردیا جائے گا۔لیکن جس نے بغاوت کا ارتکاب کیا ہے وہ کسی طرح جنت میں نہیں جاسکتا۔اس کا مقام بہرحال دوزخ ہے۔دوسرے کسی جرم کا وہ مرتکب نہ بھی ہو تو بغاوت بجائے خود اتنا بڑا جرم ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی بھی اسے جنت میں نہیں پہنچا سکتی۔(رسائل ومسائل حصہ پنجم ص ۱۷۰ تا ۱۷۳)

کفر بجائے خود انسان کے جہنمی ہونے کا مستقل سبب ہے، اور کفر کے ساتھ کوئی نیک عمل بھی اس کو جہنم سے نہیں بچاسکتی۔البتہ فرق اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے ہے کہ اس دار العذاب کے دروازے بہت سے ہیں۔اچھے کام کرنے والا

کافر کسی اور دروازے سے داخل ہوگا اور برے کام کرنے والے کفار اپنے برے اعمال کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہوں گے۔ بالفاظ دیگر کسی کے لیے عذاب ہلکا ہوگا اور کسی کے لیے سخت اور کسی کے لیے سخت سے سخت۔ اعمال صرف عذاب کے خفیف یا شدید ہونے کے موجب تو بن سکتے ہیں، لیکن جہنم میں جانے سے کوئی کافر نہیں بچ سکتا۔ کیوں کہ کفر خدا سے بغاوت ہے، اور باغی کے لیے اللہ نے اپنی جنت نہیں بنائی ہے۔

رہے مومن تو وہ دو قسم کے ہوسکتے ہیں۔ ایک وہ جو ایمان کے ساتھ بحیثیت مجموعی صالح ہوں۔ ان کے اگر کچھ قصور بھی ہوں تو وہ بھی توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں، دنیا کے مصائب، امراض، تکالیف ان کا کفارہ بن سکتی ہیں، شفاعت بھی ان کے حق میں نافع ہوسکتی ہے، اور اللہ اپنے فضل وکرم سے بھی ان کی مغفرت فرما سکتا ہے۔

دوسری قسم کے مومن وہ ہیں جو ایمان رکھنے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں۔ وہ باغی نہیں بلکہ مجرم ہیں۔ ان کے لیے اگر کوئی چیز بھی بخشش کی موجب نہ بن سکتی ہو، تو انھیں بغاوت کی نہیں بلکہ جرم یا جرائم کی سزا دی جائے گی۔ دنیا کے قوانین بھی باغی اور مجرم کو ایک سطح پر نہیں رکھتے پھر وہ احکم الحاکمین سے یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ دونوں کو ایک سطح پر رکھے گا؟ (رسائل ومسائل حصہ پنجم، کیا کافر...؟)

کس موقع کا ایمان معتبر ہے

۱۶۔ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ۔

ترجمہ: (مسند احمد اور مسلم میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ) بنی عقیل کا ایک شخص گرفتار ہوکر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتی جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پاجاتا۔''

تشریح: جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کرچکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے وہ تو آزاد کردیا جائے گا۔ مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کسی شخص کی ملکیت میں دے دیے جانے کے بعد مسلمان ہو تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔

اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا (السّیر الکبیر، امام محمد) اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرلے گا وہ آزاد کردیا جائے گا تو آخر وہ کون سا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کرلیتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵ سورہ محمد حاشیہ: ۸)

تخریج: حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ، قَالَ: نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ: نَا اَيُّوْبُ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ عُقَيْلٍ وَاَصَابُوْا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ فَاَتٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِيْ

الْوَثَاقِ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فَاَتَاهُ، قَالَ: مَا شَأْنُكَ ؟ قَالَ، بِمَ اَخَذْتَنِیْ وَبِمَ اَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ، قَالَ: اِعْظَامًالِذٰلِكَ اَخَذْتُكَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيْفَ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ يَامُحَمَّدُ! وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِيْمًا رَقِيْقًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ فَقَالَ: مَا شَأْنُكَ، قَالَ: اِنِّیْ مُسْلِمٌ قَالَ: لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ۔ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ يَامُحَمَّدُ! فَاَتَاهُ، فَقَالَ: مَاشَأْنُكَ ؟ قَالَ : اِنِّیْ جَائِعٌ فَاَطْعِمْنِیْ وَظَمْآنُ فَاسْقِنِیْ، قَالَ: هٰذِهٖ حَاجَتُكَ فَفُدِیَ بِالرَّجُلَيْنِ۔ (الحديث) (۳۰)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین نے بیان کیا کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف والوں نے رسول اللہ ﷺ کے دو صحابیوں کو قیدی بنالیا اور اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے بنی عقیل کے ایک آدمی کو قید کرلیا اور عضباء نامی اونٹنی بھی اس کے ساتھ ہی انھوں نے حاصل کرلی۔ اسے جب نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ جکڑا ہوا تھا۔ اس نے پکارا یا محمدؐ۔ آپؐ اس کی آواز سن کر اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہو کیا ماجرا ہے؟ بولا مجھے اور سابقۃ الحاج (عضباء) کو تم نے کس جرم میں پکڑ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے اس بات سے خبردار کرنے کے لیے کہ تمہارے حلیف قبیلے ثقیف نے ہمارے دو آدمی اسیر بنا کر کتنا بڑا جرم کیا ہے۔ پھر آپ واپس ہوئے تو اس نے پھر بلند آواز سے پکارنا شروع کردیا یا محمدؐ یا محمدؐ! آپ انتہائی رقیق القلب اور رحم دل انسان تھے۔ واپس اس کی طرف لوٹے اور دریافت فرمایا ''کہو کیا ماجرا ہے؟'' بولا کہ میں مسلم ہوں۔ آپ نے فرمایا ''اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتی جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔'' پھر آپؐ واپس ہوئے تو اس نے پھر یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر پکارنا شروع کردیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ''کیا ماجرا ہے؟'' بولا میں بھوکا ہوں، پیاسا ہوں کچھ کھلایئے، پلایئے''۔ ''آپؐ نے فرمایا یہ تمہاری ضرورت ہے۔ پھر آپ نے ایک کے بدلے دو کو رہا کرایا۔''

مخلص مومن کے لیے دنیوی مصائب گناہوں کا کفارہ ہیں

۱۷۔ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ حَتّٰى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مسلمان کو جو رنج اور دکھ اور فکر اور غم اور تکلیف اور پریشانی بھی پیش آتی ہے، حتّٰی کہ ایک کانٹا بھی اگر اس کو چبھتا ہے تو اللہ اس کو اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنادیتا ہے۔

تشریح: مومن مخلص کے لیے اللہ کا قانون (یہ ہے کہ) اس پر جو تکلیفیں اور مصیبتیں بھی آتی ہیں وہ سب اس کے گناہوں اور خطاؤں اور کوتاہیوں کا کفارہ بنتی چلی جاتی ہیں۔

رہے وہ مصائب جو اللہ کی راہ میں اس کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کوئی مومن برداشت کرتا ہے، تو وہ محض کوتاہیوں کا کفارہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے ہاں ترقی درجات کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ تصور کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ گناہوں کی سزا کے طور پر نازل ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ حاشیہ: ۵۲)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَیْرُبْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَمْرِ وبْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، عَنْ اَبِی سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ وَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حَزَنٍ وَلَا اَذًی وَلَا غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ۔ (۳۱)

﴿۲﴾ حَدَّثَنَاقَبِیْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَیْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِی مَرَضِهٖ فَمَسِسْتُهٗ وَهُوَیُوْعَكُ وَعْکًا شَدِیْدًا، فَقُلْتُ: اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْکًا شَدِیْدًا وَذَاكَ اِنَّ لَكَ اَجْرَیْنِ، قَالَ: اَجَلْ! وَمَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصِیْبُهٗ اَذًی اِلَّا حَاتَّتْ عَنْهُ خَطَایَاهُ کَمَا تُحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ۔ (۳۲)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی بیماری کے دوران حاضر ہوا۔ میں نے اپنا ہاتھ لگا کر دیکھا کہ آپ کو تیز بخار ہے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ! آپؐ کو شدید قسم کا بخار ہے اور یہ اس لیے کہ آپؐ کو دوہرا اجر ملے؟ آپؐ نے فرمایا ”ہاں، کوئی مسلم ایسا نہیں کہ اسے کوئی اذیت و تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح (موسم خزاں میں) درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَابْنُ اَبِی عُمَرَوَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِی زِیَادٍ الْمَعْنیٰ وَاحِدٌ، قَالَا: نَا سُفْیَانُ ابْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ ابْنِ مُحَیْصِنٍ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ قَیْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ مَنْ یَعْمَلْ سُوْءً یُّجْزَبِهٖ شَقَّ ذٰلِكَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ فَشَکَوْا ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ، فَقَالَ: قَارِبُوْا وَسَدِّدُوْاوَفِی کُلِّ مَا یُصِیْبُ الْمُؤْمِنَ کَفَّارَةٌ حَتَّی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا وَالنَّکْبَةِ یَنْکِبُهَا(۳۳)۔ (هذا حدیث حسن غریب)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت مَنْ یَعْمَلْ سُوْءً یُجْزَبِهٖ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ گراں گزری اور نبی ﷺ کی خدمت میں شکوہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”میانہ روی اختیار کرو، افراط وتفریط سے بچو۔ ہر وہ تکلیف جو کسی مومن کو پہنچتی ہے حتّٰی کہ کانٹا بھی اگر چبھ جائے یا اور کسی قسم کی مصیبت پہنچ جائے تو وہ اس کے لیے کفارہ کا کام دیتی ہے۔“

﴿۴﴾ عَنِ الْاَسْوَدِ، قَالَ: دَخَلَ شَبَابٌ مِّنْ قُرَیْشٍ عَلیٰ عَائِشَةَ وَهِیَ بِمِنًی وَهُمْ یَضْحَکُوْنَ، فَقَالَتْ: مَا یُضْحِکُکُمْ ؟ قَالُوْا: فُلَانٌ، خَرَّعَلیٰ طَنْبِ فُسْطَاطٍ فَکَادَتْ عُنُقُهٗ اَوْعَیْنُهٗ اَنْ تَذْهَبَ۔ قَالَتْ : لَا تَضْحَکُوْا فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُشَاكُ شَوْکَةً فَمَا فَوْقَهَا اِلَّا کُتِبَتْ لَهٗ بِهَادَرَجَةٌ وَ مُحِیَتْ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةٌ۔“

ترجمہ: کچھ قریشی نوجوان حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھیں۔ آپ نے دیکھا کہ وہ نوجوان ہنس رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیوں ہنس رہے ہو؟ بولے کہ فلاں صاحب خیمے کی طنابوں میں

پھنس کراس بری طرح منہ کے بل گرے کہ اس کی آنکھ کے ضائع ہونے یا گردن کے ٹوٹنے کا اندیشہ تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ''مت ہنسو! میں نے اپنے کانوں سے رسول خدا ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی سنا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا ''کوئی مسلم ایسا نہیں کہ اسے کانٹا چبھنے کی تکلیف پہنچے یا اس سے کچھ زیادہ اور کسی قسم کی اذیت کہ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ نہ لکھ دیا جائے اور اس کی ایک خطا مٹا نہ دی جائے۔''

〈۵〉 عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَال رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يصيبُ الْمُؤمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فوقها اِلا قصَّ اللّٰه بهَا مِنْ خَطِيئَتِهٖ۔

〈۶〉 عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: "مَا مِنْ مُصِيبَةٍ يُصَابُ بِهَا الْمُسْلِمُ اِلَّا كُفِّرَبِهَا عَنْهُ حَتّٰى الشَّوكَةِ يُشَاكُهَا۔

〈۷〉 عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ مُصِيبَةٍ حَتّٰى الشَّوكَةِ اِلَّا قُصَّ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ اَوْ كُفِّرَ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ لَا يَدْرِیْ يَزِيْدُ اَيَّتُهُمَا قَالَ عُرْوَةُ۔

〈۸〉 عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُوْلُ: مَا مِنْ شَیْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ حَتّٰى الشَّوكَةِ تُصِيبُهُ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً اَوْ حُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ۔

〈۹〉 عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ رضى الله عنهما: اِنَّهُمَا سَمِعَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُوْلُ: مَا يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ وَلَا نَصَبٍ وَلَا سَقَمٍ وَلَا حَزَنٍ حَتّٰى الْهَمِّ يَهُمُّهٗ اِلَّا كُفِّرَبِهٖ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ مومن کو جو دُکھ اور جو رنج اور جو بیماری اور غم پہنچتا ہے حتّٰی کہ جو فکر بھی لاحق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی سیئات کا کفارہ بنادیتا ہے۔

〈۱۰〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً يُّجْزَبِهٖ بَلَغَتْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مَبْلَغًا شَدِيْدًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : قَارِبُوْا وَسَدِّدُوْا فَفِیْ كُلِّ مَا يُصَابُ بِهٖ الْمُسْلِمَ كَفَّارَةٌ حَتّٰى النَّكْبَةِ يَنْكِبُهَا اَوِالشَّوكَةِ يُشَاكُهَا۔

〈۱۱〉 اَخْبَرَنَا جَابِرُبْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ السَّآئِبِ اَوْ اُمِّ الْمُسَيَّبِ، فَقَالَ: مَالَكِ يَااُمَّ السَّآئِبِ اَوْ يَا اُمَّ الْمُسَيَّبِ تُزَفْزِفِيْنَ، قَالَتْ: الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهَا، فَقَالَ: لَا تَسُبِّی الْحُمّٰى فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِیْ اٰدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (۳٤)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُمّ السائب یا اُمّ المسیّب کے ہاں تشریف لے گئے (شدید بخار میں مبتلا پا کر) آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ ''ام السائب کہا یا ام المسیب تمہیں کیا ہوا؟ تمہاری سانس پھولی ہوئی ہے۔ کپکپی تم پر طاری ہے۔'' بولیں حضورؐ بخار کی لپیٹ میں ہوں، جس میں کوئی بھلائی و برکت نہیں۔'' آپؐ نے فرمایا۔ ''بخار کو برا بھلا مت کہو یہ تو آ ولادِ آدم کے گناہ اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح بھٹّی لوہے کا زنگ جلا کر صاف کر دیتی ہے۔

اس کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوداؤد میں مروی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً يُّجْزَبِهٖ ''جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔'' اس پر حضورؐ نے فرمایا، عائشہؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے حتّٰی کہ کوئی کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا دے کر دنیا میں ہی اس کا حساب صاف کر دیتا ہے؟ (تفہیم القرآن، ج۲، الرعد حاشیہ:۳۴)

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيٰ، ح وثَنَا مُحَمَّدُبْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ اَبُودَاؤد: وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ بَشَّارٍ، عَنْ اَبِىْ عَامِرٍ الْخَزَّازِ، عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اَشَدَّ آيَةً فِى الْقُرْاٰنِ، قَالَ: اَيَّةُآيَةٍ يَا عَائِشَةُ؟ قَالَتْ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعالىٰ (مَنْ يَعْمَلْ سُوْءً ايُجْزَبِهٖ) قَال: اَمَا عَلِمتِ يَا عَائِشَةُ! اَنَّ الْمُؤْمِنَ تُصِيبُهُ النَّكْبَةُ اَوِ الشَّوكَةُ فَيُكَافَأُ بِأَسُوْءِ عَمَلِهٖ، الحديث۔ (۳۵)

۱۸۔ جاء فى الحديث لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَالْمُنَافِقُ مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْحِمَارِ لَا يَدْرِىْ فِيْمَ رَبَطَهٗ اَهْلُهٗ وَلَا فِيْمَا اَرْسَلُوْهُ۔ (ابن کثیر ج ۲، ص ۲۳۳، سورہ اعراف)

ترجمہ: مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹّی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ سے صاف ہو کر نکلتا ہے۔ لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے کیوں اسے باندھا تھا اور کیوں اسے چھوڑ دیا۔

تشریح: جب کسی قوم میں کوئی نبی بھیجا گیا تو پہلے اس قوم کے خارجی ماحول کو قبولِ دعوت کے لیے نہایت سازگار بنایا گیا۔ یعنی اس کو مصائب اور آفات میں مبتلا کیا گیا۔ قحط، وبا، تجارتی خسارے، جنگی شکست یا اسی طرح کی تکلیفیں اس پر ڈالی گئیں۔ تاکہ اس کا دل نرم پڑے۔ اس کی شیخی اور تکبر سے اکڑی ہوئی گردن ڈھیلی ہو۔ اس کا غرور، طاقت اور نشۂ دولت ٹوٹ جائے، اپنے ذرائع و وسائل اور اپنی قوتوں اور قابلیتوں پر اس کا اعتماد شکستہ ہو جائے، اسے محسوس ہو کہ اوپر کوئی اور طاقت بھی ہے جس کے ہاتھ میں اس کی قسمت کی باگیں ہیں۔ اور اس طرح اس کے کان نصیحت کے لیے کھل جائیں اور وہ اپنے خدا کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جانے پر آمادہ ہو جائے۔ پھر جب اس سازگار ماحول میں بھی اس کا دل قبولِ حق کی طرف مائل نہیں ہوتا تو اس کو خوش حالی کے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور یہاں سے اس کی بربادی کی تمہید شروع ہو جاتی ہے۔ جب وہ نعمتوں سے مالا مال ہونے لگتا ہے تو اپنے برے دن بھول جاتا ہے اور اس کے کج فہم رہنما اس کے ذہن میں تاریخ کا یہ احمقانہ

تصوّر بٹھاتے ہیں کہ حالات کا اتار چڑھاؤ اور قسمت کا بناؤ اور بگاڑ کسی حکیم کے انتظام پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ ایک اندھی طبیعت بالکل غیر اخلاقی اسباب سے کبھی اچھے اور کبھی برے دن لاتی ہی رہتی ہے۔ لہٰذا مصائب اور آفات کے نزول سے کوئی اخلاقی سبق لینا اور کسی ناصح کی نصیحت قبول کر کے خدا کے آگے زاری و تضرع کرنے لگنا بجز ایک طرح کی نفسی کمزوری کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ احمقانہ ذہنیت ہے جس کا نقشہ نبی ﷺ نے کھینچا ہے۔

پس جب کسی قوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ مصائب سے اس کا دل خدا کے آگے جھکتا ہے، نہ نعمتوں پر وہ شکر گزار ہوتی ہے اور نہ کسی حال میں اصلاح قبول کرتی ہے تو پھر اس کی بربادی اس طرح اس کے سر پر منڈلانے لگتی ہے جیسے پورے دن کی حاملہ عورت کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اس کا وضعِ حمل ہو جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف حاشیہ: ۷۷)

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ مَنْظُوْرٍ، عَنْ عَمِّهٖ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ اَخِي الْخَضِرِ، قَالَ اَبُوْدَاوُدَ، قَالَ النُّفَيْلِيُّ: هُوَ الْخَضِرُ وَلٰكِنْ كَذَا قَالَ، قَالَ: اِنِّيْ لَبِبِلَادِنَا اِذَا رُفِعَتْ لَنَا رَايَاتٌ وَاَلْوِيَةٌ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا لِوَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ قَدْ بُسِطَ لَهٗ كِسَاءٌ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَيْهِ وَقَدِ اجْتَمَعَ اِلَيْهِ اَصْحَابُهٗ فَجَلَسْتُ اِلَيْهِمْ، فَذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْاَسْقَامَ، فَقَالَ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ اَعْفَاهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَّهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ۔ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلَمْ يَدْرِ لِمَ اَرْسَلُوْهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ حَوْلَهٗ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْاَسْقَامُ؟ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔ الحديث۔ (۳٦)

ترجمہ: خضر بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گاؤں میں تھا کہ ہمیں کچھ جھنڈے اور علم بلند ہوتے ہوئے دکھائی دیے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ہے۔ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کے لیے چادر بچھائی ہوئی تھی۔ اس پر آپؐ تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے امراض کا ذکر فرمایا کہ ''ایک مومن جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے صحت و تندرستی عطا فرما دیتا ہے تو یہ بیماری اس مومن کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ اور مستقبل کے لیے نصیحت و موعظت بن جاتی ہے اور منافق جب بیمار پڑ جاتا ہے اور پھر اسے صحت ہو جاتی ہے۔ تو یہ منافق اس اونٹ کی مانند ہوتا ہے جسے اس کے مالک نے باندھ رکھا ہو پھر اسے آزاد چھوڑ دے اسے نہ یہ معلوم ہو کہ اسے کیوں باندھا گیا تھا اور نہ یہ معلوم ہو کہ اسے آزاد کیوں چھوڑا گیا۔'' حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بولا ''یارسول اللہ! یہ امراض کیا ہیں، میں تو زندگی بھر کبھی بیمار نہیں ہوا۔'' آپؐ نے فرمایا ''اٹھو ہمارے ہاں سے تمہارا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

مسند احمد میں ہے:

وَما يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَمْشِىَ عَلىٰ ظَهْرِ الْاَرْضِ لَيسَ عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ۔ (۳۷)

ایک اور روایت میں ہے:

لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِى جَسَدِهٖ وَفِىْ مَالِهٖ وَفِىْ وَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ۔ (۳۸)

ایک اسرائیلی مُوَحِّد کا ایمان افروز واقعہ

۱۹۔ حضرت صہیبؓ رومی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ساحر تھا۔ اس نے اپنے بڑھاپے میں بادشاہ سے کہا کہ کوئی لڑکا ایسا مامور کردے جو مجھ سے یہ سحر سیکھ لے۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو مقرر کردیا۔ مگر وہ لڑکا ساحر کے پاس آتے جاتے ایک راہب سے بھی (جو غالباً پیروانِ مسیح علیہ السلام میں سے تھا) ملنے لگا اور اس کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا۔ حتّٰی کہ اس کی تربیت سے صاحب کرامت ہوگیا اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا توحید پر ایمان لے آیا ہے تو اس نے پہلے راہب کو قتل کیا۔ پھر اس لڑکے کو قتل کرنا چاہا، مگر کوئی ہتھیار اور کوئی حربہ اس پر کارگر نہ ہوا۔ آخر کار لڑکے نے کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع عام میں بِاسْمِ رَبِّ الْغُلَامِ "اس لڑکے کے رب کے نام پر" کہہ کر مجھے تیر مار میں مرجاؤں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا۔ اس پر لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے اس سے کہا کہ یہ تو وہی کچھ ہوگیا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے۔ لوگ آپ کے دین کو چھوڑ کر اس لڑکے کے دین کو مان گئے۔ بادشاہ یہ حالت دیکھ کر غصّے میں بھر گیا۔ اس نے سڑکوں کے کنارے گڑھے کھدوائے، ان میں آگ بھروائی اور جس جس نے ایمان سے پھرنا قبول نہ کیا اس کو آگ میں پھکوادیا۔[1]

تشریح: (اس روایت میں نبی ﷺ نے ایمان لانے والوں کو آگ میں پھینکنے کا قصہ بیان کیا۔ آگ میں پھینکنے کے اور بھی واقعات روایات میں بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظلم دنیا میں کئی بار ہوا)۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ،حَدَّثَنِى اَبِىْ، ثنا عَفَّانُ، ثناحَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ، انا ثَابِتُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ لَيْلىٰ، عَنْ صُهَيْبٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: كَانَ مَلِكٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَ كَانَ لَهٗ سَاحِرٌ فَلَمَّا كَبُرَ السَّاحِرُ، قَالَ لِلْمَلِكِ : اِنِّىْ قَدْ كَبُرَتْ سِنِّىْ، وَحَضَرَ أَجَلِىْ، فَادْفَعْ اِلَىَّ غُلَامًا فَلِاُعَلِّمْهُ السِّحْرَ فَدَفَعَ اِلَيْهِ غُلَامًا فَكَانَ يُعَلِّمُهُ السِّحْرَ وَ كَانَ بَيْنَ السَّاحِرِ وَبَيْنَ الْمَلِكِ رَاهِبٌ، فَاَتَى الْغُلَامُ عَلَى الرَّاهِبِ، فَسَمِعَ مِنْ كَلَامِهٖ فَاَعْجَبَهٗ نَحْوَهٗ كَلَامَهٗ فَكَانَ اِذَا اَتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهٗ وَقَالَ: مَاحَبَسَكَ؟ وِاذَا اَتٰى اَهْلَهٗ ضَرَبُوْهٗ، وَقَالُوْا: مَاحَبَسَكَ؟

---

[1] احمد، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن جریر، عبدالرزاق ابن ابی شیبہ، طبرانی، عبد بن حمید۔

فَشَكَاذٰلِكَ إِلَى الرَّاهِبِ، فَقَالَ: إِذَا اَرَادَالسَّاحِرُاَنْ يَضْرِبَكَ، فَقُلْ: حَبَسَنِى اَهْلِى وَإِذَا اَرَادَ اَهْلُكَ اَنْ يَضْرِبُوكَ فَقُلْ حَبَسَنِى السَّاحِرُوَقَالَ فَبَيْنَمَا هُوَكَذٰلِكَ إِذْاَتٰى ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى دَآبَّةٍ فَظِيْعَةٍ عَظِيْمَةٍ۔ وَقَدْ حَبَسَتِ النَّاسَ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَجُوْزُوْا، فَقَالَ: اَلْيَوْمَ اَعْلَمُ اَمْرُ الرَّاهِبِ اَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ اَمْ اَمْرُالسَّاحِرِ! فَاَخَذَ حَجَرًا، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ اَمْرُ الرَّاهِبِ اَحَبَّ إِلَيْكَ وَاَرْضٰى لَكَ مِنْ اَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هٰذِهِ الدَّابَّةَ حَتّٰى يَجُوْزَ النَّاسُ وَرَمَاهَا فَقَتَلَهَا وَمَضَى النَّاسُ فَاَخْبَرَ الرَّاهِبَ بِذٰلِكَ، فَقَالَ : اَىْ بُنَىَّ اَنْتَ اَفْضَلُ مِنِّىْ وَإِنَّكَ سَتُبْتَلٰى فَإِنِ ابْتُلِيْتَ فَلَا تَدُلَّ عَلَىَّ۔ فَكَانَ الْغُلَامُ يُبْرِئُ اَكْمَهَ وَسَائِرَ الْاَدْوَاءِ وَيَشْفِيْهِمْ وَكَانَ جَلِيْسٌ لِلْمَلِكِ فَعَمِىَ فَسَمِعَ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهَدَايَا كَثِيْرَةٍ، فَقَالَ: اِشْفِنِىْ وَلَكَ مَا هٰهُنَا اَجْمَعَ، فَقَالَ: مَااَشْفِىْ اَنَا اَحَدًا إِنَّمَا يَشْفِى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَإِنْ اَنْتَ آمَنْتَ بِهٖ دَعَوْتُ اللّٰهَ فَشَفَاكَ فَاٰمَنَ فَدَعَااللّٰهَ لَهٗ فَشَفَاهُ ثُمَّ اَتَى الْمَلِكَ فَجَلَسَ مِنْهُ نَحْوَمَا كَانَ يَجْلِسُ، فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ، يَا فُلَانُ! مَنْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ؟ فَقَالَ: رَبِّىْ۔ قَالَ: اَنَا، قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ، قَالَ: اَوَلَكَ رَبٌّ غَيْرِىْ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهٗ حَتّٰى دَلَّهٗ عَلَى الْغُلَامِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: اَىْ بُنَىَّ قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحْرِكَ اَنْ تُبْرِئَ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَهٰذِهِ الْاَدْوَاءَ، قَالَ: مَا اَشْفِىْ اَنَا اَحَدًا، مَا يَشْفِىْ غَيْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: اَنَا، قَالَ: لَا، قَالَ: اَوَلَكَ رَبٌّ غَيْرِىْ؟ قَالَ: نَعَمْ! رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ، فَاَخَذَهٗ اَيْضًا بِالْعَذَابِ فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ حَتّٰى دَلَّ عَلَى الرَّاهِبِ فَاُتِىَ بِالرَّاهِبِ، فَقَالَ: اِرْجِعْ عَنْ دِيْنِكَ فَاَبٰى فَوُضِعَ الْمِنْشَارُفِى مَفْرَقِ رَأْسِهٖ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ وَقَالَ لِلْاَعْمٰى اِرْجِعْ عَنْ دِيْنِكَ فَاَبٰى فَوُضِعَ الْمِنْشَارُفِى مَفْرَقِ رَأْسِهٖ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ إِلَى الْاَرْضِ، وَقَالَ لِلْغُلَامِ: اِرْجِعْ عَنْ دِيْنِكَ، فَاَبٰى، فَبَعَثَ بِهٖ مَعَ نَفَرٍ إِلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا،فَقَالَ: إِذَا بَلَغْتُمْ ذِرْوَتَهٗ فَإِنْ رَّجَعَ عَنْ دِيْنِهٖ وَإِلَّا فَدَهْدَهُوْهُ مِنْ فَوْقِهٖ، فَذَهَبُوْا بِهٖ فَلَمَّا عَلَوْا بِهِ الْجَبَلَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ، فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَدَهْدَهُوْا اَجْمَعُوْنَ۔ وَجَآءَ الْغُلَامُ يَتَلَمَّسُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى الْمَلِكِ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ اَصْحَابُكَ؟ فَقَالَ: كَفَانِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَبَعَثَهٗ مَعَ نَفَرٍ فِىْ قُرْقُوْرٍ، فَقَالَ: إِذَالَجَجْتُمْ بِهِ الْبَحْرَ فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِيْنِهٖ وَإِلَّا فَغَرِّقُوْهُ فَلَجَّجُوْا بِهِ الْبَحْرَ، فَقَالَ الْغُلَامُ: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ فَغَرِقُوْا اَجْمَعُوْنَ وَجَآءَ الْغُلَامُ يَتَلَمَّسُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى الْمَلِكِ۔ فَقَالَ: مَا فَعَلَ اَصْحَابُكَ ؟ قَالَ: كَفَانِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ ثُمَّ قَالَ لِلْمَلِكِ: إِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِىْ حَتّٰى تَفْعَلَ مَاآمُرُكَ بِهٖ، فَإِنْ اَنْتَ فَعَلْتَ مَا اٰمُرُكَ بِهٖ قَتَلْتَنِىْ وَإِلَّا فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ قَتْلِىْ، قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: تَجْمَعُ النَّاسَ فِىْ صَعِيْدٍ ثُمَّ تَصْلُبُنِىْ عَلٰى جِذْعٍ فَتَاْخُذُ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِىْ، ثُمَّ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ، فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ قَتَلْتَنِىْ، فَفَعَلَ وَوَضَعَ السَّهْمَ فِىْ كَبِدِ قَوْسِهٖ، ثُمَّ رَمٰى، فَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ، فَوَضَعَ السَّهْمُ فِىْ صُدْغِهٖ فَوَضَعَ الْغُلَامُ يَدَهٗ عَلٰى

مَوْضِعِ السَّهْمِ وَمَاتَ ۔ فَقَالَ النَّاسُ: آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ فَقِيلَ لِلْمَلِكِ اَرَأَيْتَ مَا كُنْتَ تَحْذَرُ فَقَدْ وَاللّٰهِ نَزَلَ بِكَ قَدْ آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَاَمَرَ بِاَفْوَاهِ السِّكَكِ فَخُدَّدَتْ فِيهَا الْاُخْدُودُ وَاُضْرِمَتْ فِيهَا النِّيرَانُ وَقَالَ: مَنْ رَجَعَ عَنْ دِيْنِهِ فَدَعُوْهُ وَاِلَّا فَاقْحَمُوْهُ فِيهَا قَالَ فَكَانُوا يَتَعَادَوْنَ فِيهَا وَيَتَدَافَعُوْنَ فَجَآءَتْ اِمْرَأَةٌ بِابْنٍ لَّهَا تُرْضِعُهُ فَكَاَنَّهَا تَقَاعَسَتْ اَنْ تَقَعَ فِي النَّارِ فَقَالَ الصَّبِيُّ يَا اُمَّهِ! اصْبِرِيْ فَاِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ۔ (۳۹)

ترجمہ: حضرت صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک ساحر تھا۔ جب ساحر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ ”میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری اجل قریب ہے۔ مجھے ایک لڑکا دو جسے میں سحر سکھادوں۔“ بادشاہ نے اسے ایک لڑکا دے دیا۔ ساحر نے اسے سحر سکھانا شروع کر دیا۔ بادشاہ اور جادوگر کے درمیانی راستے میں ایک راہب رہتا تھا یہ لڑکا اس کے پاس ٹھیرنے لگا۔ راہب کا کلام لڑکے نے سنا تو اسے اس کا انداز اور کلام بہت اچھا لگا۔ اب معاملہ کی نوعیت یہ ہوگئی کہ لڑکا جب ساحر کے پاس پہنچتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا اور دریافت کرتا کہ کس چیز نے تمہیں روکے رکھا اور جب وہ لڑکا اپنے گھر پہنچتا تو گھر والے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے مارتے اور پوچھتے تاخیر سے آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس صورت حال سے لڑکے نے راہب کو آگاہ کیا تو اس نے ایک تجویز اسے سجھائی کہ جب ساحر تجھے مارنے کے درپے ہو تو اس کو کہہ دیا کرو کہ گھر والوں نے کسی کام سے روک لیا تھا اور جب گھر والے دیر سے پہنچنے کی سزا دینے لگیں تو ان سے کہہ دیا کرو کہ ساحر نے مجھے روکے رکھا۔ اسی اثناء میں ایک روز اس لڑکے کا گزر ایک ہیبت ناک اور بہت بڑے جانور پر ہوا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ اس کی دہشت اور خوف سے لوگ اس راستہ سے نہیں گزرتے تھے۔ یہ معاملہ دیکھ کر لڑکے کو خیال آیا کہ میں آج معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو راہب کا طریقہ زیادہ پسند ہے یا جادوگر کا۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر ہاتھ میں پکڑا اور یہ کہہ کر اس جانور کو کھینچ مارا کہ اے اللہ! اگر اس راہب کا طریقہ تیری نظر میں ساحر کے طریقے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، تو اس جانور کو مار دے۔ تاکہ لوگوں کا راستہ کھل جائے اور یہ گزر جائیں، چنانچہ وہ جانور اس پتھر سے مر گیا اور لوگ آرام سے گزر گئے۔ پھر یہ سارا ماجرا لڑکے نے راہب کو سنایا۔ راہب سن کر بولا۔ بیٹے اب تم مجھ سے بازی لے گئے ہو۔ تمہارا مقام مجھ سے افضل ہے۔ لہٰذا اب مستقبل قریب میں تمہاری آزمائش ضرور ہوگی۔ لہٰذا اگر تمہیں سخت آزمائش میں ڈالا گیا اور یہ پوچھا گیا کہ تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا ہے تو میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ (یہ لڑکا راہب سے تعلیم پا کر صاحبِ کرامت ہوگیا) اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور دوسرے بیماروں کو بھی شفا دینے لگا۔ ”شفا کی نسبت لڑکے کی طرف سبب کے درجے میں ہے حقیقی نہیں، حقیقی شفاء صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“ بادشاہ کا ایک ہم جلیس بھی نابینا تھا۔ اسے اس لڑکے کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ بہت تحائف اور ہدایا لے کر اس کے پاس آیا۔ کہنے لگا اے لڑکے مجھے شفا دے۔ اس کے عوض یہاں جو کچھ میں لایا ہوں وہ سب تیرا ہے۔ لڑکا بولا میں تو کسی کو بھی شفایاب نہیں کرسکتا۔ شفاء تو صرف اللہ عزوجل کے قبضۂ اختیار میں ہے، اگر تو ایمان لے آئے تو میں اللہ سے دعا کروں گا وہ تجھے شفا دے دے گا۔ وہ ایمان لے آیا۔ لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ شفایاب ہوگیا۔ اس کے

بعد وہ بادشاہ کے پاس آیا اور حسبِ معمول وہیں بیٹھ گیا، جہاں بیٹھتا تھا۔ بادشاہ نے دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا، ارے تمہاری بینائی کس نے لوٹائی ہے؟ بولا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا ''میں نے؟'' اس نے نفی میں جواب دیا کہ نہیں بلکہ میرے اور تمہارے رب نے مجھے شفا عطا فرمائی ہے۔ بادشاہ بولا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا کہ ''ہاں! ہے''۔ پس پھر کیا تھا بادشاہ نے اسے عذاب میں اس وقت تک مبتلا رکھا جب تک کہ اس نے لڑکے کا اتا پتا نہ بتا دیا۔ بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلوا کر پوچھا۔ اے نوجوان! تیرا جادو اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ تو اندھے کو بینا اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہے۔ لڑکا بولا کسی کو شفا دینا میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے۔ شفاء دینا صرف اللہ عزوجل کا کام ہے کسی غیر اللہ کا یہ کام نہیں۔ بادشاہ بولا ''تو وہ میں ہوں''۔ لڑکے نے جواب دیا ''نہیں تم نہیں ہو۔'' بادشاہ نے کہا ''کیا میرے سوا تیرا اور بھی کوئی رب ہے؟'' بولا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ اس پر اسے بھی بادشاہ نے مبتلائے عذاب کر دیا اور اتنا عذاب دیا کہ لڑکا راہب کے متعلق بتانے پر مجبور ہو گیا۔ بادشاہ نے اس راہب کو بلوایا اور حکم دیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ۔ راہب نے اپنا دین ترک کرنے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے اس کے سر کے وسط میں آرا رکھوا کر چروا دیا۔ پھر بادشاہ اس اندھے کی طرف متوجہ ہوا اور اسے حکم دیا کہ اپنے دین سے پھر جائے۔ مگر ایسا کرنے سے اس نے بھی انکار کر دیا تو اس کے سر پر بھی آرا رکھ کر چروا دیا حتّٰی کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر بادشاہ لڑکے کی طرف متوجہ ہوا اور اسے بھی حکم دیا کہ اپنے دین سے پھر جائے مگر ایسا کرنے سے اس نے بھی انکار کر دیا تو اسے کچھ سپاہیوں کی تحویل میں دے کر حکم دیا کہ اسے فلاں اونچے پہاڑ پر لے جا کر پوچھو۔ اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو چھوڑ دو۔ بصورت دیگر اسے پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا دو۔ تعمیل حکم میں یہ لوگ اسے لے کر جب پہاڑ پر لے چڑھے تو لڑکے نے اللہ سے دعا کی، اے اللہ! تو خود ان سے جس طرح چاہے نبٹ لے۔ چنانچہ پہاڑ اس شدت سے لرزا کہ وہ سارے کے سارے لڑھکتے ہوئے نیچے آ رہے اور مر گئے۔ لڑکا راستہ تلاش کرتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ پوچھا کہ تمہارے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان کا کیا حال ہے۔ وہ بولا، اللہ تعالیٰ نے ان کا کام تمام کر دیا ہے۔ پھر بادشاہ نے اسے کچھ لوگوں کے ساتھ بھیجا اور کہا کہ اسے بڑی کشتی پر سوار کر کے سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں لے جاؤ۔ وہاں جا کر اگر یہ اپنے دین سے پھرنے کا اقرار کر لے تو چھوڑ دو ورنہ اسے وہیں غرق کر دو۔ چنانچہ وہ اسے بپھری ہوئی موجوں میں لے گئے۔ اس موقع پر لڑکے نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تو ہی جس طرح چاہے ان سے نبٹ لے۔ دعا قبول ہوئی اور وہ سب موجوں کی لپیٹ میں آ کر لقمہ اجل بن گئے۔ لڑکا پھر راستہ تلاش کرتا ہوا بادشاہ تک پہنچ گیا۔ اس نے پوچھا تیرے ساتھیوں کا کیا بنا؟ لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچا لیا اور ان کو ہلاک کر دیا۔ پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا جب تک کہ تو اس طرح نہ کرے جس طرح میں تجھے بتاتا ہوں۔ اگر تو نے میری بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کیا تو تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا ورنہ تو مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ لڑکا بولا، تمام لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر اور مجھے کھجور کے تنے پر پھانسی پر لٹکا کر میرے ترکش سے تیر لے اور یوں کہہ کر تیر مار ''اس لڑکے کے پروردگار اللہ کے نام سے''، پس جب تو حسبِ ہدایت عمل کرے گا تو مجھے قتل کر دے گا۔ لہٰذا بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ کمان کے بیچ میں تیر لگا کر مارا اور ساتھ ہی کہا بسم اللّٰہ رب الغلام تیر سیدھا لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ اس پر لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے

اس سے کہا یہ تو وہی کچھ ہو گیا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے۔ لوگ آپ کے دین کو چھوڑ کر اس لڑکے کے دین کو مان گئے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر غصے سے بھر گیا۔ اس نے سڑکوں کے کنارے گڑھے کھدوائے اور ان میں آگ بھروائی اور جس نے ایمان سے پھرنا قبول نہ کیا اس کو ان گڑھوں میں پھکوادیا۔ اسی دوران میں ایک خاتون اس حال میں آئی کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور وہ آگ میں کودنے سے ہچکچائی تو اس کا شیر خوار بچہ بول اٹھا۔ ''امی جان ثابت قدم رہو۔ بلاشبہ تم حق پر ہو۔''

ترمذی میں یہ اضافہ ہے:

قال قام الغلام فانه دفن قال فیذکرانه اُخرج فی زمن عمر بن الخطاب واصبعه علی صدغهٖ کما وضعها حین قتل۔(۴۰) (ھذا حدیث حسن غریب)

﴿۲﴾ حَدَّثَنَاابْنُ حُمَیْدٍ، قَالَ: ثنا یَعْقُوْبُ الْقُمِّیُّ عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ اَبْزٰی، قَالَ: لَمَّا رَجَعَ الْمُهَاجِرُوْنَ مِنْ بَعْضِ غَزَوَاتِهِمْ، بَلَغَهُمْ نَعْیُ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اَیُّ الْاَحْکَامِ تَجْرِیْ فِی الْمَجُوْسِ وَاِنَّهُمْ لَیْسُوْا بِاَهْلِ الْکِتٰبِ وَلَیْسُوْا مِنْ مُشْرِکِی الْعَرَبِ، فَقَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَدْ کَانُوْا اَهْلَ کِتَابٍ وَقَدْ کَانَتِ الْخَمْرُ اُحِلَّتْ لَهُمْ فَشَرِبَهَا مَلِكٌ مِنْ مُّلُوْکِهِمْ حَتّٰی ثَمِلَ مِنْهَا فَتَنَا وَلَ اُخْتَهٗ فَوَقَعَ عَلَیْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْهُ السُّکْرُ،قَالَ لَهَا وَیْحَكِ فَمَا الْمَخْرَجُ مِمَّا ابْتُلَیْتُ بِهٖ؟ فَقَالَتْ: اُخْطُبِ النَّاسَ، فَقُلْ، یَااَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَلَّ نِکَاحَ الْاَخَوَاتِ، فَقَامَ خَطِیْبًا، فَقَالَ : یَا اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَلَّ نِکَاحَ الْاَخَوَاتِ، فَقَالَ النَّاسُ: اِنَّا نَبْرَأُ اِلَی اللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ مَا اَتَانَا بِهٖ نَبِیٌّ وَلَا وَجَدْنَاهُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ، فَرَجَعَ اِلَیْهَا نَادِمًا فَقَالَ لَهَا: وَیْحَكِ اِنَّ النَّاسَ قَدْ اَبَوْا عَلٰی اَنْ یُّقِرُّوْا بِذٰلِكَ، فَقَالَتْ: اُبْسُطْ عَلَیْهِمُ السِّیَاطَ فَفَعَلَ فَبَسَطَ عَلَیْهِمُ السِیَاطَ فَاَبَوا اَنْ یُّقِرُّوْا فَرَجَعَ اِلَیْهَا نَادِمًا، فَقَالَ: اِنَّهُمْ اَبَوْا اَنْ یُّقِرُّوْا، فَقَالَتْ: اُخْطُبْهُمْ فَاِنْ اَبَوْا فَجَرِّدْ فِیْهِمِ السَّیْفَ، فَفَعَلَ فَاَبٰی عَلَیْهِ النَّاسُ، فَقَالَ لَهَا:قَدْ اَبٰی عَلَیَّ النَّاسُ، فَقَالَتْ :خُدَّ لَهُمُ الْاُخْدُوْدَ ثُمَّ اَعْرِضْ عَلَیْهَا اَهْلَ مَمْلَکَتِكَ فَمَنْ اَقَرَّوَاِلَّا فَاقْذِفْهُ فِی النَّارِ، فَفَعَلَ ثُمَّ عَرَضَ عَلَیْهَا اَهْلَ مَمْلَکَتِهٖ فَمَنْ لَّمْ یُقِرَّ مِنْهُمْ قَذَفَهٗ فِی النَّارِ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِمْ قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِلیٰ اَنْ یُّؤْمِنُوا بِا للّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ...اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ۔ فَلَمْ یَزَالُوْا مُنْذُذٰلِكَ یَسْتَحِلُّوْنَ نِکَاحَ الْاَخَوَاتِ وَالْبَنَاتِ وَالْاُمَّهَاتِ۔ (۴۱)

ترجمہ: ابن جریر کا بیان ہے کہ جب مہاجرین بعض غزوات سے واپس لوٹے انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے مجوس کے متعلق احکام شریعت کیا ہیں؟ وہ اہل کتاب میں سے بھی نہیں اور مشرکین عرب میں بھی ان کا شمار نہیں۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ نے فرمایا'' یہ اہل کتاب ہیں کیونکہ ان کی شریعت میں شراب نوشی حلال تھی۔ ان

کے کسی ایک بادشاہ نے شراب پی اور حواس باختہ ہوگیا اور اس نے اپنی حقیقی بہن کو پکڑ کر اس سے حرام کاری کی مگر جب نشہ کافور ہوا تو اسے اس کا بڑا افسوس ہوا کہنے لگا۔ بڑا افسوس ہے۔ اب اس سے مخلصی کا راستہ کیا ہے جس میں میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ اس کی بہن نے مشورہ دیا کہ عوام سے خطاب کر کے انھیں یقین دلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حقیقی بہن سے نکاح جائز قرار دے دیا ہے چنانچہ اس نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہنوں سے نکاح جائز کر دیا مگر لوگوں نے اس کی اس بات کو یہ کہہ کر تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ ہم اس بات سے اظہار برأت کرتے ہیں اس لیے کہ نہ تو ہمارے نبی نے یہ فرمایا ہے اور نہ ہی ہمیں اللہ کی کتاب میں یہ بات ملی ہے۔ لوگوں کا یہ جواب سن کر نادم و پریشان واپس چلا گیا اور جا کر بہن کو سارا واقعہ سنایا کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ بہن نے پھر مشورہ دیا کہ ان پر کوڑے برسائے جائیں چنانچہ اس نے کوڑے برسائے مگر پھر بھی لوگوں نے بات ماننے سے انکار کر دیا۔ نادم و پشیمان واپس آیا اور سارا ماجرا بہن کو سنایا کہ لوگوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے اس نے کہا کہ ان پر کوڑے برساؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے باوجود انھوں نے نہ مانا۔ پھر بہن کو سارا واقعہ سنایا تو اس نے مزید مشورہ دیا کہ ان کو تلوار برہنہ سے ڈراؤ۔ اس نے شمشیر سے انھیں مرعوب کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے خندقیں کھدوائیں اور عوام میں اعلان کروادیا کہ جو میری بات کا اقرار کرے وہ زندہ رہ سکے گا مگر جس نے اس کی بات کو نہ مانا اسے اسنے آگ کی خندق میں ڈال دیا۔ اسی واقعہ کے متعلق قرآن پاک کی سورہ بروج میں ذکر آیا ہے۔ قُتِلَ اَصۡحَابُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ اِلیٰ اَنۡ یُّؤۡمِنُوا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ...... اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِيۡقِ۔ اس واقعہ کے بعد سے بہنوں اور بیٹیوں اور حقیقی ماؤں سے نکاح حلال قرار دے دیا گیا۔

۳۔ ابن عباسؓ نے غالباً اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ بابل والوں نے بنی اسرائیل کو دینِ موسیٰ علیہ السلام سے پھر جانے پر مجبور کیا تھا یہاں تک کہ انھوں نے آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں ان لوگوں کو پھینک دیا جو اس سے انکار کرتے تھے۔ (ابن جریر، عبد بن حمید)

〈۳〉 قال العوفی عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ: قُتِلَ اَصۡحَابُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۔ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ۔ قَالَ نَاسٌ مِنۡ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ: خَدُّوۡا اُخۡدُوۡدًا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ اَوۡقَدُوۡا فِیۡهِ نَارًا ثُمَّ اَقَامُوۡا عَلیٰ ذٰلِكَ الۡاُخۡدُوۡدِ رِجَالاً وَّنِسَآءً فَعُرِضُوۡا عَلَیۡهَا وَزَعَمُوۡا اَنَّهٗ دَانِیَالُ وَاَصۡحَابُهٗ۔ (۴۲)

۴۔ سب سے مشہور واقعہ نجران کا ہے جسے ابنِ ہشام، طبری، ابن خلدون اور صاحب معجم البلدان وغیرہ اسلامی مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حمیر (یمن) کا بادشاہ تُبان اسعد ابوکرب ایک مرتبہ یثرب گیا جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے دین یہود قبول کر لیا اور بنی قُریظہ کے دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ وہاں اس نے بڑے پیمانے پر یہودیت کی اشاعت کی۔ اس کا بیٹا ذونواس اس کا جانشین ہوا اور اس نے نجران پر، جو جنوبی عرب میں عیسائیوں کا گڑھ تھا، حملہ کیا تاکہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دے اور اس کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ (ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے اصل دین پر قائم تھے) نجران پہنچ کر اس نے لوگوں کو دین یہود قبول

کرنے کی دعوت دی مگر انھوں نے انکار کیا۔ اس پر اس نے بکثرت لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک کر جلوادیا اور بہت سوں کو قتل کردیا۔ یہاں تک کہ مجموعی طور پر بیس ہزار آدمی مارے گئے۔ اہل نجران میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان بھاگ نکلا۔ اور ایک روایت کی رو سے اس نے قیصر روم کے پاس جا کر، اور دوسری روایت کی رو سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے ہاں جا کر اس ظلم کی شکایت کی۔ پہلی روایت کی رو سے قیصر نے حبش کے بادشاہ کو لکھا، اور دوسری روایت کی رو سے نجاشی نے قیصر سے بحری بیڑا فراہم کرنے کی درخواست کی۔ بہر حال آخر کار حبش کی ۷۰ ہزار فوج اریاط نامی ایک جنرل کی قیادت میں یمن پر حملہ آور ہوئی، ذونواس مارا گیا۔ یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یمن حبش کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ (تفہیم القرآن، ج ٦ البروج حاشیہ: ۴)

﴿۴﴾ ذَكَرَ مُحَمَّدُبْنُ اِسْحَاقَ فِي السِّيْرَةِ، اِنَّ الَّذِيْ قَتَلَ اَصْحَابَ الْاُخْدُوْدِ، هُوَذُوْنُوَاسٍ وَاِسْمُهٗ زُرْعَةُ وَيُسَمّٰى فِيْ زَمَانِ مَمْلَكَتِهٖ بِيُوْسُفَ وَهُوَبْنُ ثَنَا۔ اَسْعَدُ اَبِيْ كُرَيْبٍ وَهُوَتُبَّعٌ الَّذِيْ غَزَّالْمَدِيْنَةَ وَكَسَى الْكَعْبَةَ وَاسْتَصْحَبَ مَعَهٗ حِبْرَيْنِ مِنْ يَهُوْدِ الْمَدِيْنَةِ فَكَانَ تَهَوَّدَ مَنْ تَهَوَّدَ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ عَلٰى يَدَيْهِمَا كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ اِسْحَاقَ مَبْسُوْطًا۔ فَقَتَلَ ذُوْنُوَاسٍ فِيْ غَدَاةٍ وَاحِدَةٍ فِي الْاُخْدُوْدِ عِشْرِيْنَ اَلْفًا وَلَمْ يَنْجُ مِنْهُمْ سِوٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُقَالُ لَهٗ دَوْسٌ ذُوْتَغْلَبَان ذَهَبَ فَارِسًا وَطَرَدُوْا وَرَآءَهٗ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ فَذَهَبَ اِلٰى قَيْصَرَ مَلِكِ الشَّامِ فَكَتَبَ اِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ فَاَرْسَلَ مَعَهٗ جَيْشاً مِنْ نَصَارَى الْحَبَشَةِ يَقْدُمُهُمْ اَرْبَاط وَاَبْرَهَة فَاسْتَنْقَذُوا الْيَمَنَ مِنْ اَيْدِي الْيَهُوْدِ وَذَهَبَ ذُوْنُوَاسٍ هَارِبًا فَلَجَّجَ فِي الْبَحْرِفَغَرِقَ وَاسْتَمَرَّ مُلْكُ الْحَبَشَةِ فِيْ اَيْدِي النَّصَارٰى سَبْعِيْنَ سَنَةً ... (٤٣)

ترجمہ: محمد بن اسحاق نے اپنی ''سیرۃ'' میں بیان کیا ہے کہ جس آدمی نے اصحاب الاخدود کو قتل کیا تھا وہ ذونواس یعنی زرعہ نامی شخص تھا۔ اپنی بادشاہت میں یوسف کے نام سے موسوم تھا۔ ابن ثنا بھی اسے کہتے تھے۔ اسعد ابوکریب یعنی تبع جس نے اہل مدینہ کے ساتھ جنگ کی تھی اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ جاتے ہوئے مدینہ کے دو یہودی علماء اپنے ساتھ لے گیا۔ ان دونوں کے ذریعہ سے اہل یمن میں سے بہت سے لوگ یہودی بن گئے۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذونواس نے ایک ہی صبح میں بیس ہزار آدمیوں کو گڑھوں میں ڈال کر قتل کردیا۔ دوس ثعلبان کے سوا کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا مگر اسے پکڑ نہ سکے۔ اس کے بعد وہ ملک شام کے فرماں روا قیصر کے پاس پہنچا۔ اس نے حبش کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھا۔ اس نے حبشہ کے عیسائیوں کا ایک لشکر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر نے یمن کو یہودی قبضہ سے آزاد کرا لیا۔ ذونواس نے راہِ فرار اختیار کی اور سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں کود کر غرق ہو گیا۔ سلطنت حبشہ پر عیسائیوں کی ستر سال تک لگاتار حکومت رہی۔

قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرِبْنِ مُحَمَّدِبْنِ عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ، اَنَّهٗ حُدِّثَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ نَجْرَانَ كَانَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَفَرَخَرِبَةً مِّنْ خَرِبِ نَجْرَانَ

لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ فَوَجَدُوْا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الثَّامِرِ تَحْتَ دَفْنٍ مِنْهَا قَاعِدًا وَاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى ضَرْبَةٍ فِيْ رَأْسِهٖ مُمْسِكًا بِيَدِهٖ عَلَيْهَا فَاِذَا اُخِّرَتْ يَدُهٗ عَنْهَا تَنْبَعِثُ دَمًا وَاِذَا اُرْسِلَتْ يَدُهٗ رَدَّهَا عَلَيْهَا فَاَمْسَكَتْ دَمَهَا وَفِيْ يَدِهٖ خَاتَمٌ مَكْتُوْبٌ فِيْهِ رَبِّيَ اللّٰهُ فَكَتَبَ فِيْهِ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ يُخْبِرُ بِاَمْرِهٖ فَكَتَبَ اِلَيْهِمْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْ اَقِرُّوْهُ عَلٰى حَالِهٖ وَرُدُّوْا عَلَيْهِ الدَّفْنَ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ فَفَعَلُوْا۔ (۴۴)

ترجمہ: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم نے روایت بیان کی ہے کہ اہل نجران میں ایک آدمی تھا اس نے اپنی ضرورت کے لیے حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد خلافت میں نجران کے کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کی کھدائی کی تو ایک قبر میں سے عبداللہ بن ثامر کی لاش برآمد ہوئی جو اپنی قبر میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنا ہاتھ سر کے اس مقام پر رکھے ہوئے تھا جہاں زخم آیا تھا اس نے ہاتھ رکھ کر خون کو بہنے سے روک رکھا تھا۔ جوں ہی ہاتھ اس مقام سے ہٹایا جاتا خون بہہ پڑتا اور جیسے ہی ہاتھ واپس اسی مقام پر لوٹا دیا جاتا تو خون رک جاتا۔ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی جس پر رَبِّيَ اللّٰهُ منقش تھا۔ اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری طور پر دی گئی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے انھیں لکھا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور لاش کو اسی حالت میں دفن کر دو جس حالت میں وہ تھی چنانچہ لوگوں نے اسی طرح اسے دفن کر دیا۔

اللہ کا بندے سے معاملہ بندے کے گمان کے مطابق ہے

۲۰۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارا رب کہتا ہے۔ ''میں اس گمان کے ساتھ ہوں جو میرا بندہ مجھ سے رکھتا ہے۔''

تشریح: نبی ﷺ نے بڑے جامع اور مختصر الفاظ میں اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ ہر آدمی کا رویہ اس گمان کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے جو وہ اپنے رب کے متعلق قائم کرتا ہے۔ مومن صالح کا رویہ اس لیے درست ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے بارے میں صحیح گمان رکھتا ہے، اور کافر و منافق اور فاسق و ظالم کا رویہ اس لیے غلط ہوتا ہے کہ اپنے رب کے بارے میں اس کا گمان غلط ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ حاشیہ: ۲۷)

تخریج: (۱) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً۔ (۴۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''میں اس گمان کے ساتھ ہوں جو میرا بندہ مجھ سے رکھتا ہے۔ اور فرمایا کہ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے

اپنے جی میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں کے گروہ میں یاد کرتا ہے تو میں ان سے بہتر گروہ ملائکہ میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت برابر میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ کے برابر اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ قریب آتا ہے تو میں ایک گز آتا ہوں۔ اگر وہ تیز چل کر آتا ہے تو میں لپک کر آتا ہوں۔''

مسند کے الفاظ ہیں:

اَنَا عِندَظَنِّ عَبدِیْ بِیْ، اِنْ ظَنَّ بِیْ خَیرًا فَلَہٗ وَاِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَہٗ۔

ترمذی نے اس روایت کو کتاب الدعوات ص ۲۰۰ پر نقل کر کے آخر میں لکھا ہے۔ هذا حديث حسن صحيح ويروى عن الاعمش فى تفسير هذا الحديث۔

مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا يَعْنِیْ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ وَهٰكَذَا فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ هٰذَا الْحَدِيْثَ، قَالُوْا: اِنَّمَا مَعْنَاهُ، يَقُوْلُ اِذَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ الْعَبْدُ بِطَاعَتِیْ وَبِمَا اَمَرْتُ تُسَارِعُ اِلَيْهِ مَغْفِرَتِیْ وَرَحْمَتِیْ۔

ترجمہ: جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے، میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں یعنی بخشش اور رحمت سے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح یہی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ میری اطاعت اور تعمیل احکام کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میری بخشش اور رحمت اس کی طرف تیزی سے لپکتی ہے۔

اسلام میں بنیادی چیز عقیدۂ توحید ہے

۲۱۔ ایک مرتبہ حضورؐ سواری پر چلے جا رہے تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ آپؐ نے تین مرتبہ ٹھہر ٹھہر کر آواز دی۔ یا معاذ بن جبل! حضرت معاذ نے ہر مرتبہ عرض کیا ''لبّيك يا رسول الله وسعديك'' اس طرح تین مرتبہ پکار کر جب آپؐ نے مخاطب کو اچھی طرح اپنی جانب متوجہ کر لیا اور آپؐ کو یقین ہو گیا کہ جو بات آپؐ فرمانا چاہتے ہیں سننے والا اس کو خاص اہمیت کے ساتھ سنے گا، تب فرمایا۔ ''جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟'' انھوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا ''اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔'' تھوڑی دور آگے چل کر پھر آواز دی۔ ''یا معاذ بن جبل! انھوں نے عرض کیا ''لبّيك يا رسول الله وسعديك'' فرمایا ''پھر جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب کہ وہ ایسا کریں؟'' انھوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا ''ان کا حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔'' حضرت معاذ نے یہ سن کر پوچھا، ''کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت دے دوں؟'' فرمایا ''نہیں! ان کو بشارت نہ دو کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔''

تشریح: یعنی عام لوگ اس کی اسپرٹ کو نہ سمجھیں گے اور اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ محض زبانی کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے نجات لازم ہو جاتی ہے۔ (تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات...؟)

〈۱〉 حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ

مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: بَيْنَا اَنَا رَدِيْفُ النَّبِيِّ ﷺ، لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا اٰخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ: يَامُعَاذُ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَسَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَسَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُبْنُ جَبَلٍ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: هَلْ تَدْرِىْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ، ثُمَّ سَارَسَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُبْنُ جَبَلٍ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وسَعْدَيْكَ، قَالَ: هَلْ تَدْرِىْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْهُ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ۔ (۴۶)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی روایت:

〈۲〉 عَنْ اَنَسٍ، اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: يَامُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا، قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: اِذًا يَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَبِهَا مُعَاذٌ عِنْدَمَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔ (۴۷)

〈۳〉 عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ وَمُعَاذُبْنُ جَبَلٍ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ، فَقَالَ: يَامُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: يا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وسَعْدَيْكَ، قَالَ: يَا مُعَاذُ! قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وسَعْدَيْكَ، قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُخْبِرُ بِهَا فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: اِذًا يَتَّكِلُوْا، فَاَخْبَرَبِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔ (۴۸)

اس میں انّ محمدًا عبده ورسوله زیادہ ہے۔

۲۲۔ مَامِنْ عَبْدٍ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: ”جس بندے نے کہہ دیا کہ اللہ کے سوا کوئی خدانہیں اوراسی عقیدہ پر جان دی۔ وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔“

پس منظر: ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ یہ واپس ہوگئے۔ دوبارہ حاضر ہوئے تو اٹھ چکے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا: ”مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ کہ جس بندے نے کہہ دیا کہ اللہ کے سوا کوئی خدانہیں اوراسی عقیدہ پر جان دی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔“ انھوں نے پوچھاوَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ اس نے زنا کی ہو؟ اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ۔ انھوں نے پھر یہی پوچھا اور آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ انھوں نے سہ بارہ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا: وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِىْ ذَرٍّ۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ یعنی جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا وہ جنت میں داخل ہوا۔ یہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مراد پورا کلمہ ہی پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ہے، اگر چہ بظاہر کلمے کا ایک حصہ بیان فرمایا گیا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَیْنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ یَحْیٰ بْنِ یَعْمَرَ حَدَّثَہٗ، اَنَّ اَبَاالْاَسْوَدِ الدُّءَلِیَّ حَدَّثَہٗ، اَنَّ اَبَاذَرٍّ حَدَّثَہٗ، قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَھُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ اَتَیْتُہٗ وَقَدِاسْتَیْقَظَ، فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ قُلْتُ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ۔ وَکَانَ اَبُوْذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِھٰذا، قَالَ: وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ: ھٰذَا عِنْدَالْمَوْتِ اَوْقَبْلَہٗ اِذَا تَابَ وَنَدِمَ۔ وَقَالَ: لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ غُفِرَلَہٗ مَاکَانَ قَبْلُ۔ (۴۹)

۲۳۔ ایک اور موقعہ پر حضورؐ اپنے خاص صحابیوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ یکا یک آپ اٹھے اور تشریف لے گئے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ ڈھونڈ ھنے نکلے۔ سب سے پہلے جو صاحب گئے وہ حضرت ابو ہریرہؓ تھے۔ یہ سرکار کو تلاش کرتے ہوئے انصار کے ایک باغ پر پہنچے جس کا دروازہ تلاش کے باوجود نہ ملا۔ آخر ایک چھوٹی سی نہر کے رستے سے اندر پہنچے۔ دیکھا کہ حضورؐ تشریف فرما ہیں۔ حضورؐ نے پوچھا: کہ کیسے آئے؟ انھوں نے ماجرا عرض کیا۔ آپؐ نے اپنی دونوں جوتیاں اٹھا کر انھیں دے دیں اور فرمایا: ''انھیں لے جاؤ اور باغ کے پیچھے جو شخص ایسا ملے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دیتا ہو اور اس پر دل سے یقین رکھتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو۔'' یہ اس حکم کی تعمیل کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے۔ انھوں نے پوچھا: ''یہ جوتیاں کیسی ہیں۔'' انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی نعلین ہیں اور آپؐ نے مجھے ایسا اور ایسا کہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ان کے ایک زور کا دھپ رسید کیا اور کہا کہ واپس جاؤ۔ یہ گرتے پڑتے بھاگے اور جا کر حضورؐ سے سارا معاملہ بیان کیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے۔ آپؐ نے پوچھا کہ عمرؓ! ''کس چیز نے تم کو اس حرکت پر آمادہ کیا؟'' انھوں نے عرض کیا۔ ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کیا آپؐ نے ابو ہریرہؓ کو ایسا اور ایسا کہنے کے لیے بھیجا تھا؟'' حضورؐ نے فرمایا ''ہاں'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا ایسا نہ کیجیے۔ مجھے خوف ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے، انھیں عمل کے لیے چھوڑ دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا تو انھیں عمل کے لیے چھوڑ دو۔

(تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات...؟)

قرآن و حدیث کی رُو سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل، عملِ صالح نہیں ہے اور کوئی شخص جو ایمان نہ لایا ہو جنت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو رعایت کسی کافر کے لیے ممکن ہے وہ صرف یہ ہے کہ اگر وہ اخلاقی لحاظ سے برائیوں کا مرتکب نہ ہو بلکہ ایسے اعمال کرتا ہو جو اخلاق حسنہ کے مطابق ہوں تو اسے اتنی سخت سزا نہ دی جائے جتنی اس کافر کو ملے گی، جو کافر بھی ہو اور اخلاقی جرائم کا مرتکب بھی۔ لیکن کفر کی سزا سے وہ نہیں بچ سکتا۔ (مکاتیب حصہ اوّل: ۹۹)

تشریح: (مندرجہ بالا تینوں حدیثوں کے) مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے کامل الاسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ

تعلیمات قرآنی اور قوانین اسلامی سے نہ صرف خوب واقف بلکہ ان پر پورے عامل بھی ہیں۔ان کے سامنے حضورؐ نے جو کچھ فرمایا اس سے یہ اندیشہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی کہ وہ توحید کے سوا اسلام کے دوسرے اصولی عقائد اور حقوق وفرائض کو غیر ضروری سمجھ لیں گے۔اس لیے ان کو آپؐ نے یہ حقیقت بتادی کہ اسلام میں اصل اور بنیادی چیز عقیدۂ توحید ہے۔انبیاء کی آمد کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کو خدا کے سوا ہر ایک کی بندگی سے نکالیں اور صرف خدا کا بندہ بنائیں۔دنیا اور آخرت میں انسان کی فلاح وکامیابی کا انحصار بھی اسی پر ہے، کہ وہ غیر اللہ کی بندگی سے نکلے اور بس ایک خدا کا بندہ بن کر رہے۔یہ حقیقت جس نے سمجھ لی اور جس کے دل میں یہ بات خوب بیٹھ گئی کہ خدائے واحد کے سوا دنیا کی کسی چیز کو قطعاً کسی قسم کی الوہیت حاصل نہیں ہے۔اور صرف ایک خدا ہی ہے جس کی اطاعت،فرماں برداری،غلامی اور بندگی اس کو کرنی ہے۔وہ یقیناً اپنی زندگی میں سیدھا راستہ اختیار کرے گا اور ٹیڑھے راستوں سے بچ کر چلے گا۔اس کے مزاج میں راستی ہوگی،صداقت کو قبول کرے گا۔متقی اور پرہیزگار ہوگا۔تمام وہ حقوق ادا کرے گا جن کو خدا نے حق ٹھہرایا ہے۔اور تمام وہ فرائض بجالائے گا جن کو خدا نے فرض قرار دیا ہے۔لٰہذا یہی ایک چیز اس کو صحیح الخیال بھی بنائے گی اور طاہر الاخلاق اور صالح الاعمال بھی۔رہی یہ بات کہ بشری کمزوری کی بنا پر اس سے گناہ سرزد ہوجائے،تو خدا پر ایمان اسے مجبور کرے گا کہ اس گناہ سے توبہ کرے کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ ناممکن ہے کہ وہ گناہ اور بدکاری پر جما رہے۔ (تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات...؟)

مذکورہ بالا احادیث اور ان کی ہم معنی دوسری احادیث کا یہی مفہوم صحابہؓ کرام نے سمجھا تھا اور یہی ان کا حقیقی مفہوم تھا۔ان میں سے کسی نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ بس عقیدۂ توحید ہی کافی ہے اس کے بعد نہ رسالت کو ماننے کی ضرورت ہے،نہ کلام اللہ کو،اور نہ پاکیزگی اخلاق مطلوب ہے نہ صلاحیتِ اعمال۔ایسا غلط مفہوم وہ کس طرح سمجھ سکتے تھے جب کہ ان کو پوری طرح بتادیا گیا تھا کہ اسلام کیا ہے۔اور اس میں کن چیزوں کا اعتقاد،کن عبادات کی پابندی،کن حدود کی حفاظت،کن قوانین کی اطاعت اور کن طریقوں سے اجتناب ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے یہ تعلیم صرف کاملین کو دی اور عوام کے سامنے اس کو بیان کرنے سے منع فرمادیا۔معاذ بن جبل والی حدیث میں آپؐ نے اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرمادی ہے کہ عام لوگ اس کو سن کر غلط فہمی میں پڑجائیں گے۔حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث میں ایک شخص کو شبہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے شاید عوام تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی،خود حضرت عمرؓ کو بھی ایسا ہی شبہ ہوا تھا لیکن دراصل حضورؐ کا مقصد کامل الاسلام لوگوں کو بشارت دینا تھا۔چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا اندیشہ بیان کیا تو آپؐ نے ان کی رائے سے اتفاق فرمایا۔اسی طرح حضرت ابو ذرؓ والی حدیث میں بھی کوئی شخص یہ شبہ نہیں کرسکتا کہ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد مجرد زبانی قول ہے اس لیے کہ حضورؐ نے دوسرے مواقع پر تصریح فرمائی ہے کہ دخولِ جنت کے لیے توحید پر کامل ایمان کی ضرورت ہے۔کہیں مستیقناً بھا قلبہ فرمایا کہیں عَبۡدٌ غَیۡرُ شَاكٍّ فرمایا۔اور کہیں دوسرے الفاظ ارشاد فرمائے جو اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جن احادیث میں توحید کی اہمیت بیان کی گئی ہے ان کا خطاب دراصل ان لوگوں سے ہے جو تمام شرائط کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں،نہ کہ ان لوگوں سے جو مسلمان ہی نہ ہوں،پھر مسلمانوں کو بھی اعتقادِ توحید پر دخول جنت کی بشارت دینے سے یہ مراد نہیں کہ بس خدا کی وحدانیت مان لو،پھر جس قسم کی بدعقیدگی اور فسق وفجور اور بدعت ومعصیت میں چاہو مبتلا رہو۔بلکہ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمان کی کامیابی کا مدار سب سے بڑھ کر اعتقادِ

توحید کی صحت اور مضبوطی پر ہے۔ اس میں اگر خرابی آ گئی تو پھر کوئی چیز نافع نہیں ہو سکتی اور اگر یہ صحیح و مضبوط ہو تو آخری کامیابی حاصل ہو کر رہے گی۔ اسی جہت سے اس معنی کی احادیث اس آیت قرآنی سے مطابق ہوتی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ (حٰم السجدہ: ۳۰) (تفہیمات حصہ اوّل: کیا نجات...؟)

تخریج: حَدَّثَنِیۡ زُہَیۡرُبۡنُ حَرۡبٍ قَالَ: انا عُمَرُبۡنُ یُوۡنُسَ الۡحَنَفِیُّ قَالَ: نَا عِکۡرِمَۃُ بۡنُ عَمَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیۡ اَبُوۡکَثِیۡرٍ قَالَ: حَدَّثَنِیۡ اَبُوۡھُرَیۡرَۃَ قَالَ: کُنَّا، قُعُوۡدًا حَوۡلَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ معنا اَبُوۡبَکۡرٍ وَعُمَرُ فِیۡ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ مِنۡ بَیۡنِ اَظۡھُرِنَا فَاَبۡطَأَ عَلَیۡنَا فَخَشِیۡنَا اَنۡ یُّقۡتَطَعَ دُوۡنَنَا وَفَزِعۡنَا وَقُمۡنَا فَکُنۡتُ اَوَّلَ مَنۡ فَزِعَ فَخَرَجۡتُ اَبۡتَغِیۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی اَتَیۡتُ حَائِطًا لِلۡاَنۡصَارِیِّ لِبَنِیۡ النَّجَّارِ فَدُرۡتُ بِہٖ ھَلۡ اَجِدُ لَہٗ بَابًا فَلَمۡ اَجِدۡ فَاِذَا رَبِیۡعٌ یَدۡ خُلُ فِیۡ جَوۡفِ حَائِطٍ مِنۡ بِئۡرٍ خَارِجَۃٍ وَالرَّبِیۡعُ الۡجَدۡوَلُ فَاحۡتَفَزۡتُ فَدَخَلۡتُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ، فَقَالَ: اَبُوۡھُرَیۡرَۃَ! فَقُلۡتُ: نَعَمۡ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! قَالَ: مَاشَأۡنُکَ؟ قُلۡتُ کُنۡتَ بَیۡنَ اَظۡھُرِنَا فَقُمۡتَ، فَاَبۡطَأۡتَ عَلَیۡنَا فَخَشِیۡنَا اَنۡ تُقۡتَطَعَ دُوۡنَنَا، فَفَزِعۡنَا فَکُنۡتُ اَوَّلَ مَنۡ فَزِعَ فَاَتَیۡتُ ھٰذَا الۡحَائِطَ فَاحۡتَفَزۡتُ کَمَا یَحۡتَفِزُ الثَّعۡلَبُ وَھٰٓؤُلَآءِ النَّاسُ وَرَآئِیۡ۔ فَقَالَ: یَااَبَاھُرَیۡرَۃَ! وَاَعۡطَانِیۡ نَعۡلَیۡہِ، قَالَ: اذۡھَبۡ بِنَعۡلَیَّ ھَاتَیۡنِ فَمَنۡ لَقِیۡتَ مِنۡ وَرَآءِ ھٰذَا الۡحَائِطِ یَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسۡتَیۡقِنًا بِھَاقَلۡبُہٗ فَبَشِّرۡہُ بِالۡجَنَّۃِ فَکَانَ اَوَّلُ مَنۡ لَقِیۡتُ عُمَرُ، فَقَالَ: مَاھَاتَانِ النَّعۡلَانِ یَا اَبَاھُرَیۡرَۃَ؟ قُلۡتُ: ھَا تَیۡنِ نَعۡلَا رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ بَعَثَنِیۡ بِھِمَا مَنۡ لَقِیۡتُ یَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسۡتَیۡقِنًا بِھَاقَلۡبُہٗ بَشَّرۡتُہٗ بِالۡجَنَّۃِ، قَالَ: فَضَرَبَ عُمَرُ بِیَدِہٖ بَیۡنَ ثَدۡیَیَّ ضَرۡبَۃً فَخَرَرۡتُ لِاِسۡتِیۡ، فَقَالَ: اِرۡجِعۡ یَا اَبَا ھُرَیۡرَۃَ! فَرَجَعۡتُ اِلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَجۡھَشۡتُ بُکَآءً وَرَکِبَنِیۡ عُمَرُ فَاِذَا ھُوَ عَلٰی اَثَرِیۡ، فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: مَالَکَ یَا اَبَا ھُرَیۡرَۃَ؟ قُلۡتُ: لَقِیۡتُ عُمَرَ فَاَخۡبَرۡتُہٗ بِالَّذِیۡ بَعَثۡتَنِیۡ بِہٖ فَضَرَبَ بَیۡنَ ثَدۡیَیَّ ضَرۡبَۃً خَرَرۡتُ لِاِسۡتِیۡ، قَالَ: ارۡجِعۡ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ : یَا عُمَرُ! مَاحَمَلَکَ عَلٰی مَا فَعَلۡتَ؟ قَالَ: یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَاُمِّیۡ، اَبَعَثۡتَ اَبَاھُرَیۡرَۃَ بِنَعۡلَیۡکَ مَنۡ لَقِیَ یَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسۡتَیۡقِنًا بِھَا قَلۡبُہٗ بَشَّرَہُ بِالۡجَنَّۃِ؟ قَالَ: نَعَمۡ، قَالَ: فَلَا تَفۡعَلۡ فَاِنِّیۡ اَخۡشٰی اَنۡ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیۡھَا فَخَلِّھِمۡ یَعۡمَلُوۡنَ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: فَخَلِّھِمۡ۔ (۵۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری اس مجلس میں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ بھی موجود تھے۔ ہمارے درمیان میں سے رسول اللہ ﷺ یکا یک اٹھے اور باہر تشریف لے گئے۔ کافی دیر ہوگئی۔ آپؐ واپس تشریف نہ لائے تو ہمیں اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا آپؐ کو کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔ ہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے سب سے پہلا شخص میں تھا جو گھبرا کر آپؐ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ انصار کے قبیلہ بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچ

گیا۔اس باغ کے چاروں اطراف گھوما پھرا مگر اندر جانے کا راستہ نہ پاسکا اور نہ دروازے کا سراغ ملا۔اچانک ایک جدول پر نظر پڑی جو باہر کے ایک کنوئیں کی جانب سے اس باغ میں جاتی تھی۔لومڑی کی طرح سمٹ کر میں اس نالی کے ذریعہ اندر گھس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔آپؐ نے دریافت فرمایا، ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا جی حضورؐ! آپؐ نے فرمایا ''تمہارا کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! آپؐ ہمارے درمیان مجلس میں تشریف فرما تھے۔آپؐ کے اچانک باہر تشریف لے جانے پھر دیر تک واپس تشریف نہ لانے کی وجہ سے ہمیں اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آجائے۔ ہم سب گھبرا گئے۔سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا اور آپؐ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور اس باغ کی چاردیواری تک پہنچ گیا مگر داخلے کا کہیں راستہ یا دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔اتفاق سے ایک جدول باہر سے اندر جاتی نظر پڑی۔اس کے سوراخ میں لومڑی کی طرح سکڑ سمٹ کر اندر داخل ہوا اور آپؐ تک پہنچ گیا۔باقی حضرات سب میرے پیچھے ہیں۔آپؐ نے اپنی نعلین مبارک مجھے عنایت فرما کر ہدایت فرمائی کہ ''میری یہ جوتیاں لے کر باہر جاؤ۔سب سے پہلے جو شخص ایسا ملے جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور دل سے اس پر یقین بھی رکھتا ہو، تو اسے جنت کی خوش خبری سنادو۔ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں جوتیاں لے کر باغ سے باہر آیا تو سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ حضرت عمرؓ تھے۔انھوں نے میرے ہاتھ میں جوتیاں دیکھ کر دریافت کیا۔ابو ہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے بتایا کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کی جوتیاں ہیں۔ آپؐ نے یہ مجھے دے کر بھیجا ہے کہ سب سے پہلے جو شخص ملے اگر اس کا اس پر ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس پر اس کو قلبی اطمینان و یقین بھی ہو تو اسے جنت کی بشارت سنادوں۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ نے ایک دھپ میرے سینے پر رسید کیا جس سے میں پشت کے بل زمین پر جا گرا۔حضرت عمرؓ نے کہا جاؤ واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ میں اسی حالت میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور رونے والے کا سامنہ بنا کر گزری ہوئی داستان سنانے والا ہی تھا کہ حضرت عمرؓ بھی آپہنچے۔ نبی کریمؐ نے مجھ سے پوچھا۔ابو ہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا حضور والا آپ نے مجھے جو پیغام بشارت دے کر بھیجا تھا سب سے پہلی ملاقات عمرؓ سے ہوئی میں نے آپؐ کا ارشادِ گرامی ان کو سنایا تو عمرؓ نے سن کر میرے سینے پر ایک زور کی دھپ ماری کہ میں پشت کے بل زمین پر جا گرا اور مجھ سے کہا کہ واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''اے عمرؓ ایسا تم نے کیوں کیا؟'' انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ابو ہریرہؓ کو آپؐ نے اپنی نعلین مبارک عنایت فرما کر بھیجا تھا کہ جو سب سے پہلے ملے اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مستحق عبادت کوئی ذات نہیں، اس پر اسے قلبی ایقان بھی ہو، تو اسے جنت کا مژدہ سنادے۔آپؐ نے فرمایا ''ہاں میں نے اسے بھیجا تھا۔'' عمرؓ نے عرض کیا۔میرے ماں باپ آپؐ پر نثار ہوں ایسا نہ کیجیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں اور عمل سے کنارہ کش ہو جائیں گے، انھیں عمل کرنے دیجیے۔اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا اچھا انھیں چھوڑ دو کہ عمل کریں۔

کن حالات میں کلمۂ کفر کہنے کی رخصت ہے

۲۴۔ عمار بن یاسرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَرِكْتُ حَتّٰى سَبَبْتُكَ وَذَكَرْتُ اٰلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ۔ (حضور نے پوچھا) كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ (عرض کیا) مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ (حضور نے فرمایا) اِنْ عَادُوْا فَعُدْ۔

ترجمہ: (عمار بن یاسرؓ کو اتنی نا قابلِ برداشت اذیت دی گئی کہ آخر کار انھوں نے جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفّار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا) ''یارسول اللہ مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا۔'' حضورؐ نے پوچھا: ''اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو؟'' عرض کیا ''ایمان پر پوری طرح مطمئن۔'' اس پر حضورؐ نے فرمایا: ''اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی باتیں کہہ دینا۔''

(یہ واقعہ ان مسلمانوں میں سے ایک کا ہے جنھیں نا قابلِ برداشت اذیتیں دی گئیں)

تشریح: یہاں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا جن پر (کفار کی طرف) سے سخت مظالم توڑے جا رہے تھے اور نا قابل برداشت اذیتیں دے دے کر کلمۂ کفر پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہہ دینا چاہیے بلکہ یہ صرف رخصت ہے۔ اگر ایمان دل میں رکھتے ہوئے آدمی مجبوراً ایسا کہہ دے تو مواخذہ نہ ہوگا۔ ورنہ مقام عزیمت یہی ہے کہ خواہ آدمی کا جسم تکّا بوٹی کر ڈالا جائے بہر حال وہ کلمۂ حق ہی کا اعلان کرتا رہے۔

دونوں قسم کی نظیریں نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف خبّابؓ بن اَرتّ ہیں جن کو آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی چربی پگھلنے سے آگ بجھ گئی۔ مگر وہ سختی کے ساتھ ایمان پر جمے رہے۔ بلال حبشی ہیں جن کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا، پھر تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر گھسیٹا گیا مگر وہ احد احد ہی کہتے رہے۔ حبیب بن زید بن عاصمؓ ہیں جن کے بدن کا ایک ایک عضو مسیلمہ کذّاب کے حکم سے کاٹا جاتا تھا اور پھر مطالبہ کیا جاتا تھا کہ مسیلمہ کو نبی مان لیں مگر ہر مرتبہ وہ اس کے دعوائے رسالت کی شہادت دینے سے انکار کرتے تھے یہاں تک کہ اسی حالت میں کٹ کٹ کر انھوں نے جان دے دی۔ دوسری طرف مندرجہ بالا حدیث کی مثال عمار بن یاسر ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے دے کر شہید کر دیا گیا۔ (تفہیم القرآن، ج۲، سورہ النحل، حاشیہ:۱۰۹)

تخریج: ⟨۱⟩ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبْدِ الْاَعْلیٰ، قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ اَبِیْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: اَخَذَ الْمُشْرِكُوْنَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ فَعَذَّبُوْهُ حَتّٰى بَارَّاهُمْ فِیْ بَعْضِ مَا اَرَادُوْا فَشَكَا ذٰلِكَ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟ قَالَ: مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ۔ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: فَاِنْ عَادُوْا فَعُدْ۔ (۵۱)

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عمارؓ بن یاسر کو مشرکین مکہ نے پکڑ لیا اور انھیں اتنی نا قابل برداشت اذیت دی کہ انھوں نے جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کہہ دیا جو مشرکین کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو۔ عرض کیا ایمان پر پوری طرح مطمئن ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی بات کہہ دینا۔''

⟨۲⟩ اَنَّهٗ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ وَذَكَرَ اٰلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

مَا تُرِکْتُ حَتّٰی سَبَبْتُکَ وَذَکَرْتُ اٰلِهَتَهُمْ بِخَیْرٍ، قَالَ: کَیْفَ تَجِدُ قَلْبَکَ؟ قَالَ: مُطْمَئِنًّا بِالْاِیْمَانِ، فَقَالَ: اِنْ عَادُوْا، فَعُدْ۔ (۵۲)

﴿۳﴾ کَانَ بِلَالٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَأْبٰی عَلَیْهِمْ ذٰلِکَ وَهُمْ یَفْعَلُوْنَ بِهِ الْاَفَاعِیْلَ حَتّٰی اَنَّهُمْ لَیَضَعُوْا الصَّخْرَةَ الْعَظِیْمَةَ عَلٰی صَدْرِهٖ فِیْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَیَأْمُرُوْنَهٗ بِالشِّرْکِ بِاللّٰهِ فَیَأْبٰی عَلَیْهِمْ وَهُوَ یَقُوْلُ: اَحَدٌ اَحَدٌ وَیَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَوْ اَعْلَمُ کَلِمَةً هِیَ اَغْیَظُ لَکُمْ مِنْهَا لَقُلْتُهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ۔

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفّار کی باتیں ماننے سے انکار کرتے رہے۔ وہ انھیں ہر طرح کی اذیت پہنچاتے رہے تا آں کہ ان کے سینے پر شدید گرمی کے موسم میں بڑا بھاری پتھر رکھ کر کہتے کہ توحید کا انکار کرو اور اللہ کے ساتھ شرک کا اقرار کرو۔ مگر وہ نشۂ توحید میں سرشار احد احد پکارتے رہے، حضرت بلالؓ فرماتے تھے کہ اگر مجھے کوئی ایسا کلمہ معلوم ہو جائے جس کے ادا کرنے سے تمہارا غیظ وغضب اور بھڑ کے تو میں ضرور اسے اپنی زبان سے ادا کروں۔

﴿۴﴾ وَکَذٰلِکَ حَبِیْبُ بْنُ زَیْدِ الْاَنْصَارِیُّ لَمَّا قَالَ لَهٗ مُسَیْلَمَةُ الْکَذَّابُ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَیَقُوْلُ: نَعَمْ، فَیَقُوْلُ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَیَقُوْلُ: لَا اَسْمَعُ۔ فَلَمْ یَزَلْ یُقَطِّعُهٗ اِرْبًا اِرْبًا وَهُوَ ثَابِتٌ عَلٰی ذٰلِکَ۔ (۵۳)

ترجمہ: اسی طرح کا واقعہ حضرت حبیب بن زید الانصاری کا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے جب ان سے پوچھا کہ ''تم محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتے ہو'' تو انھوں نے کہا ''ہاں'' اس پر مسیلمہ نے پھر پوچھا ''مجھے رسول مانتے ہو؟'' تو انھوں نے فرمایا۔ ''میں سنتا نہیں ہوں، یا میں ایسی بات نہیں سن سکتا۔'' چنانچہ مسیلمہ ان کے بدن کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا (اس طرح کٹ کٹ کر اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کردی) اور وہ اس دردناک اذیت پر ثابت قدم رہے۔

صرف ایک کلمۂ توحید کا اقرار، عرب و عجم کی فرماں روائی

۲۵۔ اُرِیْدُ عَلٰی کَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ یَقُوْلُوْنَهَا تَدِیْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُؤَدِّیْ اِلَیْهِمْ بِهَا الْعَجَمُ الْجِزْیَةَ۔

ترجمہ: میں ان کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جسے اگر یہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان اور عجم ان کا باجگزار ہو جائے۔

حضورؐ کے اس ارشاد کو مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اَدْعُوْهُمْ اِلٰی اَنْ یَتَکَلَّمُوْا بِکَلِمَةٍ تَدِیْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَیَمْلِکُوْنَ بِهَا الْعَجَمَ۔

ترجمہ: میں انھیں ایک کلمہ کے قائل ہونے کی دعوت دیتا ہوں جس کے نتیجہ میں عرب ان کا تابع اور عجم ان کا باجگزار ہو جائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے ابوطالب کے بجائے قریش کے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُونِيهَا تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبُ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ۔

ترجمہ: ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہو جاؤ تو عرب وعجم کے فرماں روا ہو جاؤ گے۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَعْطَيْتُكُمْ كَلِمَةً تَكَلَّمْتُمْ بِهَا مَلَكْتُمْ بِهَا الْعَرَبَ وَدَانَتْ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ۔

ترجمہ: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں ایک کلمہ دے رہا ہوں اس کے قائل ہونے کی وجہ سے تم عرب کے فرماں روا اور عجم تمہارا زیرنگیں ہو جائے۔

ان لفظی اختلافات کے باوجود مدعا سب کا یکساں ہے۔ یعنی حضورؐ نے ان سے کہا کہ اگر میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کروں جسے قبول کر کے تم عرب وعجم کے مالک ہو جاؤ گے تو بتاؤ کہ یہ زیادہ بہتر ہے یا وہ جسے تم انصاف کی بات کہہ کر میرے سامنے پیش کر رہے ہو؟ تمہاری بھلائی اس کلمے کو مان لینے میں ہے یا اس میں کہ جس حالت میں تم پڑے ہو اسی میں تم کو پڑا رہنے دوں اور بس اپنی جگہ آپ ہی اپنے خدا کی عبادت کرتا رہوں؟

پس منظر: جب ابو طالب بیمار ہوئے اور قریش کے سرداروں نے محسوس کیا کہ اب یہ ان کا آخری وقت ہے تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چل کر شیخ سے بات کرنی چاہیے۔ وہ ہمارا اور اپنے بھتیجے کا جھگڑا چکا جائیں تو اچھا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا انتقال ہو جائے اور ان کے بعد ہم محمد ﷺ کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کریں اور عرب کے لوگ ہمیں طعنہ دیں کہ جب تک شیخ زندہ تھا، یہ لوگ اس کا لحاظ کرتے رہے، اب اس کے مرنے کے بعد ان لوگوں نے اس کے بھتیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور تقریباً ۲۵ سرداران قریش جن میں ابو جہل، ابو سفیان، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ اور شیبہ شامل تھے، ابو طالب کے پاس پہنچے۔ ان لوگوں نے پہلے تو حسب معمول نبی ﷺ کے خلاف اپنی شکایات بیان کیں، پھر کہا کہ ہم آپ کے سامنے ایک انصاف کی بات پیش کرنے آئے ہیں۔ آپ کا بھتیجا ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے دین پر چھوڑے دیتے ہیں۔ وہ جس معبود کی عبادت کرنا چاہے کرے، ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں۔ مگر وہ ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرے اور یہ کوشش نہ کرتا پھرے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اس شرط پر آپ ہم سے اس کی صلح کرا دیں۔ ابو طالب نے نبی ﷺ کو بلایا اور آپؐ سے کہا کہ بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ تم ایک منصفانہ بات پر ان سے اتفاق کر لو تا کہ تمہارا اور ان کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ پھر انھوں نے حضورؐ کو وہ بات بتائی جو سرداران قریش نے ان سے کہی تھی۔ نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ چچا جان، میں تو ان کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جسے اگر یہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان اور عجم ان کا باج گزار ہو جائے۔

یہ سن کر پہلے تو وہ لوگ سٹپٹا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر کیا کہہ کر ایسے مفید کلمے کو رد کر دیں۔ پھر کچھ سمجھ کر بولے، تم ایک کلمہ کہتے ہو ہم ایسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس پر وہ سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ باتیں کہتے ہوئے نکل گئے جو سورۃ (صٓ) کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ سارا واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح اوپر مذکور ہوا، مگر ان کی روایت کے مطابق یہ ابوطالب کے مرضِ وفات کا نہیں بلکہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضورؐ نے دعوتِ عام کی ابتدا کی تھی اور مکہ میں پے در پے یہ خبریں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں کہ آج فلاں آدمی مسلمان ہوا اور کل فلاں۔ اس وقت سرداران قریش یکے بعد دیگرے کئی وفد ابوطالب کے پاس لے کر پہنچے تھے تاکہ وہ محمد ﷺ کو اس تبلیغ سے روک دیں اور انہی وفود میں سے ایک وفد کے ساتھ یہ گفتگو ہوئی تھی۔

زمخشری، رازی، نیشاپوری اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وفد ابوطالب کے پاس اس وقت گیا تھا جب حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر سرداران قریش بوکھلا گئے تھے۔ لیکن کتب روایت میں سے کسی میں اس کا حوالہ ہمیں نہیں مل سکا ہے اور نہ ان مفسرین نے اپنے ماخذ کا حوالہ دیا ہے۔ تاہم اگر یہ صحیح ہو تو یہ ہے سمجھ میں آنے والی بات، اس لیے کہ کفار قریش پہلے ہی یہ دیکھ کر گھبرائے ہوئے تھے کہ اسلام کی دعوت لے کر ان کے درمیان سے ایک ایسا شخص اٹھا ہے جو اپنی شرافت اور بے داغ سیرت اور دانائی و سنجیدگی کے اعتبار سے ساری قوم میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور پھر اس کا دست راست ابوبکرؓ جیسا آدمی ہے جسے مکے اور اس کے اطراف کا بچہ بچہ ایک نہایت شریف، راستباز اور ذکی انسان کی حیثیت سے جانتا ہے۔ اب جو انھوں نے دیکھا ہوگا کہ عمرؓ بن خطاب جیسا جری اور صاحب عزم آدمی بھی ان دونوں سے جاملا ہے تو یقیناً انھیں محسوس ہوا ہوگا کہ خطرہ حد برداشت سے گزرتا جارہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، سورۂ ص۔ تاریخی پس منظر)

تخریج: قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ: فَحَدَّثَنِی الْعَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَعْبَدٍ (بن عباس) عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَشَوْا اِلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَکَلَّمُوْہُ وَھُمْ اَشْرَافُ قَوْمِہٖ: عُتْبَةُ بْنُ رَبِیْعَةَ، وَشَیْبَةُ بْنُ رَبِیْعَةَ، وَاَبُوْجَھْلِ ابْنِ ھِشَامٍ، وَاُمَیَّةُ بْنُ خَلَفٍ وَاَبُوْسُفْیَانُ ابْنُ حَرْبٍ فِیْ رِجَالٍ مِنْ اَشْرَافِھِمْ، فَقَالُوْا: یَا اَبَاطَالِبٍ! اِنَّكَ مِنَّا حَیْثُ قَدْ عَلِمْتَ وَقَدْ حَضَرَكَ مَاتَرٰی وَتَخَوَّفْنَا عَلَیْكَ وَقَدْعَلِمْتَ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ بْنِ اَخِیْكَ۔ فَادْعُهٗ فَخُذْلَهٗ مِنَّا وَخُذْلَنَا مِنْهُ لِیَکُفَّ عَنَّا وَنَکُفَّ عَنْهُ وَلْیَدَعْنَا وَدِیْنَنَا وَنَدَعُهٗ وَدِیْنَهٗ۔ فَبَعَثَ اِلَیْهِ اَبُوْطَالِبٍ فَجَآءَهٗ۔ فَقَالَ: یَاابْنَ اَخِیْ! ھٰؤُلَآءِ اَشْرَافُ قَوْمِكَ قَدِاجْتَمَعُوْا لَكَ لِیُعْطُوْكَ، وَلْیَاخُذُوْا مِنْكَ، قَالَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ! کَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُوْنِیْھَاتَمْلِکُوْنَ بِھَا الْعَرَبَ وَتَدِیْنُ لَکُمْ بِھَا الْعَجَمُ، قَالَ: فَقَالَ اَبُوْجَھْلٍ: نَعَمْ وَاَبِیْكَ وَعَشْرُ کَلِمَاتٍ۔ قَالَ: تَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتَخْلَعُوْنَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ، قَالَ: فَصَفَّقُوْا بِاَیْدِیْھِمْ، ثُمَّ قَالُوْا: اَتُرِیْدُ یا مُحَمَّدُ! اَنْ تَجْعَلَ الْاٰلِھَةَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۔ اِنَّ اَمْرَكَ لَعَجَبٌ ۔۔۔۔ (۵۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اشراف قریش عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب وغیرہ اپنے دیگر قریشی معززین کے ہمراہ ابوطالب کے پاس گئے اور نبی ﷺ کے متعلق گفتگو کی۔ کہنے لگے اے ابوطالب! آپ کا جو مقام و مرتبہ اور حیثیت ہماری نظروں میں ہے اسے آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آپ کی جو حالت اس وقت ہے اس سے ہمیں آپ کے بارے میں اندیشہ لاحق ہے۔ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو نزاع برپا

ہے، وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ آپ اسے بلائیں اور کچھ لے اور کچھ دے کے اصول پر ہمارے درمیان تصفیہ کرادیں۔ تاکہ ہم ایک دوسرے سے رک جائیں۔ وہ ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے۔ ہم اسے اس کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر ابوطالب نے آپ کو بلا بھیجا۔ چنانچہ آپؐ تشریف لے آئے۔ ابوطالب نے آپؐ سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''بھتیجے! یہ تیری قوم کے اشراف ومعززین اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ وہ تمہیں کچھ دیں اور تم سے کچھ لیں یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر مصالحت چاہتے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''صرف ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہوجاؤ تو عرب کے فرماں روا بن سکتے ہو اور عجم تمہارا مطیع وفرماں بردار بن جائے گا۔'' اس پر ابوجہل جھٹ بولا۔ ہاں، تمہارے باپ کی قسم ایسے دس کلمے پیش کروگے (تو بھی ہم ماننے کے لیے تیار ہیں)۔ آپؐ نے فرمایا ''تو پھر تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرو اور اس کے ماسوا سب معبودان باطل کا قلادہ گلے سے اتار پھینکو۔ یہ سن کر انھوں نے حیرت کے عالم میں اپنے ہاتھوں پر ہاتھ مارے اور کہنے لگے۔ ''اے محمدؐ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سب معبودوں کا ایک معبود بنادو۔ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے۔''

〈۲〉 حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُبْنُ الْحُسَیْنِ، قَالَ : ثَنَا اَحْمَدُبْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: ثَنَا اَسْبَاطٌ عَنِ السُّدِّیِّ، اَنَّ اُنَاسًا مِّنْ قُرَیْشٍ اجْتَمَعُوْا فِیْهِمْ اَبُوْ جَهْلِ بْنُ هِشَامٍ وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَالْاَسْوَدُبْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُبْنُ عَبْدِ یَغُوْثَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ مَشْیَخَةِ قُرَیْشٍ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اِنْطَلِقُوْا بِنَااِلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَلْنُكَلِّمْهُ فِیْهِ فَلْیَنْصِفْنَامِنْهُ فَیَاْمُرْهُ فَلْیَكُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِنَا وَنَدَعُهٗ وَاِلٰهَهُ الَّذِیْ یَعْبُدُ فَاِنَّا نَخَافُ اَنْ یَمُوْتَ هٰذَا الشَّیْخُ فَیَكُوْنُ مِنَّا شَیْئٌ فَتُعَیِّرُنَا الْعَرَبُ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَكُوْهُ حَتّٰی اِذَا مَاتَ عَمُّهٗ، تَنَاوَلُوْهُ۔ قَالَ: فَبَعَثُوْا رَجُلًا مِنْهُمْ یُدْعَی الْمُطَّلِبُ فَاسْتَاْذَنَ لَهُمْ عَلٰی اَبِیْ طَالِبٍ، فَقَالَ: هٰؤُلَاءِ مَشْیَخَةُ قَوْمِكَ وَسَرَوَاتُهُمْ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ عَلَیْكَ، قَالَ: اَدْخِلْهُمْ، فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ، قَالُوْا: یَااَبَاطَالِبٍ! اَنْتَ كَبِیْرُنَا وَسَیِّدُنَا فَاَنْصِفْنَا مِنِ ابْنِ اَخِیْكَ فَمُرْهُ فَلْیَكُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِنَا وَنَدَعُهٗ وَاِلٰهَهٗ، قَالَ: فَبَعَثَ اِلَیْهِ اَبُوْطَالِبٍ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: یَابْنَ أَخِیْ! هٰؤُلَاءِ مَشْیَخَةُ قَوْمِكَ وَ سَرَوَاتُهُمْ وَقَدْ سَاَلُوْكَ النِّصْفَ اَنْ تَكُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِهِمْ وَیَدَعُوْكَ وَاِلٰهَكَ۔ فَقَالَ: اَیْ عَمِّ! اَوَلَا اَدْعُوْهُمْ اِلٰی مَا هُوَ خَیْرٌ لَهُمْ مِنْهَا؟ قَالَ: وَاِلَامَ تَدْعُوْهُمْ؟ قَالَ: اَدْعُوْهُمْ اِلٰی اَنْ یَتَكَلَّمُوْا بِكَلِمَةٍ تَدِیْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَیَمْلِكُوْنَ بِهَا الْعَجَمَ... ۔ (۵۵)

ترجمہ: حضرت سدّی سے منقول ہے کہ قریش کے کچھ لوگ جن میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث وغیرہ تھے یہ سردارانِ قریش کے ساتھ جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض، بعض سے کہنے لگے کہ ہمیں ابوطالب کے پاس لے چلو تاکہ اس کے بارے میں ہم ان سے بات چیت کرلیں اور وہ ہماری اس سے نصف نصف (یعنی کچھ لے دے کے اصول) پر مصالحت کرادیں، ابوطالب اسے حکم دیں کہ وہ ہمارے خداؤں کو سبّ وشتم کرنے سے باز آجائے ہم اسے اور اس کے الٰہ کو جسے وہ پوجتا ہے چھوڑ دیں گے۔ ہمیں ڈر ہے کہ شیخ کے مرنے کے بعد ہماری جانب سے اسے کوئی گزند پہنچ گیا تو اہل عرب ہمیں عار دلائیں گے کہ جب تک شیخ زندہ رہا اس وقت تک تو اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھا جونہی شیخ نے آنکھیں

بند کیس اس کے بھتیجے پر ہاتھ ڈال دیا۔ (یہ سوچ کر) انھوں نے مطلب نامی ایک شخص کو ابوطالب کے پاس بھیجا کہ جا کر ابوطالب سے کہے کہ آپ کی قوم کے معززین وسردار آ رہے ہیں وہ آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت کے طلب گار ہیں۔ ابوطالب نے اس سے کہا ''انھیں اندر لے آؤ۔'' چنانچہ جب وہ ابوطالب کے پاس آئے تو کہنے لگے۔ ''اے ابوطالب آپ ہمارے بزرگ ہیں، ہمارے سردار ہیں، اپنے بھتیجے سے ہمیں انصاف دلائیں، اسے کہیں کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا نہ کہے۔ ہم اسے اور اس کے الہٰ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔'' ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا آپ تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا۔ بھتیجے یہ تیری اپنی قوم کے مشائخ اور سردار تشریف لائے ہیں تم سے انصاف کی استدعا کرتے ہیں یہ کہ تم ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو یہ تمہیں اور تمہارے الہٰ کو تمہارے حال پر چھوڑتے ہیں۔'' آپؐ نے یہ سن کر فرمایا۔ چچا جان کیا میں انھیں ایسی بات کی دعوت نہ دوں جو اس سے بہتر ہے۔'' پوچھا کس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو؟ فرمایا: میں انھیں ایک ایسے کلمہ کا اقرار کرنے کو کہتا ہوں جس کی وجہ سے سارا عرب ان کے زیرنگین ہوگا اور سارے عجم کے یہ فرماں روا ہوں گے۔''

〈۳〉 حَدَّثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: ثَنَا يَزِيْدُ، قَالَ : ثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ لَهُمْ: اَسْأَلُكُمْ اَنْ تُجِيْبُوْنِي اِلٰى وَاحِدَةٍ تَدِيْنُ لَكُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُعْطِيْكُمْ بِهَا الْخَرَاجَ الْعَجَمُ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے ایک بات کے تسلیم کرنے کا سوال کرتا ہوں پھر سارا عرب تمہارا زیرنگیں ہو جائے گا اور عجم تمہیں خراج ادا کرے گا۔

〈۴〉 حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَابْنُ وَكِيْعٍ، قَالَا: ثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ، قَالَ: ثَنَا الْاَعْمَشُ، قَالَ: ثَنَا عَبَّادٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا مَرِضَ اَبُوْ طَالِبٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَهْطٌ مِنْ قُرَيْشٍ۔ وَتَكَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا عَمِّ اِنِّيْ اُرِيْدُهُمْ عَلٰى كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ يَقُوْلُوْنَهَا۔ تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُؤَدِّيْ اِلَيْهِمْ بِهَا الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ، فَفَزِعُوْا لِكَلِمَتِهِ وَلِقَوْلِهِ۔ فَقَالَ الْقَوْمُ: كَلِمَةً وَاحِدَةً! نَعَمْ، وَاَبِيْكَ عَشْرًا ...۔ (٥٦)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! میں ان کے سامنے ایک کلمہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اسے یہ لوگ مان لیں تو سارا عرب ان کا مطیع اور عجم ان کا باجگزار ہو جائے گا۔'' یہ لوگ اس بات سے ششدر رہ گئے اور بولے صرف ایک کلمہ، ہاں! تمہارے باپ کی قسم ایسے دسیوں کلمے (ہوں تو بھی ہم ماننے کو تیار ہیں)۔

〈۵〉 حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ الْمَعْنىٰ وَاحِدٌ، قَالَا: نَا اَبُوْ اَحْمَدَ، نا سُفْيَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ ، عن يَحْيٰ، قَالَ: عَبْدٌ هُوَ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرِضَ اَبُوْ طَالِبٍ فَجَاءَتْهُ قُرَيْشٌ وَجَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَ اَبِيْ طَالِبٍ مَجْلِسُ رَجُلٍ۔ فَقَامَ اَبُوْ جَهْلٍ كَيْ يَمْنَعَهُ، قَالَ: وَشَكَوْهُ اِلٰى اَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ: يَا ابْنَ اَخِيْ! مَا تُرِيْدُ مِنْ قَوْمِكَ؟ فَقَالَ: اُرِيْدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً، تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُؤَدِّيْ اِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ، قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً!

قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً۔ فَقَالَ: يَاعَمِّ! قُوْلُوا، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ فَقَالُوْا: اِلٰهًاوَاحِدًا! مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِى الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ، اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ... (۵۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب بیمار ہوگئے، تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی ﷺ بھی ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، ابوجہل کھڑا ہوا، تاکہ آپ کو روکے اور انھوں نے ابوطالب سے آپ کا شکوہ کیا۔ ابوطالب نے پوچھا۔ بھتیجے! اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا ''میں ان سے فقط ایک کلمہ چاہتا ہوں۔ جس کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہوگا اور اہل عجم انھیں جزیہ ادا کریں گے۔'' انھوں نے پوچھا، صرف ایک کلمہ! فرمایا: ''چچا جان! یہ لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرلیں۔'' بولے صرف ایک الٰہ؟ یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی۔ بس یہ تو ایک من گھڑت بات ہے۔

〈۲〉 اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُبْنُ عُمَرَ الْاَسْلَمِىُّ، قَالَ: حَدَّثَنِى مُحَمَّدُبْنُ لُوْطٍ النَّوْفَلِىُّ عَنْ عَوْنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، قَالَ: وَحَدَّثَنِى عَائِذُبْنُ يَحْىٰ، عَنْ اَبِى الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: وَحَدَّثَنِى مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَخِى الزُّهْرِىِّ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرِ الْعُذْرِىِّ۔ دَخَلَ حَدِيْثُ بَعْضِهِمْ فِىْ حَدِيْثِ بَعْضٍ، قَالُوْا: لَمَّا رَاَتْ قُرَيْشٌ ظُهُوْرَالْاِسْلَامِ وَجُلُوسَ الْمُسْلِمِيْنَ حَوْلَ الْكَعْبَةِ، سُقِطَ فِىْ اَيْدِيْهِمْ۔ فَمَشَوْا اِلٰى اَبِىْ طَالِبٍ حَتّٰى دَخَلُوْا عَلَيْهِ، فَقَالُوا:اَنْتَ سَيِّدُنَا وَاَفْضَلُنَا فِىْ اَنْفُسِنَا وَقَدْ رَاَيْتَ هٰذَا الَّذِىْ فَعَلَ هٰؤُلَاۤءِ السُّفَهَاۤءُ مَعَ ابْنِ اَخِيْكَ مِنْ تَرْكِهِمْ اٰلِهَتِنَا وَطَعْنِهِمْ عَلَيْنَا وَ تَسْفِيْهِهِمْ اَحْلَامَنَا، وَجَاءُ وَابِعُمَارَةَ ابْنِ الْوَلِيْدِ ابْنِ الْمُغِيْرَةِ، فَقَالُوْا: قَدْجِئْنَاكَ بِفَتٰى قُرَيْشٍ جَمَالًا وَنَسَبًا وَنَهَا دَةً وَشِعْرًا نَدْفَعُهٗ اِلَيْكَ فَيَكُوْنُ لَكَ نَصْرُهٗ وَمِيْرَاثُهٗ وَتَدْفَعُ اِلَيْنَا ابْنَ اَخِيْكَ لِنَقْتُلَهٗ، فَاِنَّ ذٰلِكَ اَجْمَعُ لِلْعَشِيْرَةِ وَاَفْضَلُ فِىْ عَوَاقِبِ الْاُمُوْرِمَغَبَّةً۔ قَالَ اَبُوطَالِبٍ: وَاللّٰهِ مَا اَنْصَفْتُمُوْنِىْ، تُعْطُوْنَنِىْ اِبْنَكُمْ اَغْذُوْهُ لَكُمْ وَاُعْطِيْكُمْ ابْنَ اَخِىْ تَقْتُلُوْنَهٗ؟ مَا هٰذَا بِالنَّصَفِ؟ تَسُوْمُوْنَنِىْ سَوْمَ الْعَزِيْزِ الذَّلِيْلِ! قَالُوْا: فَاَرْسِلْ اِلَيْهِ فَلْنُعْطِهِ النَّصَفَ، فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ اَبُوْطَالِبٍ، فَجَاۤءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا ابْنَ اَخِىْ! هٰؤُلَاۤءِ عُمُوْمَتُكَ وَاَشْرَافُ قَوْمِكَ وَقَدْ اَرَادُوْا اَيْنُصِفُوْنَكَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قُوْلُوْا اَسْمَعُ، قَالُوْا: تَدَعُنَا وَاٰلِهَتَنَا، وَنَدَعُكَ وَاٰلِهَكَ۔ قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ: قَدْ اَنْصَفَكَ الْقَوْمُ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَعْطَيْتُكُمْ هٰذِهِ هَلْ اَنْتُمْ مُعْطِىَّ كَلِمَةً اِنْ اَنْتُمْ تَكَلَّمْتُمْ بِهَا مَلَكْتُمْ بِهَا الْعَرَبَ وَدَانَتْ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ۔ فَقَالَ اَبُوْجَهْلٍ: اِنَّ هٰذِهِ لَكَلِمَةٌ مُرْبِحَةٌ، نَعَمْ! وَاَبِيْكَ لَنَقُوْلَنَّهَا وَعَشْرَاَمْثَالِهَا، قَالَ: قُوْلُوْا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَاشْمَأَزُّوْا وَنَفَرُوْا مِنْهَا وَغَضِبُوْا وَقَامُوْا وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِصْبِرُوْا عَلٰى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْئٌ يُّرَادُ... (۵۸)

ترجمہ: عبداللہ بن ثعلبہ سے مروی ہے جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا غلبہ روز افزوں ہے اور مسلمان خانہ کعبہ کے ارد گرد بیٹھنا شروع ہو گئے تو سخت بوکھلا گئے اور اٹھ کر ابو طالب کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ابو طالب کے پاس پہنچ کر کہنے لگے، آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان بے وقوفوں نے آپ کے بھتیجے کے ساتھ ہو کر کیا کچھ کیا ہے۔ ہمارے معبودوں کو ترک کرنا اور ہم پر طعنہ زنی کرنا اور ہمارے عقلاء کو احمق کہنا وغیرہ۔

یہ وفد عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو اپنے ہمراہ لے کر آیا تھا۔ بولے ہم آپ کی خدمت گاری کے لیے قریش کے ایک خوبرو، عمدہ حسب نسب کے مالک، نہایت اچھے شاعر کو لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ اسے ہم آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ آپ کی مدد کرے۔ آپ اس کی میراث کے بھی حقدار ہوں۔ آپ اس کے بدلہ میں اپنا بھتیجا ہمارے سپرد کر دیں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ بلاشبہ یہ قبیلے کے لیے بھی مفید رہے گا اور مستقبل کے امور کے انجام کے لیے بھی بہترین رہے گا۔

ابو طالب نے کہا بخدا تم نے میرے ساتھ کیا خوب انصاف کیا ہے، کہ تم تو اپنا آدمی مجھے اس لیے دو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور تمہیں اپنا بھتیجا قتل کرنے کے لیے دے دوں۔ یہ انصاف ہرگز نہیں ہے۔ تم مجھ سے ذلت آمیز سودا بازی کرنا چاہتے ہو؟

بولے، اچھا آپ اسے بلائیں ہم اس سے مساویانہ پیمانہ پر بات چیت کرنا چاہیں گے۔ ابو طالب نے آپؐ کو بلا بھیجا۔ آپؐ تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا بھتیجے! یہ تیرے چچا اور تیری قوم کے سربرآوردہ حضرات آئے ہیں۔ تیرے ساتھ مساویانہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: کہو! میں سنتا ہوں، انھوں نے کہا کہ تم ہمیں اور ہمارے اٰلہہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو، ہم تمہیں اور تمہارے الٰہ کو تمہارے حال پر چھوڑتے ہیں۔

ابو طالب نے کہا: ''تیری قوم کے ان اشراف نے بڑی منصفانہ پیش کش کی ہے اسے قبول کر لو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو! اگر میں تمہیں ایک ایسا کلمہ پیش کروں کہ اگر تم اس کا اقرار کر لو تو سارے عرب کے تم فرماں روا بن جاؤ گے اور عجم تمہارے زیر نگیں ہو جائے گا۔''

ابو جہل بولا۔ ''بہت نفع بخش اور سود مند بات ہے۔ ہم اسے ضرور مان لیں گے بلکہ ایسی دس باتیں اور بھی ہوں تو انھیں بھی تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں۔''

فرمایا ''(تو پھر) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرو۔'' یہ سن کر وہ لوگ غیظ وغضب کی حالت میں اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ اپنے معبودوں کی (عبادت) پر ڈٹے اور جمے رہو یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے) بھاگ کھڑے ہوئے۔

۲۶۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لوگوں سے فرمایا کہ ''ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہو جاؤ تو عرب وعجم کے فرماں روا ہو جاؤ گے۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت ہی میں نہیں اس دنیا میں بھی قوموں کی قسمتوں کا اتار چڑھاؤ اخلاقی بنیادوں ہی پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عالم پر جو فرماں روائی کر رہا ہے وہ اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے نہ کہ ان طبعی اصولوں پر جو اخلاقی خیر و شر کے امتیاز سے خالی ہوں۔ یہ بات کئی مقامات پر قرآن میں فرمائی گئی ہے کہ جب ایک قوم کے پاس نبی کے ذریعہ سے خدا

کا پیغام پہنچتا ہے تو اس کی قسمت اس پیغام کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اگر رد کر دیتی ہے تو اسے تباہ کر ڈالا جاتا ہے۔ یہ گویا ایک ''دفعہ'' ہے اس اخلاقی قانون کی جس پر اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے۔ اسی طرح اس قانون کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو قوم دنیا کی خوشحالی سے فریب کھا کر ظلم و معصیت کی راہوں پر چل نکلتی ہے اس کا انجام بربادی ہے۔ لیکن عین اس وقت جب کہ وہ اپنے اس برے انجام کی طرف بگٹٹ چلی جا رہی ہو۔ اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور نافرمانی چھوڑ کر خدا کی بندگی کی طرف پلٹ آئے تو اس کی قسمت بدل جاتی ہے، اس کی مہلت عمل میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور مستقبل میں اس کے لیے عذاب کے بجائے انعام، ترقی اور سرفرازی کا فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ہود۔ حاشیہ: ۵۷)

کیا راستبازی اور خدا ترسی سے دنیا بگڑ جاتی ہے

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ (النحل آیت: ۹۷)

ترجمہ: جو شخص بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔

اس سے لوگوں کی اس عام غلط فہمی کو دور کرنا مقصود ہے جو شیطان نے ہر نادان دنیا پرست آدمی کے کان میں پھونک رکھی ہے کہ، خدا ترسی اور راست بازی اور احساس ذمہ داری کا طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت بنتی ہو، تو بنتی ہو، مگر دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے اور یہ کہ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں فاقہ مستی و خستہ حالی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ مگر یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ راہ راست کو اختیار کرنے سے صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا بھی بنے گی۔ آخرت کی طرح اس دنیا کی حقیقی عزت و کامیابی بھی ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے جو سچی خدا پرستی کے ساتھ صالح زندگی بسر کریں، جن کے اخلاق پاکیزہ ہوں، جن کے معاملات درست ہوں، جن پر ہر معاملے میں بھروسہ کیا جا سکے، جن سے ہر شخص بھلائی کا متوقع ہو اور جن سے کسی انسان کو یا کسی قوم کو شر کا اندیشہ نہ ہو۔ (تفہیم القرآن: ج ۲: ہود: حاشیہ: ۳)

یہ رحمت الٰہی صرف مسلمانوں کو ہی عطا نہیں ہوئی بلکہ بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تقریر نقل کی گئی ہے جس میں انھوں نے بنی اسرائیل کو بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرو گے تو کس کس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر نافرمانیاں کرو گے تو کس طرح بلائیں اور مصیبتیں اور تباہیاں ہر طرف سے تم پر ہجوم کریں گی۔
(تفہیم القرآن: ج ۱: المائدہ: حاشیہ: ۹۶)

یہ بات قرآن میں (بھی) متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ خدا سے بغاوت کی روش صرف آخرت ہی میں نہیں، دنیا میں بھی انسان کی زندگی کو تنگ کر دیتی ہے، اور اس کے برعکس اگر کوئی قوم نافرمانی کے بجائے ایمان و تقویٰ اور احکام الٰہی کی اطاعت کا طریقہ اختیار کر لے تو یہ آخرت ہی میں نافع نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی اس پر نعمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے ''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔'' (آیت: ۱۲۴)۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا ہے ''اور اگر ان اہل کتاب نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری

کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا (آیت:۶۶)۔ سورۂ اعراف میں فرمایا ''اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے'' (آیت:۹۶)۔ سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کر کے فرمایا ''اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف پلٹو، وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔'' (آیت:۵۲)۔ خود نبی ﷺ کے ذریعہ سے بھی اسی سورۂ ہود میں اہل مکہ کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی گئی ''اور یہ کہ اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، تو وہ ایک مقرر وقت تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا (آیت:۳)۔

سورۂ نوح آیات (۹ تا ۱۲) میں بھی اسی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔

(چنانچہ) ایک مرتبہ قحط کے موقع پر حضرت عمرؓ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے اور صرف استغفار پر اکتفا فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا، امیر المومنین! آپ نے بارش کے لیے دعا تو کی ہی نہیں۔ فرمایا ''میں نے آسمان کے ان دروازوں کو کھٹکھٹا دیا ہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے، اور پھر سورۂ نوح کی آیات (۹ تا ۱۲) لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں۔ (ابن جریر و ابن کثیر)

تخریج: حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلیٰ، قَالَ: اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِیِّ، قَالَ: خَرَجَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ یَسْتَسْقِیْ، فَمَا زَادَ عَلَی الْاِسْتِغْفَارِ ثُمَّ رَجَعَ۔ فَقَالُوْا: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! مَارَأَیْنَاكَ اسْتَسْقَیْتَ۔ فَقَالَ: لَقَدْ طَلَبْتُ الْمَطَرَ بِمَجَادِیْحِ السَّمَآءِ الَّتِیْ یُسْتَنْزَلُ بِهَاالْمَطَرُ، ثُمَّ قَرَأَ: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَقَرَأَالایة التی فی سورة هود حتّٰی بَلَغَ وَیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلیٰ قُوَّتِكُمْ۔ (۵۹)

ابن کثیر نے انه صعد المنبر نقل کیا ہے، یعنی انھوں نے منبر پر چڑھ کر بارانِ رحمت کے لیے دعا مانگی اور طلبت المطر کی جگہ طلبت الغیث نقل کیا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی۔ انھوں نے کہا اللہ سے استغفار کرو۔ دوسرے شخص نے تنگ دستی کی شکایت کی۔ تیسرے نے کہا میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ چوتھے نے کہا میری زمین کی پیداوار کم ہورہی ہے۔ ہر ایک کو یہی جواب دیتے چلے گئے کہ استغفار کرو۔ لوگوں نے کہا، یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ سب کو مختلف شکایتوں کا ایک ہی علاج بتا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب میں سورہ نوح کی یہ آیات سنا دیں۔ (کشاف)

(تفہیم القرآن، ج۶، نوح حاشیہ:۱۲)

تخریج: وَعَنِ الْحسن، اَنَّ رَجُلًا شَكَاالَیْهِ الْجَدْبَ۔ فَقَالَ: اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ، وَشَكَاالَیْهِ آخرُ الْفقرَ وَآخرُ قِلَّةَ النَّسلِ و آخرقِلَّةَ رِبحِ اَرضِهٖ فَاَمَرَ هُمْ كُلَّهُمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ۔ (۶۰)

گردش لیل ونہار اور ایمان باللہ

سوال: بخاری شریف کی حدیث ہے۔ فَاللّٰهُ هُوَالدَّهْرُ۔ وَقَالَ اللّٰهُ: يَسُبُّ بَنُوْاٰدَمَ الدَّهْرَ، وَاَنَا الدَّهْرُ۔ مؤطا امام مالک: فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ وحدیث ترمذی: لو انكم دليتم بحبل الى الارض السفلى لهبط على اللّٰه۔

ان سے ظاہر ہے کہ دہر ہی بخاری صاحب وغیرہ کا معبود (الٰہ) ہے اوران کا (الٰہ) صرف دہر ہے۔ اب فرمایئے ان دہر کو اپنا معبود (الٰہ) ماننے والوں کی بابت آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ راغب اصفہانی کی سند زیرنظر رکھ کر جواب مرحمت کیا جائے۔

هَلِ الدَّهْرُ اِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا وَاِلَّا طُلُوْعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَابُهَا

جس کی رو سے تو نظام شمسی، کواکب، کرۂ ارض عناصر یہی دہر نیچر زمانہ ہیں جن کی بابت کفار دہریے کہا کرتے تھے۔

وَقَالُوا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (سورة الجاثيه: ٢٤)

جواب: آپ کے ارشادات کا ماحصل یہ ہے کہ:

۱- امام مالکؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ حضرات جنھوں نے اس مضمون کی احادیث کو روایت کیا ہے، دراصل ان روایات کے واضع ہیں اور یہ حدیثیں انھوں نے خود گھڑ کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

۲- ان روایات میں جس دہر کو بُرا کہنے سے روکا گیا ہے اس سے مراد زمانہ ہے یا نیچر ہے جس میں نظام شمسی کواکب، کرۂ ارض اور عناصر سب آ جاتے ہیں۔ پس ان احادیث کے وضع کرنے والے اور اس کو ماننے والے دراصل دہریے اور نیچری تھے۔

۳- یہ حدیث دہریوں کے اس اعتقاد کی تائید کرتی ہے جس کی تردید قرآن مجید نے کی ہے۔

ان تینوں بدگمانیوں کی حقیقت ترتیب وار ملاحظہ ہو:

۱- اس مضمون کی کم وبیش پندرہ سولہ روایتیں مختلف طریقوں سے امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوجعفر ابن جریر طبری نے نقل کی ہیں۔ ان تمام احادیث کو آں حضرت ﷺ سے روایت کرنے والے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس بات پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں۔ ان میں سے کسی پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے آں حضرت ﷺ پر افترٰی باندھا ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جن لوگوں نے ان روایات کو لیا ہے ان میں محمد بن سیرین، سعید بن المسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور اعرج جیسے لوگ ہیں۔ اس کے بعد ہر مرتبہ روایت میں راوی بڑھتے جاتے ہیں اور کئی طریقوں سے یہ روایتیں ائمۂ مذکورین تک پہنچتی ہیں جن میں سے اکثر کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی ضعیف روایت کی تائید میں کوئی قوی روایت موجود ہو تو وہ ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔

ایک طرف اتنی شہادتیں ہیں اور دوسری طرف آپ کا یہ مختصر سا فیصلہ کہ تمام روایتیں جعلی ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے

کہ جو مضمون ان روایات میں بیان ہوا ہے وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ روایات اور شہادتوں کو جانچنے کا یہ بالکل نیا طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ جو روایت آپ کی سمجھ میں نہ آئے یا جس کا مضمون آپ کی رائے کے خلاف ہو، اس کو بلا تکلف غلط اور اس کے راوی کو بے تامل جھوٹا کہہ دیجیے۔ کیونکہ صداقت کے لیے لازم ہے کہ وہ آپ کی رائے اور سمجھ کے عین مطابق ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ حق آپ نے صرف اپنے لیے محفوظ رکھا ہے یا ہر سامع کو فرداً فرداً یہی حق عطا فرماتے ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو آپ اس کے مستحق ہیں کہ تمام دنیا کے واحد قاضی قرار پائیں۔ کیوں کہ اور کوئی شخص اس کا اہل نہیں ہوگا کہ کسی گواہ کی جرح یا تعدیل کر سکے۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو شہادتوں اور روایتوں کو جانچنے اور ان کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لیے دنیا میں کوئی متفق علیہ معیار نہ ہوگا، بلکہ ہر شخص جس کو چاہے گا سچا اور جس کو چاہے گا جھوٹا کہہ دے گا، اور اس کی زد سے خود آپ بھی نہ بچ سکیں گے۔

آپ نے اپنے اس قاعدے کے مطابق جن لوگوں کو کذّاب اور واضع حدیث، اور رسول اللہ ﷺ پر بہتان گھڑنے والے اور دہری و نیچری قرار دیا ہے، وہ امت مسلمہ کے سب سے زیادہ نامور اور ممتاز بزرگوں میں سے ہیں۔ اپنے تقویٰ، دینداری، صداقت، خدمت دین اور علمی تحقیق و کاوش کے لحاظ سے ان کا درجہ اتنا بلند ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد مسلمانوں کی پوری تاریخ میں شاید ان سے زیادہ بلند پایہ شخصیتیں آپ کو نہ مل سکیں گی۔ یہ مسلمانوں کے وہ ہیرو ہیں جن پر وہ تمام دنیا کی قوموں کے مقابلے میں فخر کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف زبان کھولنے اور بدترین قسم کے کذب و افتراء کا الزام لگانے اور اس سے بھی بڑھ کر کفر اور دہریت کا فتویٰ صادر کرنے سے پہلے آپ کو کافی غور و خوض اور بحث و تحقیق سے کام لینا چاہیے تھا، اور ذرا اس پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے تھی کہ کہیں آپ خود تو غلطی پر نہیں ہیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو غلطی سے بالکل مبّرا نہیں سمجھتے تو امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل جیسے لوگوں پر اتنے بڑے الزامات عائد کرتے ہوئے آپ کو خدا سے ڈرنا چاہیے تھا کہ اگر آپ خود غلطی پر ہوئے تو خدا کے ہاں اس گناہ کی کیسی سخت باز پرس ہوگی۔ کیا ایک ــــ ''داعی الی اللہ'' ــــ کے دل میں اللہ کا اتنا بھی خوف نہ ہونا چاہیے؟

۲- آپ نے حدیثوں کے آدھے آدھے ٹکڑے نقل کر کے ان کو بالکل غلط معنی پہنائے ہیں۔ ذیل میں ان تمام حدیثوں کو نقل کیا جاتا ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ان کو ترجمے کے ساتھ پڑھ کر بتائیے کہ ان میں سے دہریت کی تائید نکلتی ہے یا صریح اور شدید تردید۔

بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ جاثیہ، اور کتاب التوحید میں ہے:

۲۷۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: یُؤْذِیْنِی ابْنُ آدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ وَاَنَا الدَّھْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ، اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے کہ ابنِ آدم مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے کہ زمانے کو برا کہتا ہے۔ زمانہ تو میں ہوں۔ تمام معاملات میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں ہی لیل و نہار کو گردش دیتا ہوں۔''

طبری نے یہی حدیث دوطریقوں سے نقل کی ہے۔ مسلم اور احمد بن حنبل نے بھی اس کو لیا ہے۔ "یوذینی" کی تشریح میں قرطبی نے کہا ہے کہ:

انما هذا من التوسع فی الکلام۔ والمراد ان من وقع ذٰلك منه تعرض لسخط اللّٰه، واللّٰه منزّه عن ان یصل الیه الاذیٰ۔

تخریج: حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، قَال: حَدَّثَنَا الزُّھْرِیُّ عَنْ سَعِیْدِبْنِ الْمُسَیَّب، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَوَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ، اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔(٦١)

بخاری کتاب الادب باب لاتسبّوالدهر میں ایک دوسری سند سے یہ روایت آئی ہے:

٢٨۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ، یَسُبُّ بَنُوْآدَمَ الدَّهْرَوَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بنی آدم زمانے کو بُرا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ زمانہ میں ہوں۔ لیل ونہار میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔"

طبری نے ایک دوسرے طریقے سے یہی حدیث نقل کی ہے۔ مسلم نے بھی تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ اس کو نکالا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: اَخْبَرَنِیْ اَبُوسَلَمَةَ قَالَ: قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ یَسُبُّ بَنُوْآدَمَ الدَّهْرَوَاَنَاالدَّهْرُ بِیَدِی اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ۔ (٦٢)

مسند امام حنبل اور تفسیر ابن جریر طبری میں مختلف طریقوں اور تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے:

٢٩۔ لَایَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ یَا خَیْبَةَ الدَّهْرِ فَاِنِّیْ اَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ لَیْلَهٗ وَنَهَارَهٗ وَاِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهَا۔

"تم میں سے کوئی ہائے زمانہ نہ کہے کیونکہ زمانہ تو میں خود ہوں۔ اس کے لیل ونہار کو میں ہی گردش دیتا ہوں اور جب چاہوں گا اس کو روک دوں گا۔"

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ ثنا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ یَا خَیْبَةَ الدَّهْرِ، اِنِّیْ اَنَا الدَّهْرُ اُرْسِلُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ فَاِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا۔ (٦٣)

حَدَّثَنَا ابْنُ عَبْدِ الْاَعْلیٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ ثَوْرٍ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، اِنَّ اللّٰه قَالَ: لَایَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ یَا خَیْبَةَ الدَّهْرِ، فَاِنِّیْ اَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ لَیْلَهٗ وَنَهَارَهٗ وَاِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا۔ (٦٤)

امام احمد بن حنبل نے ایک دوسرے طریقے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

۳۰۔ لَا تَسُبُّوا الدَّهرَ-فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: اَنَا الدَّهرُ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِيُّ اُجَدِّدُهَا وَاُبْلِيهَا وَاٰتِى بِمُلُوكٍ بَعْدَ مُلُوكٍ۔

ترجمہ: زمانے کو گالیاں نہ دو کیوں کہ اللہ فرماتا ہے کہ زمانہ میں خود ہوں۔ رات اور دن میرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں ان کو میں ہی نیا اور پرانا کرتا ہوں اور بادشاہوں کے بعد بادشاہوں کو لاتا ہوں۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، حَدَّثَنِى اَبِى، ثَنَا ابْنُ نُمَيرٍ، ثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَسُبُّوا الدَّهرَفَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ اَنَا الدَّهرُ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِيُّ اُجَدِّدُهَا وَاُبْلِيهَا وَاٰتِى بِمَلُوكٍ بَعْدَ مُلُوكٍ۔(٦٥)

مسلم اور طبری میں ہے:

۳۱۔ لَاتَسُبُّوا الدَّهرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالدَّهرُ۔

ترجمہ: زمانے کو برانہ کہا کرو کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔

تخریج: حَدَّثَنِى يَعْقُوبُ، قَالَ: ثَنَاابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَا تَسُبُّوا الدَّهرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالدَّهرُ۔ (٦٦)

مؤطاامام مالک باب مایکرہ من الکلام میں ہے:

۳۲۔ لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُم يَا خَيبَةَ الدَّهرِفَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالدَّهرُ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی ہائے زمانہ، نہ کہے کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔

اب فرمایئے کہ دہریت اور نیچریت ان احادیث سے کہاں نکلتی ہے؟ ان کا مفہوم تو یہ ہے کہ تم پر جو مصائب ونوائب آتے ہیں ان کو تم اپنی جہالت سے زمانے کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہا کرتے ہو کہ زمانے نے ہم کو مٹادیا۔ گردش لیل و نہار نے ہم کو پیس ڈالا۔ حالانکہ تمام افعال کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ لیل ونہار جن کی گردش کا نام زمانہ ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ لہٰذا تم جو زمانے کو گالیاں دیتے ہو تو دراصل وہ گالیاں خدا کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ کیوں کہ وہ زمانہ جس کو تم مصیبت اور راحت لانے والا سمجھتے ہو، وہ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور وہ زمانہ جو گردشِ لیل ونہار سے عبارت ہے، حقیقت میں کسی فعل پر بھی قادر نہیں۔ کیا یہی بات ہے جس کو آپ دہریت اور نیچریت سے تعبیر فرمارہے ہیں؟ کیا اسی سرمایہ فہم وتدبر کے ساتھ جناب کو یہ جرأت ہوئی کہ اسلام کے جلیل القدر ائمہ پر حملہ آور ہوں۔

ذرا غور کیجیے تو معلوم ہوجائے گا کہ ان احادیث میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے ضرور ادا ہوا ہوگا اور مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے ہوا ہوگا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت زمانے کو کوسنا اور برا بھلا کہنا اب بھی

عوام کی عادت ہے اور عہد رسالت میں اہل عرب کی بھی یہی عادت تھی۔ چنانچہ خود قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ عرب کے جہلا زمانے کو ہلاک اور فنا کرنے والا سمجھتے تھے۔ پس تکلیفوں کے وقت عام دستور کے مطابق مسلمانوں کی زبان سے بھی زمانے کی شکایت ضرور نکل جاتی ہوگی، اور آں حضرت ﷺ ان کو اس سے ضرور منع فرماتے ہوں گے۔ اس میں کون سی ایسی انوکھی بات ہے جو بالکل خلافِ عقل اور بعید از امکان ہو اور اس کی بنا پر ان روایات کو غلط اور ان کے راویوں کو جھوٹا قرار دینا ضروری ہو جائے؟

۳۔ قرآن مجید کی جو آیت آپ نے نقل کی ہے وہ ان احادیث کے خلاف نہیں بلکہ ان کی مؤید ہے۔ اس آیت میں کفارِ عرب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''ہماری جو کچھ بھی زندگی ہے اسی دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور زمانے کے سوا ہم کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے۔'' اس قول کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۔

''ان کو اس کا علم نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان کا گمان ہے۔''

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

''یعنی اے محمدؐ! ان سے کہہ دو کہ تمہارا مارنے اور جلانے والا جس کو تم جہالت سے دہر کہہ رہے ہو وہ اللہ ہی ہے۔ پھر وہی تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔'' اوپر احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے کیا وہ یہی مضمون نہیں ہے؟''

(رسائل ومسائل)

تخریج: حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ، عَنْ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ! فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ (٦٧)

کیا اسلامی معتقدات کے اقرار کرنے والے کو ملّت سے خارج کیا جا سکتا ہے؟

۳۳۔ امام شافعی اور احمد نے اپنی مسندوں میں اور امام مالک نے مؤطا میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انصار میں سے ایک صاحب ایک مرتبہ نبی ﷺ سے راز کی بات کر رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ نے آواز بلند فرمایا: اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (کیا وہ شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہیں دیتا؟) انصاری نے عرض کیا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا شَهَادَةَ لَهٗ (جی ہاں، وہ اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے اقرار کا کچھ اعتبار نہیں) حضورؐ نے پھر فرمایا اَلَيْسَ يُصَلِّیْ؟ (کیا وہ نماز نہیں پڑھتا) انھوں نے عرض کیا بَلٰى وَلَا صَلٰوةَ لَهٗ (جی ہاں پڑھتا ہے مگر اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں) اس پر حضورؐ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَهَانِی اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهِمْ (ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا ہے)۔

(تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج (۱): مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِیِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهٗ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانِی النَّاسِ اِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَسَارَّهٗ فَلَمْ نَدْرِ

مَاسَارَّهٗ بِهٖ حَتّٰى جَهَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا هُوَ يَسْتَاْذِنُهٗ فِىْ قَتْلِ رَجُلٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ جَهَرَ، اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ الرَّجُلُ: بَلٰى! وَلَاشَهَادَةَ لَهٗ، قَالَ: اَلَيْسَ يُصَلِّىْ؟ قَالَ بَلٰى! وَلَا صَلٰوةَ لَهٗ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَهَانِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (٦٨)

〈۲〉 حَدَّثَنِىْ عَبْدُ اللّٰهِ ، حَدَّثَنِىْ اَبِىْ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، انا ابْنُ جُرَيْجٍ، اَخْبَرَنِىْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِىِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِىِّ بْنِ الْخِيَارِ، اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ حَدَّثَهٗ۔ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِىْ مَجْلِسٍ فَسَارَّهٗ يَسْتَاْذِنُهٗ فِىْ قَتْلِ رَجُلٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ۔ فَجَهَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ الْاَنْصَارِىُّ ، بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَاشَهَادَةَ لَهٗ قَالَ: اَلَيْسَ يُصَلِّىْ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَلَا صَلَاةَ لَهٗ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَهَانِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (٦٩)

کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کیسا ہے؟

٣٤۔ اَيُّمَارَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَآءَ بِهَا اَحَدُهُمَا (بخاری)

ترجمہ: جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے گا تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔
(تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج:〈۱〉 حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ حَدَّثَنِىْ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَيُّمَارَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُ هُمَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ يَا كَافِرُ بَاءَ اَحَدُهُمَا۔ (٧٠)

〈۲〉 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ، ثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّمَارَجُلٍ مُسْلِمٍ اَكْفَرَ رَجُلًا مُسْلِمًا فَاِنْ كَانَ كَافِرًا وَاِلَّا كَانَ هُوَالْكَافِرُ۔ (٧١)

ترجمہ: جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے گا اگر وہ کافر ہے تب تو ٹھیک ورنہ وہ خود کافر ہو گا۔

تکفیر و تفسیقِ مسلم

٣٥۔ لَا يَرْمِىْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ۔

(بخاری)

ترجمہ: (حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ) ''جب کبھی ایک شخص دوسرے شخص پر فسق یا کفر کی تہمت لگائے گا تو وہ تہمت اسی پر پلٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔
(تفہیمات حصہ دوم ص: ۱۸۱-۱۸۲ طبع نہم)

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِی يَحْیٰ بْنُ يَعْمَرَ اَنَّ اَبَا الْاَسْوَدِ الدُّؤَلِیَّ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِی ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ : يَقُوْلُ: لَايَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ۔ (۷۲)

۳۶۔ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْقَالَ عَدُوَّاللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَعَلَيْهِ۔ (مسلم)

ترجمہ: جس شخص نے کسی کو کافر یا دشمن خدا کہہ دیا درآں حالیکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پلٹ جائے گا۔
(تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج: حَدَّثَنِی زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ: نَا اَبِی، قَالَ: نَا حَسَنُ الْمُسْلِمُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْیٰ بْنِ يَعْمُرَاَنَّ اَبَاالْاَسْوَدِ حَدَّثَهٗ، عَنْ اَبِی ذَرٍّاَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:''لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ اِدَّعٰی لِغَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُهٗ اِلَّا كَفَرَ۔ وَمَنِ ادَّعٰی مَالَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ وَمَنْ دَعَارَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْقَالَ عَدُوَّاللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَّ عَلَيْهِ۔ (۷۳)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ (غفاری) سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ''جو شخص جانتے بوجھتے اپنا نسب اپنے (حقیقی) باپ کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی طرف منسوب کرتا ہے وہ کافر ہوا۔ اور جو شخص ایسی چیز کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے اور جس شخص نے کسی کو کافر یا دشمن خدا کہا درآں حالیکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پلٹ آئے گا۔''

۳۷۔ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا، اس کا قول خود اسی پر پلٹ آئے گا۔

تشریح: اللہ نے جو شریعت نبی ﷺ کے ذریعے سے ہم کو بھیجی ہے اس کو خدا کی شریعت ماننے والے اور اسے واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں۔ اب اگر اس شریعت کے احکام کو ایک شخص کسی طرح سمجھتا ہے اور دوسرا کسی اور طرح، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں، تو چاہے ان کے عمل میں کتنا ہی فرق ہو، ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہوگا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقہ پر چل رہا ہے یہی سمجھ کر تو چل رہا ہے کہ یہ آقا کا حکم ہے۔ پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا اور اس نے صحیح نہیں سمجھا۔ مگر وہ اس کو نوکری سے خارج کر دینے کا مجاز کیسے ہو گیا؟ جو شخص ایسی جرأت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ تو جس طرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور

ہے اسی طرح میری سمجھ کو بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کردوں گا۔ غور کرو یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا اس کا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا۔'' کیونکہ مسلمان کو تو خدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے، مگر یہ شخص کہتا ہے کہ نہیں، تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو۔ یعنی صرف خدا ہی تمہارا خدا نہیں ہے، بلکہ میں بھی چھوٹا خدا ہوں، اور میرا حکم نہ مانو گے تو میں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کردوں گا، چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے۔ ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے اس کے کہنے سے چاہے دوسرا مسلمان کافر ہو یا نہ ہو مگر وہ خود تو اپنے آپ کو کفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے۔ (خطبات ص۱۳۴-۱۳۵)

تخریج: حَدَّثَنِی اَبُو بَکْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ، قَالَ: مُحَمَّدُبْنُ بَشِیْرٍوَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَیْرٍ، قَالَا: ثَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ، عَنْ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ: اِذَا اَکْفَرَ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُ هُمَا۔ (۷۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایک شخص اپنے بھائی کو کافر کہے گا تو دونوں میں سے ایک پر یہ قول ضرور پلٹ آئے گا۔''

〈۲〉 حَدَّثَنَا یَحْیٰ بْنُ یَحْیٰ التَّمِیْمِیُّ وَیَحْیٰ بْنُ اَیُّوْبَ وَقُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَعَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِیْعًا عَنْ اِسْمَاعِیْلَ ابْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ یَحْیٰ بْنُ یَحْیٰ: اَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّمَاامْرِیءٍ قَالَ لِاَخِیْهِ کَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا اِنْ کَانَ کَمَا قَالَ وَاِلَّا رَجَعَتْ عَلَیْهِ۔ (۷۵)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہوجائے گا اگر وہ کافر ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قول لازماً پلٹ آئے گا۔''

۳۸۔ مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَھُوَ کَقَتْلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِکُفْرٍ فَھُوَ کَقَتْلِهٖ۔ (بخاری)

ترجمہ: جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کردیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کردیا۔

تشریح: یہ کتنی بڑی زیادتی کی بات ہے کہ جو مسلمان خدا اور رسول کے بتائے ہوئے ایمانیات پر اعتقاد کا اقرار کرتا ہو اور مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق اسلام کی سرحدوں کے اندر ہو، اسے کوئی شخص خارج از ملت قرار دے بیٹھے یہ جسارت بندوں کے مقابلے میں نہیں، خدا کے مقابلہ میں ہے۔ درحقیقت یہ خدا ہی سے معارضہ ہے، کہ جس کے حق میں خدا کا قانون مسلمان ہونے کا فیصلہ کررہا ہے، اس کے حق میں ایک بندۂ خدا کفر کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے نہایت سختی کے ساتھ تکفیر وتفسیق سے منع فرمایا ہے، اور یہاں تک فرمادیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہے گا درآں حالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو وہ کفر کا فتویٰ خود تکفیر کرنے والے کی طرف پلٹ آئے گا۔

(ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ) اس طرح کی تکفیر و تفسیق محض ایک فرد ہی کے حق پر دست درازی نہیں ہے بلکہ ایک اجتماعی جرم بھی ہے۔ یہ پوری اسلامی سوسائٹی کے خلاف ایک زیادتی ہے اور اس سے مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی وجہ تھوڑے غور سے بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی معاشروں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر اسلامی معاشرے رنگ، نسل، زبان اور وطن کے رشتوں پر قائم ہوئے ہیں، اور اس کے برعکس اسلامی معاشرے کا قیام صرف دین کے رشتے پر ہوا ہے۔ غیر اسلامی معاشروں میں عقائد و افکار کے اختلاف سے کوئی رخنہ نہیں پڑتا، اس لیے کہ خیالات اور اعتقادات کا اختلاف ان کے افراد کو اس رشتے سے خارج نہیں کرتا جو نسل یا وطن یا زبان یا رنگ کی وحدت سے قائم ہوتا ہے۔ باطن میں خواہ زمین و آسمان کا تفاوت ہو جائے، لیکن خون کا تعلق منقطع نہیں ہو سکتا، نہ وطن کا رشتہ کٹ سکتا ہے، نہ زبان کا رابطہ منفک ہو سکتا ہے، نہ رنگ کی وحدت میں کوئی فرق آ سکتا ہے۔ اس لیے اختلاف عقائد سے غیر مسلم معاشروں کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ لیکن اسلام میں جو چیز مختلف نسلوں، مختلف رنگوں، مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں کے افراد کو جوڑ کر ایک قوم بناتی ہے وہ عقیدے کی وحدت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہاں عقیدہ ہی سب کچھ ہے۔ نسل، رنگ، زبان، وطن کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا جو شخص دین اور اعتقاد کے رشتے کو کاٹتا ہے وہ دراصل اللہ کی اس رسی پر قینچی چلاتا ہے جس نے ایک خدا کی پرستش کرنے والوں اور ایک رسول کے ماننے والوں اور ایک کتاب پر ایمان لانے والوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کیا ہے۔ اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو کافر کہہ دینے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ اس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے اور اس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان برادری، محبت، معاشرت، معاملت اور تعاون باہمی کے جتنے رشتے تھے سب کاٹ دیے گئے اور امت مسلمہ کے جسم سے اس کے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو چھانٹ کر پھینک دیا گیا۔

یہ فعل اگر حکم خدا اور رسول کے مطابق ہو تو یقیناً حق ہے۔ اس صورت میں سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دینا ہی اسلام کے ساتھ سچی خیر خواہی ہے۔ لیکن اگر قانون الٰہی کی رو سے عضو سڑا ہوا نہ ہو، اور محض ظلماً اس کو کاٹ ڈالا جائے تو یہ ظلم خود اس عضو سے بڑھ کر خود اس جسم پر ہوگا جس سے وہ کاٹا گیا ہے۔ (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيٰى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ، حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ۔ (٧٦)

ترجمہ: حضرت ابو قلابہ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس نے (جو بیعت رضوان میں شریک تھے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت کی قسم کھائی تو وہ اپنی قسم کے مطابق ہوگا، اور کسی ابن آدم پر ایسی بات کی نذر پوری کرنا ضروری نہیں جو اس کے اختیار میں نہ ہو، اور دنیا میں جس چیز کے ساتھ کسی نے

خودکشی کی ہوگی، قیامت کے روز اسے اسی سے عذاب دیا جائے گا۔ اور جس نے کسی مومن پر لعنت بھیجی اس نے گویا اسے قتل کردیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کردیا۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا اَحمَدُبْنُ مَنِیعٍ، نا اِسْحَاقُ ابْنُ یُوسُفَ الْاَزْرَقُ، عَنْ هِشَامِ الدَّسْتَوَائِیُّ، عَنْ یَحیٰ ابنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ اَبِی قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: لَیْسَ عَلَی الْعَبدِ نَذْرٌ فِیمَا لا یَمْلِكُ ولَا عِنُ الْمُؤمِنِ کَقَاتِلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِکُفرٍ فَهُوَ کَقَاتِلِهٖ وَمَنْ قتل نَفْسَهٗ بِشَیْءٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِمَا قتَلَ بِهٖ نَفْسَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (۷۷)

وفی الباب عن ابی ذر وابن عمر هذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمه: نبی اکرمؐ نے فرمایا، کسی بندے پر اس نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے جو اس کے دائرۂ اختیار میں نہ ہو اور مومن پر لعنت کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کا قاتل ہو، اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی وہ گویا اس کا قاتل ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو قتل کیا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اسی آلے سے عذاب دے گا جس سے اس نے خودکشی کی ہوگی۔

۳۹۔ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔

تشریح: (ان مختلف احادیث میں) اس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی قوت اور جمعیت کا قیام رابطۂ دینی کے سوا کسی دوسری چیز سے نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں میں اس رابطے کا احترام نہ ہو اور وہ بات بات پر اس کو کاٹنے لگیں تو امت کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جائے، اور اس قوم کی کوئی اجتماعی قوت باقی ہی نہ رہے جو باطل پرستوں کے مقابلے میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور خیر و تقویٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ ہمارا یہ منشا نہیں کہ تکفیر و تفسیق سے مطلقاً پرہیز کیا جائے حتّٰی کہ اگر کوئی شخص شریح کفریات بکنے اور لکھنے لگے تب بھی اس کو مسلمان کہا اور سمجھا جاتا رہے۔ یہ منشا نہ کتاب و سنت کی مندرجہ بالا نصوص کا ہے نہ ہماری پچھلی گزارشات کا۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کرنا جس قدر نقصان دہ ہے، کسی کافر کو اسلامی جمعیت میں شامل کرنا یا رکھنا اس سے کچھ کم نقصان دہ نہیں ہے۔ لیکن جس بات پر ہم زور دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان کی تکفیر کے معاملے میں انتہا درجہ کی احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے۔ اتنی ہی احتیاط جتنی ایک شخص کے قتل کا فتویٰ صادر کرنے میں ملحوظ رکھی جاتی ہے، ہر شخص جو مسلمان ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہے اس کے حق میں یہی گمان ہونا چاہیے کہ اس کے دل میں ایمان ہے۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کرتا ہے جس میں کفر کا شائبہ پایا جاتا ہو تو اس کے حق میں یہ امید رکھنی چاہیے کہ اس نے کفر کے ارادے سے ایسی بات نہ کی ہوگی بلکہ محض جہل اور ناسمجھی سے کی ہوگی اس لیے اس کی بات سنتے ہی کفر کا فتویٰ نہ جڑ دینا چاہیے بلکہ عمدہ طریقے سے اس کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ پھر بھی نہ مانے اور اپنی بات پر اصرار کرے تو اس بات کو جس پر وہ اصرار کر رہا ہے کتاب اللہ پر پیش کر کے دیکھا جائے کہ آیا وہ کفر و ایمان کے درمیان فرق کرنے والی صریح نصوص کے خلاف ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کے زیر بحث قول یا فعل میں کسی تاویل کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر صریح نص کے خلاف نہ ہو اور تاویل کی گنجائش ہو تو کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ ایسے شخص کو گمراہ کہا جاسکتا ہے، اور وہ بھی اس خاص مسئلہ میں نہ کہ بالکلیہ۔ البتہ اگر اس کا اعتقاد نص صریح کے خلاف ہو، اور وہ شخص یہ معلوم کرنے کے بعد بھی کہ

اس کا اعتقاد کتاب اللہ کی تعلیم کے خلاف ہے اپنی بات پر قائم رہے اور اس کے قول کی کوئی مناسب تاویل بھی نہ کی جاسکتی ہو، تو ایسی صورت میں مسئلہ کی نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے فسق یا کفر کا حکم لگایا جاسکتا ہے لیکن اس پر بھی مدارج ومراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تمام جرم اور تمام مجرم یکساں نہیں ہیں۔ ان میں بھی فرق مراتب ہوتا ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس فرق کو ملحوظ رکھ کر سزا تجویز کی جائے سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا یقیناً بے انصافی ہے۔ (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

کفر واسلام کا ایک پہلو باطنی ہے اور ایک ظاہری۔ باطن کا تعلق انسان کے دل اور نیت سے ہے، اور ظاہر کا تعلق اس کی زبان اور عمل سے۔ ہم ایک حد تک آدمی کے قول وفعل سے بھی اس کی قلبی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ محض قیاس و گمان ہوگا، علم ویقین نہ ہوگا۔ اور علم ویقین کے بغیر صرف قیاس وگمان کی بنا پر کسی کے ایمان یا کفر کا فیصلہ کر ڈالنا یقیناً ظلم ہوگا۔ اگر چہ ایسا فیصلہ نفس الامر کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا حق یہی ہے کہ ایمان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اس کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى (النجم: ۳۰) ہماری نظر صرف ظاہر تک جاسکتی ہے، اور ظاہری، اقوال وافعال کو دیکھ کر ہم رائے قائم کر سکتے ہیں کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جو شخص ظاہر میں جہالت ونادانی سے کفریات بک رہا ہو، باطن میں وہ ایک سچا اور پکا مومن ہو اور اس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت بہت سے واعظوں اور مرشدوں سے بڑھ کر ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص زور وشور کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہو اور بظاہر احکام شریعت کی پابندی میں کوئی کمی بھی نہ کرتا ہو، درحقیقت وہ محض ایک ریاکار منافق ہو۔ لہٰذا ظاہر کی بنا پر کسی کے کفر کا فیصلہ کرتے ہوئے انسان کو خدا کی پکڑ سے بہت ڈرنا چاہیے۔ ایسا فیصلہ صادر کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچ لینا چاہیے۔ کہ ہم کیسی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں اور کیا ایسے معقول وجوہ موجود ہیں جن کی بنا پر اس ذمہ داری سے بچنے کی بہ نسبت اس کا بار اٹھالینا ہمارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسانوں کی طبیعتیں، استعدادیں اور عقلی صلاحیتیں مختلف ہیں۔ بعض لوگ نہایت سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ایک سیدھی سادی بات کو اجمالی طور پر مان لیتے ہیں۔ تفصیلات اور باریکیوں کو سمجھنے کی نہ ان میں قابلیت ہوتی ہے اور نہ وہ ان کے طالب ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے بعض لوگوں میں غور وفکر کا مادہ ہوتا ہے۔ اجمال سے ان کی تشفی نہیں ہوتی۔ تفصیلات ڈھونڈتے ہیں تو نہیں ملتیں تو تخیل سے پیدا کر لیتے ہیں۔ پھر غور وفکر کرنے والوں کے رجحانات اور مدارجِ عقلی بھی بے شمار ہیں۔ کسی کا میلان شک کی طرف ہوتا ہے اور کسی کا یقین کی طرف۔ کوئی مادیات ومحسوسات پر فریفتہ ہے اور کوئی معقولات پر۔ کوئی بات کی تہ تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی بیچ کی راہوں میں بھٹک کر رہ جاتا ہے۔ کوئی حقیقت پسند (Realist) ہوتا ہے اور کسی کو وہم وخیال کی وادیوں میں گھومنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ غرض نظر وفکر کے بہت سے راستے ہیں جن کو انسانی اذہان اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق اختیار کرتے ہیں۔ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کی طبعی افتاد اور فطری رجحانات اور عقلی استعداد کو بدل دے اور کسی انسان کو یہ مطالبہ کرنے کا حق بھی نہیں ہے کہ اس کی اپنی افتادِ طبع اور اس کا اپنا مذاق ورجحان ہی سب انسانوں کے لیے معیار قرار پائے جس کے مطابق ڈھل جانا سب پر فرض ہو۔

جس خدا نے اسلام کو تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے اس سے بڑھ کر انسانی طبائع کے ان اختلافات کو جاننے والا، اور ان کی رعایت ملحوظ رکھنے والا اور کون ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے دین کی بنیاد ایسے

سادہ اور مجمل عقائد پر رکھی ہے جنھیں ایک کم عقل دہقان سے لے کر ایک نکتہ سنج فلسفی اور ایک حقیقت طلب سائنٹسٹ تک سب قبول کر سکتے ہیں۔ان عقائد کی یہ سادگی اور ان کا اجمال ہی وہ چیز ہے جس نے ان کو ایک عالم گیر انسانی مذہب کے لیے بنیادی اصول بننے کے قابل بنایا ہے۔ جو شخص غور وفکر کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لیے صرف اتنا ہی مان لینا کافی ہے کہ خدا ایک ہے، محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، قرآن اس کی کتاب ہے، اور قیامت کے روز ہمیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔اور جو شخص غور وفکر کی قوت رکھتا ہے، اس کے لیے اسی اجمال میں اتنی وسعتیں ہیں کہ وہ اپنی استعداد اور اپنے رجحان کے مطابق جستجوئے حقیقت کے لیے بے شمار راہوں پر جا سکتا ہے، جتنی دور چاہے جا سکتا ہے۔ساری عمر اسی جستجو میں کھپا سکتا ہے، بغیر اس کے کہ کسی مقام پر پہنچ کر وہ یہ کہہ سکے کہ جو کچھ جاننا تھا وہ میں جان چکا ہوں۔

پھر ایک سوچنے والا آدمی اپنی فکر و تلاش کے لیے کوئی راہ اختیار کرے اور خواہ کتنی ہی دور تک چلا جائے، بہر حال جب تک وہ ان حدود کے اندر چل رہا ہے جو کلام اللہ نے اسلام اور کفر کے درمیان کھینچ دی ہیں، وہ دائرۂ ایمان سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا۔اگر چہ اس کے ذہن کی جولانیوں سے ہم کو کتنا ہی اختلاف ہو۔

مثال کے طور پر ایمان باللہ کے مسئلے میں ملاک امر صرف یہ ہے کہ کائنات کا بنانے اور چلانے والا ایک خدا ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی بندگی کی جائے۔اس بات کو ایک سیدھا سادھا کسان جس طور پر مان سکتا ہے ممکن نہیں ہے کہ ایک غور وفکر کرنے والا آدمی بھی بس اسی طرح اور اتنا ہی مجمل طور پر مانے۔ پھر ایک خاص طرح کا رجحان طبع رکھنے والا آدمی اس میں تدبر کر کے خدا کی ہستی اور اس کی صفات اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت کے متعلق جو تفصیلی تصورات اپنے ذہن میں جمائے گا ممکن نہیں ہے کہ ان امور کے متعلق ایک دوسرے رجحان والے آدمی کے تصورات بھی بالکل اس کے مطابق ہی ہوں۔لیکن جب تک یہ سب اصل بنیادی عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں، سب کے سب مسلمان ہیں، خواہ تفصیلات میں ان کے تفکرات باہم کتنے ہی مختلف ہوں اور ان میں سے بعض نے بعض گوشوں میں کیسی ہی سخت ٹھوکریں کھائی ہوں۔

اسی طرح وحی، رسالت، ملائکہ اور آخرت کے متعلق بھی اسلامی عقائد میں چند امور اصولی ہیں جن کو دین کی ضروریات (Essentials) کہنا چاہیے، اور باقی تفصیلات ہیں جن میں سے بعض کے لیے انسان کو کلام اللہ میں صریح یا قابل تاویل اشارات مل جاتے ہیں اور بعض کو انسان خود اپنے رجحان طبع کے مطابق اپنے ذہن سے پیدا کر لیتا ہے۔بہت ممکن ہے کہ ان میں سے اکثر تفصیلات کا حکم لگانے میں کسی انسان کی عقل غلطی کرے اور اس کے تصورات حقیقت سے بہت دور جا پڑیں۔لیکن جب تک وہ ان عقائد میں ملاکِ امر کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، عقل وفکر کی کوئی گمراہی اس کو دائرہ دین سے خارج نہیں کر سکتی، چاہے مرکز دین سے اس کو کتنا ہی بُعد ہو جائے اور ہمیں اس کی ان اعتقادی بے راہ رویوں پر کتنی ہی ملامت اور مذمت کرنی پڑے۔

یہاں پہنچ کر ہم ذرا سا غور کریں تو بہ آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام میں فرقوں کی پیدا وار کس طرح ہوئی ہے۔ قرآن اور حدیث میں ضروریات دین کے متعلق جو سادہ اور مختصر باتیں ارشاد ہوئی ہیں، اور کہیں کہیں ان کی تفصیل میں جو لطیف اشارات کر دیے گئے ہیں، ان کو سمجھنے میں مختلف لوگوں نے اپنی عقلی استعدادوں اور اپنے طبعی رجحانات کی بنا پر مختلف راہیں اختیار کیں اور ان کے تفصیلی فہم کے لیے قیاس واستدلال کے ذریعے سے الگ الگ جزئیات اور فروع اخذ کر لیے۔ اس حد تک تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔اور اس میں بھی کوئی خرابی نہ تھی کہ ایک گروہ صرف اپنے مسلک کو حق سمجھتا اور دوسرے گروہوں

سے بحث کر کے ان کو اپنے مسلک کی طرف لانے کی کوشش کرتا۔ لیکن غضب یہ ہوا کہ لوگوں نے بے جا تشدد برت کر اپنے اپنے قیاسی وتاویلی عقائد کو بھی اصول وضروریات دین میں شامل کرلیا، اور پھر ہر ایک گروہ نے ان تمام گروہوں کی تکفیر شروع کردی جو اس کے استنباطی عقائد کے منکر تھے۔ یہیں سے حرب عقائد کی ابتداء ہوئی ہے اور یہی اس ظلم کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عقائد کے باب میں قیاسات وتاویلات سے جو راہیں اختیار کی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی راہیں غلط ہیں۔ لیکن ہر غلطی لازماً کفر ہی نہیں ہے۔ غلطی کو غلطی کہنا اور اس کا ارتکاب کرنے والے کو گمراہ اور غلط کار سمجھنا اور اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن جب تک کوئی شخص اس نفس حقیقت کا انکار نہیں کرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اس کو کافر کہنا کسی طرح بھی جائز نہیں، خواہ اس کی گمراہی کتنی ہی بڑھ گئی ہو۔

افسوس ہے کہ مدتوں کی چلی ہوئی اس روش کو چھوڑنے پر ہمارے علماء کرام کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔ انھوں نے اصل اور فرع، نص اور تاویل کے فرق کو نظر انداز کردیا ہے۔ وہ ان فروع کو بھی اصول بنائے بیٹھے ہیں جن کو انھوں نے خود یا ان کے اسلاف نے اپنے مخصوص فہم کی بنا پر اصول سے اخذ کیا ہے۔ وہ ان تاویلات کو بھی نصوص کے درجے میں رکھتے ہیں جو نصوص کے معانی اخذ کرنے میں ان کے گروہ نے اختیار کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فروع اور اپنی تاویلات کے منکر کو بھی اسی طرح کافر قرار دیتے ہیں جس طرح اصول اور نصوص کے منکر کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کھینچ تان اور بے اعتدالی نے پہلے تو اسلامی جمعیت میں صرف تفرقہ ہی پیدا کیا تھا۔ مگر اب دیکھ رہے ہیں کہ علماء کی یہ کافرگری مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف علماء کی طرف سے، بلکہ خود اس مذہب کی طرف سے بھی بدگمانیاں پیدا کررہی ہے جس کی نمائندگی یہ علماء کررہے ہیں۔ روز بروز علماء کا اقتدار مسلمانوں پر سے اٹھتا جارہا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل مذہب کی طرف راغب ہونے کے بجائے اس سے دور بھاگنے لگے ہیں۔ مذہبی مجلسوں اور مذہبی تحریروں کے متعلق یہ عام خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ان میں فضول جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس غلبۂ کفر وفسق کے زمانے میں عام مسلمانوں کو مذہبی علوم کی واقفیت بہم پہنچانے کا اگر کوئی ذریعہ ہوسکتا تھا تو وہ یہ تھا کہ علماء دین پر لوگوں کو اعتماد ہوتا اور وہ ان کی تحریروں اور تقریروں سے فائدہ اٹھاتے۔ مگر افسوس کہ ان فرقہ بندی کی لڑائیوں اور ان تکفیر کے مشغلوں سے یہ ایک ذریعہ بھی ختم ہوا جارہا ہے اور یہ مسلمانوں میں مذہب سے عام ناواقفیت اور گمراہی کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ کاش ہمارے علماء اپنی غلطی کو محسوس کریں اور اسلام اور مسلمانوں پر نہیں تو خود اپنے اوپر ہی رحم کر کے اس روش سے باز آجائیں جس نے ان کو اپنی قوم میں اس قدر رسوا کردیا ہے، درآں حالیکہ یہی وہ قوم تھی جو کبھی ان کو سرآنکھوں پر بٹھاتی تھی۔ (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عرعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ، قَالَ: سَاَلْتُ ابَاوَائِلٍ، عَنِ الْمُرجِئَةِ فَقَالَ: حَدَّثَنِی عَبْدُ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: سِبَابُ الْمُسلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهٗ كُفرٌ۔ (۷۸)

ترمذی نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود عن ابیہ سے ایک روایت ان الفاظ میں بھی بیان کی ہے:

﴿۲﴾ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قِتَالُ الْمُسلِمِ اَخَاهُ كُفرٌ وسِبَابُهٗ فُسُوقٌ۔ (۷۹)

〈۳〉 نسائی نے کتاب التحریم میں، ابن ماجہ نے مقدمہ میں اور مسند احمد جلد اول ص ۱۷۶ پر قِتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ وَسِبَابُهٗ فُسُوْقٌ روایت کیا ہے۔

کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والا قتل نہیں کیا جائے گا

۴۰۔ اِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْاَنْ اُنَقِّبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ”مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل کھول کر اور پیٹ چاک کر کے دیکھوں۔“

پس منظر: ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچھ رقم نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجی۔ اور حضورؐ نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ (یا رسول اللہ! خدا سے ڈریے) حضورؐ نے فرمایا وَيْلَكَ اَوَلَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْاَرْضِ اَنْ يَّتَّقِىَ اللّٰهَ (افسوس تیرے حال پر، روئے زمین کے بسنے والوں میں مجھ سے زیادہ کس کو یہ سزاوار ہے کہ خدا سے ڈرے)۔ حضرت خالدؓ اس موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ فرمایا لَا لَعَلَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ يُصَلِّىْ (نہیں، شاید کہ وہ نماز پڑھتا ہو) انھوں نے عرض کیا کتنے ہی نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں، فرمایا اِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْاَنْ اُنَقِّبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ۔ (بخاری و مسلم) (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

تشریح: (اس حدیث میں) حضورؐ نے اسلام کا دستوری قانون (Constitutional Law) بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کو ماننے کا اقرار کرے تو وہ دائرہ اسلام میں آ جاتا ہے اور اسلامی اسٹیٹ کا شہری (Citizen) بن جاتا ہے۔ یہ بات کہ وہ حقیقی مومن ہے یا نہیں اس کا فیصلہ اللہ کرنے والا ہے ہم اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں کیونکہ لم اومران اشق عن قلوب الناس ولاعن بطونھم۔ جان و مال کی عصمت (Security) کلمہ توحید اور اعتقاد رسالت کے اقرار سے قائم ہو جاتی ہے۔ (تفہیمات حصہ اول: کیا نجات...؟)

تخریج: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِىْ نُعْمٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَاسَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىَّ يَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِىُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِىْ اَدِيْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ وَزَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعِ اَمَّا عَلْقَمَةُ وَاَمَّا عَامِرُبْنُ طُفَيْلٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ: كُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَآءِ قَالَ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ: اَلَا تَاْمَنُوْنِّىْ وَاَنَا اَمِيْنُ مَنْ فِى السَّمَآءِ يَاْتِيْنِىْ خَبَرُ السَّمَآءِ صَبَاحًا وَمَسَآءً قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ غَآئِرُالْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ نَاشِزُالْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوْقُ الرَّاْسِ مُشَمِّرُالْاِزَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ قَالَ: وَيْلَكَ اَوَلَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْاَرْضِ اَنْ يَّتَّقِىَ اللّٰهَ قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ۔ قَالَ خَالِدُبْنُ الْوَلِيْدِيَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَضْرِبُ عُنُقَهٗ قَالَ: لَا لَعَلَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ

يُّصَلِّىْ فَقَالَ خَالِدٌ وَ كَمْ مِنْ مُّصَلٍّ يَقُوْلُ بِلِسَانِهٖ مَالَيْسَ فِىْ قَلْبِهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّىْ لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اُنَقِّبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ قَالَ ثُمَّ نَظَرَ اِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ: اِنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِىْ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ وَاَظُنُّهٗ قَالَ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُوْدَ۔ (۸۰)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی نعم نے کہا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یمن سے کچھ سونا بھیجا جو ببول کی چھال سے رنگے ہوئے چمڑے کی تھیلی میں بھرا ہوا تھا اور ابھی مٹی سے جدا نہیں کیا گیا تھا۔ آپ نے وہ سونا چار اشخاص میں تقسیم کر دیا (۱) عیینہ بن بدر (۲) اقرع بن حابس (۳) زید الخیل اور چوتھے شخص یا تو علقمہ تھے یا عامر بن طفیل تھے (اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے) صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے کہا: اس سونے کے ان لوگوں کے مقابلے میں ہم زیادہ حق دار تھے، حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ اس بات کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس کا امین ہوں جو آسمانوں میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان سے وحی آتی ہے، ابوسعید بیان کرتے ہیں۔ پھر ایک شخص کھڑا ہوا جس کی دونوں آنکھیں اندر دھنسی ہوئی، گال پھولے ہوئے، پیشانی ابھری ہوئی، ڈاڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا اور اپنے تہہ بند کو اٹھائے ہوئے تھا اور کہنے لگا: یارسولؐ اللہ! اللہ سے ڈریے۔ آپؐ نے فرمایا ہلاکت ہو تیرے لیے، کیا اہل زمین میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں نہیں ہوں؟ راوی بیان کرتے ہیں، یہ سن کر وہ شخص چلا گیا۔ اس موقع پر خالد بن ولیدؓ نے عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! ہوسکتا ہے وہ کبھی نماز پڑھتا ہو۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا: بہت سے نماز پڑھنے والے زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں! آپ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں یا ان کا پیٹ چیر کر دیکھوں۔ پھر آپؐ نے اس شخص کی طرف دیکھا، وہ پیٹھ موڑے جا رہا تھا اور فرمایا: اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن مجید روانی سے پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، دین سے اس طرح خارج ہو چکے ہوں گے جیسے تیر شکار میں سے پار ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا: اگر میں ان کو پاؤں گا تو اسی طرح ہلاک کر دوں گا جیسے قومِ ثمود ہلاک کی گئی تھی۔

۴۱۔ هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ۔[۱]

ترجمہ: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

پس منظر: ایک مرتبہ ایک سریہ میں ایک شخص نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا السّلام علیکم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مگر ایک مسلمان نے یہ گمان کر کے کہ اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے اسے قتل کر دیا۔ نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اس مسلمان سے باز پرس کی۔ اس نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! اس شخص نے محض ہماری تلوار سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھ دیا تھا۔ اس پر سرکار نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ (تفہیمات حصہ دوم: فتنۂ تکفیر)

---

[۱] مجھ کو لوگوں کے دل چیرنے اور ان کے باطن ٹٹولنے کا یکسر حکم نہیں دیا گیا۔ (حدیث)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا سُوَیْدُبْنُ سَعِیْدٍ، ثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ السُّمَیْطِ بْنِ السَّمِیْرِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَیْنِ شَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ بَعَثَ جَیْشًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَی الْمُشْرِكِیْنَ فَلَمَّا لَقُوْهُمْ قَاتَلُوْهُمْ قِتَالًا شَدِیْدًا فَمَنَحُوْهُمْ اَكْتَافَهُمْ فَحَمَلَ رَجُلٌ مِنْ لُحْمَتِیْ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ بِالرُّمْحِ فَلَمَّا غَشِیَهٗ قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَطَعَنَهٗ فَقَتَلَهٗ، فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ، قَالَ: وَمَا الَّذِیْ صَنَعْتَ؟ مَرَّةً اَوْمَرَّتَیْنِ۔ فَاَخْبَرَهٗ بِالَّذِیْ صَنَعَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ بَطْنِهٖ فَعَلِمْتَ مَا فِیْ بَطْنِهٖ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ شَقَقْتُ بَطْنَهٗ لَكُنْتُ اَعْلَمُ مَا فِیْ قَلْبِهٖ قَالَ: فَلَا اَنْتَ قَبِلْتَ مَا تَكَلَّمَ بِهٖ وَلَا اَنْتَ تَعْلَمُ مَا فِیْ قَلْبِهٖ۔ (۸۱)

ترجمہ: حضرت عمران بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ آپؐ نے مسلمانوں میں سے ایک لشکر تیار کر کے مشرکین کی طرف روانہ فرمایا۔ جب مسلمانوں کے لشکر کی مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی تو فریقین کے مابین بڑے زور کا رن پڑا۔ مسلمان بڑے بے جگری سے لڑے اور مشرکین کے ساتھ بڑے داؤ پیچ کھیلے۔ اتنے میں میرا ایک قریبی رشتہ دار نیزے سے ایک مشرک پر پل پڑا۔ جب اس نے مشرک پر پوری طرح قابو پالیا تو مشرک جلدی سے کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، کہہ کر بولا کہ ''میں مسلم ہوں'' مگر اس نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں تو مارا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا کر بیٹھے؟ آپؐ نے ایک یا دو مرتبہ یہی جملہ دہرایا، تو اس نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا، کہ تمہیں اس کی نیت کا علم ہو گیا۔'' اس نے عرض کیا اے رسول خدا! اگر میں نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہوتا تو میں واقعتاً اس کی نیت سے باخبر ہو جاتا۔ پھر فرمایا تو پھر تو نے اس کے زبانی اقرار کو تسلیم کیوں نہ کیا جب کہ تجھے اس کے مافی الضمیر کا علم نہیں تھا۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ، قَالَ: نَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْكُرَیْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، عَنْ اَبِیْ مُعَاوِیَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِیْ ظُبْیَانَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ وَهٰذَا حَدِیْثُ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ، قَالَ: بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَرِیَّةٍ، فَصَبَّحْنَا حُرُقَاتٍ مِنْ جُهَیْنَةَ، فَاَدْرَكْتُ رَجُلًا۔ فَقَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهٗ فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُهٗ لِلنَّبِیِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَقَالَ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهٗ؟ قَالَ: قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ، قَالَ: اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا۔ فَمَا زَالَ یُكَرِّرُهَا عَلَیَّ حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنِّیْ اَسْلَمْتُ یَوْمَئِذٍ۔ قَالَ: فَقَالَ سَعْدٌ: وَاَنَا وَاللّٰهِ لَا اَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتّٰی یَقْتُلَهٗ ذُوالْبُطَیْنِ یَعْنِیْ اُسَامَةَ۔ قَالَ رَجُلٌ: اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ قَدْقَاتَلْنَا حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَاَنْتَ وَاَصْحَابُكَ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰی تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ (۸۲)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔ علی الصبح ہم نے جہینہ کے قبیلہٗ حرقات پر حملہ کردیا۔ میں نے ایک آدمی پر قابو پایا ہی تھا کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرلیا۔ مگر میں نے (اس کی پرواہ کیے بغیر) اسے نیزہ مار کر ہلاک کردیا۔ اس فعل پر میرے دل میں اضطراب اور خلجان پیدا ہوا تو میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا ''کیا تم نے اسے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنے کے باوجود قتل کردیا۔'' اسامہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا ''یارسولؐ اللہ! اس نے محض اسلحہ کی زد سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا۔'' آپؐ نے فرمایا، ''کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس نے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار دل سے کیا تھا یا نہیں۔'' آپؐ یہ جملہ مسلسل دہراتے رہے حتّٰی کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ''کاش میں آج ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا ہوتا۔'' حضرت سعد نے کہا کہ ''بہ خدا میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا تاوقتیکہ اسے اسامہ قتل نہ کرے۔'' ایک آدمی نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں ہے کہ تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔ سعد نے اس کا جواب دیا یقیناً ہم لڑے کہ فتنہ باقی نہ رہے مگر تو اور تیرے ساتھی اس لیے لڑنا چاہتے ہیں کہ فتنہ برپا ہو۔

۴۲۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر ایک شخص مجھ پر حملہ کر کے میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور جب میں اس پر حملہ کروں تو وہ کلمہ پڑھ لے، کیا ایسی حالت میں اس کو قتل کرسکتا ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا ''نہیں''۔ صحابی نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ دیا۔ آپؐ نے فرمایا باوجود اس کے تم اس کو نہیں مار سکتے۔ اگر تم نے اس کو مارا تو وہ اس مرتبے میں ہوگا جس میں تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم اس مرتبے میں ہوجاؤ گے جس میں وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے پہلے تھا۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۱۸۱)

تخریج: حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِی ابْنُ شِھَابٍ عَنْ عَمِّہٖ اَخْبَرَنِیْ عَطَآءُ بْنُ یَزِیْدَ اللَّیْثِیُّ ثُمَّ الْجُنْدَعِیُّ اَنَّ عُبَیْدَ اللّٰہِ بْنَ عَدِیِّ بْنِ الْخِیَارِ اَخْبَرَہٗ اَنَّ الْمِقْدَادَبْنَ عَمْرٍوا لکِنْدِیَّ وَ کَانَ حَلِیْفًا لِبَنِیْ زُھْرَۃَ وَ کَانَ مِمَّنْ شَھِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ: اَرَاَیْتَ اِنْ لَقِیْتُ رَجُلًا مِنَ الْکُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدیٰ یَدِیَّ بِالسَّیْفِ فَقَطَعَھَا، ثُمَّ لَا ذَمِنِّیْ بِشَجَرَۃٍ، فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰہِ، أَاَقْتُلُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بَعْدَ اَنْ قَالَھَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَقْتُلْہُ۔ فَقَالَ، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّہٗ قَطَعَ اِحْدیٰ یَدِیَّ، ثُمَّ قَالَ ذٰلِکَ بَعْدَ مَا قَطَعَھَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَقْتُلْہُ فَاِنْ قَتَلْتَہٗ فَاِنَّہٗ بِمَنْزِلَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَہٗ وَاَنَّکَ بِمَنْزِلَتِہٖ قَبْلَ اَنْ یَقُوْلَ کَلِمَتَہُ الَّتِیْ قَالَ۔ (۸۳)

ترجمہ: حضرت مقداد بن عمرو کندی جو بنی زہرہ کے حلیف تھے اور بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوچکے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا اگر میری ملاقات کسی کافر سے ہوجائے اور ہم باہم لڑ پڑیں اور وہ میرے ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ ڈالے، اس کے بعد کسی درخت کے پیچھے چھپ کر پناہ لے لے اور اس وقت کہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں تو کیا میں اسے اس کے اقرار کے بعد قتل کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں''۔ میں نے عرض کیا رسولؐ اللہ! اس نے پہلے تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بعد کلمۂ توحید کا اقرار کیا۔ آپؐ نے پھر ارشاد فرمایا ''نہیں'' تو اسے قتل نہ کر کیوں کہ اگر

تو نے اس کو قتل کیا تو وہ اس مرتبے میں ہوگا جس میں تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم اس مرتبے میں ہو جاؤ گے جس میں وہ اَسلَمتُ لِلّٰہِ کہنے سے پہلے تھا۔"

۴۳۔ اگر کوئی شخص کافر پر نیزہ تانے اور جب سنان اس کے حلق تک پہنچ جائے اس وقت وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دے، تو مسلمان کو لازم ہے کہ وہ فوراً اپنے نیزے کو واپس کھینچ لے۔

تخریج: اِذَاانتَزَعَ اَحَدُکُمُ الرُّمحَ اِلیٰ رَجُلٍ، فَکَانَ سِنَانُہٗ عِندَ ثُغرَۃِ نَحرِہٖ۔ فَقَالَ: "لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ" فَلیَدفَع عَنہُ الرُّمحَ۔ (۸۴)

ترجمہ: "اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کافر آدمی پر نیزہ تانے اور سنان اس کے حلق تک پہنچ جائے اور اس وقت وہ لا الہ الّا اللہ کہہ دے، تو اسے چاہیے کہ اپنے نیزے کو واپس کھینچ لے۔"

دو مختلف ملّتوں کے لوگ ایک دوسرے سے کلی طور پر کٹ جاتے ہیں

۴۴۔ لَایَتَوَارَثُ اَھلُ مِلَّتَینِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو مختلف ملّتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

تشریح: اللہ کی پارٹی والے خواہ نسل اور وطن اور زبان اور تاریخی روایات کے اعتبار سے باہم کتنے ہی مختلف ہوں، بلکہ چاہے ان کے آباؤ اجداد میں باہم خونی عداوتیں ہی کیوں نہ رہ چکی ہوں، جب وہ خدا کے بتائے ہوئے طریق فکر اور مسلک حیات میں متفق ہو گئے تو گویا الٰہی رشتے (حبل اللہ) سے باہم جڑ گئے اور اس نئی پارٹی میں داخل ہوتے ہی ان کے تمام تعلّقات حزب الشیطان والوں سے کٹ گئے۔

پارٹی کا یہ اختلاف باپ اور بیٹے تک کا تعلق توڑ دیتا ہے۔ حتّٰی کہ بیٹا باپ کی وراثت تک نہیں پا سکتا۔

(تفہیمات حصہ اول: اسلامی قومیت کا...)

المصنف میں لَا یَتَوَارَثُ اَھلُ مِلَّتَینِ مُختَلِفَتَینِ ہے اور دارمی نے لَا یَتَوَارَثُ اَھلُ دِینَینِ نقل کیا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُوسیٰ بنُ اِسمَاعِیلَ، ثنا حَمَّادٌ، عَن حَبِیبِ المُعَلِّمِ، عَن عَمرِو بنِ شُعَیبٍ، عَن اَبِیہِ، عَن جَدِّہٖ عَبدِ اللّٰہِ بنِ عَمرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَتَوَارَثُ اَھلُ مِلَّتَینِ شَتّٰی۔ (۸۵)

المصنف میں لَا یَتَوَارَثُ اَھلُ مِلَّتَینِ مُختَلِفَتَینِ ہے اور دارمی نے لَا یَتَوَارَثُ اَھلُ دِینَینِ نقل کیا ہے۔

ماٰخذ

(۱) ☆ مسلم ۔ ج ۱: کتاب الایمان ☆بخاری۔ ج ۱: کتاب الایمان: باب سوال جبریل النبیﷺ عن الایمان والاسلام الخ۔ عن ابی ھریرة۔ بخاری میں مسلم والی روایت کا پہلا حصہ نہیں ھے اور روایت فاتاہ رجل فقال ماالایمان سے شروع ھوتی ھے ☆ابوداؤد : کتاب السنة: باب فی القدر ☆ترمذی: ابواب الایمان : باب ماجاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ الایمان والاسلام۔ ترمذی نے قال فما الاسلام کے جواب میں حضوؐر کا جواب: شھادة ان لا الہ الااللّٰہ وان محمد اعبدہ ورسولہ واقام الصلاة وایتاء الزکوة وحج البیت وصوم رمضان الخ نقل کیا ھے ☆نسائی: کتاب الایمان و شرائعہ: باب صفة الایمان والا سلام ☆ابن ماجہ: المقدمة: باب فی الایمان ☆مسند احمد ج ۱: عمر بن خطاب ☆مسند ابی عوانة۔ ج ۱: باب الاعمال والفرائض۔

(۲) ☆بخاری۔ ج۱: کتاب الایمان: باب فان تابواواقاموا الصلوٰة واٰتواالزکوٰة فخلّوا سبیلھم۔☆ مسلم ج ۱: کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس حتی یقولوالاالہ الااللّٰہ ☆ مسند احمد۔ ج ۳: جابر بن عبداللّٰہ ☆ دارقطنی: کتاب الصلوٰة: باب تحریم دماء ھم واموالھم اذا یشھد وا بالشّھادتین ☆ کنزالعمال: ج۱۔

(۳) ☆بخاری۔ ج ۲: کتاب الادب: باب فصل صلة الرّحِم ☆ مسلم۔ ج ۱:کتاب الایمان: باب السوال عن ارکان الاسلام ☆ نسائی۔ ج ۲: کتاب الصلوٰة: باب ثواب من اقام الصلوٰة۔

(٤) ☆ مسلم۔ ج۱: کتاب الایمان: باب بیان الایمان الذی یدخل بہ الجنة وان من تمسک بما اُمِرَبہ دخل الجنة۔

(٥) ☆ ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب کف اللسّان فی الفتنة ☆ ترمذی: ابواب الایمان: باب ماجاء فی حرمة الصلوٰة ☆مسند احمد۔ ج ٥: معاذ بن جبل☆ مسند ابی عوانة۔ ج ۱: باب بیان الاعمال والفرائض۔

(٦) ☆ مسلم: ج ۲ : کتاب الایمان: باب السوال عن ارکان الاسلام۔

(۷) ☆بخاری۔ ج ۱: کتاب الزکوة: باب وجوب الزکوٰة ☆بخاری۔ ج ۲: کتاب التفسیر: سورہ لقمان: باب قولہ اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ☆ مسند احمد۔ ج۲ ☆مسند ابی عوانة۔ ج ۱: بیان الاعمال والفرائض ☆مسلم میں والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئاً ولا اَنۡقُصُ منہ کا اضافہ ھے۔ باقی متن حدیث بخاری والا ھے۔مسلم۔ ج ۱: کتاب الایمان: باب السوال عن ارکان الاسلام۔

(۸) ☆ بخاری۔ ج ۲: کتاب المغازی: باب بعث ابی موسیٰ ومعاذا الی الیمن قبل حجة الوداع ☆ بخاری۔ ج ۱: کتاب الزکوٰة: باب لاتوخذ کرائم اموال الناس فی الصدقة ☆ بخاری کی اس روایت میں وَتُوَقَّ کَرَائِمَ اموال الناس ھے۔ بخاری۔ ج ۲:کتاب الرد علیٰ الجھمیة وغیر ھم التوحید: باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ امتہ الی التوحید ☆ مسلم۔ ج ۱: کتاب الایمان: باب الدعا إلی الشھادتین و شرائع الاسلام ☆ ابوداؤد: کتاب الزکوٰة: باب فی زکاة السائمة ☆ ترمذی: ابواب الزکوٰة: باب ماجاء فی کراھیة اخذ خیار المال فی الصدقة۔ حدیث حسن صحیح ☆نسائی۔ کتاب الزکوٰة: باب اخراج الزکوٰة من بلدٍالیٰ بلدٍ ☆ابن ماجة: کتاب الزکوٰة: باب فرض الزکوٰة ☆ دارمی۔ کتاب الزکوٰة: باب فی فضل الزکوٰة ☆دارقطنی: کتاب الزکوٰة ☆مسند احمد، ج ۱:ملسم اور دیگر کتب میں افترض ھے جب کہ بخاری نے فرض نقل کیا ھے۔

(۹) ☆مسلم۔ ج ۱: کتاب الایمان: باب الامربقتال الناس حتی یقولوالااله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ویقیمواالصلاۃ الخ۔

(۱۰) ☆ بخاری: کتاب الاستتابة المعاندین : ج ۲: باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ۔

(۱۱) ☆سنن ابی داؤد: کتاب الجهاد: باب علی ما یقاتل المشرکون۔

(۱۲) ابن ماجه: المقدمه: باب فی الایمان عن ابی هریرة ومعاذ بن جبل ☆ کنزالعمال: ج ۱ ☆ دارقطنی: کتاب الصلوٰة: باب تحریم دماء هم وموالهم اذا یشهد وا بالشهادتین۔

(۱۳) ☆سنن ابی داؤد: کتاب الجهاد: باب علی ما یقاتل المشرکون ☆ ترمذی: ابواب الایمان: باب ماجاء امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا اللّٰه ☆ دارقطنی:کتاب الصلوٰة: باب تحریم دماء هم وامو الهم اذا یشهد وا بالشهادتین ☆ نسائی: کتاب الایمان: باب علی ما یقاتل الناس: ج ۸ ☆ کنزالعمال۔ ج ۱۔

(۱٤) ☆ بخاری: کتاب الصلوٰة: ج ۱: باب فضل استقبال القبلة ☆ مسلم: ج ۱: کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا له ال االله محمد رسول اللّٰه الخ ☆ ترمذی: ابواب الایمان: باب ماجاء امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوالااله الا اللّٰه۔ فی الباب عن معاذ بن جبل وابی هریرة ۔ هذا حدیث حسن صحیح غریب من هذا الوجه ☆ابن ماجه: کتاب الفتن: باب الکف عمن قال لا اله الا اللّٰه ☆ دارقطنی: کتاب الصلوٰة: باب تحریم دماء هم وامو الهم اذا یشهد وا بالشهادتین ☆ کنزالعمال۔ ج ۱۔

(۱٥) ☆ابوداؤد کتاب السنة باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانه☆ترمذی: ابواب الایمان: ج ۲ ☆مسند احمد۔ ج ٤☆مسند احمد۔ ج ۳ معاذ بن انس ☆کنزالعمال۔ ج ۱: ☆مجمع الزوائد۔ ج۱☆ بخاری نے کتاب الایمان میں اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ مِنَ الْاِیْمَان نقل کیا ہے۔

(۱٦) ☆ابن جریر: ج ۱۱ جز ۲۷/۲٤ سوره حٰم السجده ☆ ترمذی: ج ۲: ابواب التفسیر: سوره حٰم السجده هذا حدیث غریب ☆ابن کثیر: ج ٤:سوره حٰمٓ السجده بحواله نسائی ☆فتح القدیر: ج ٤ بحواله ابویعلی ابن ابی حاتم، ابن عدی، ابن مردویه عن انس۔

(۱۷) ☆تفسیر ابن جریر، ج ۲٤/۲۷: سوره حٰمٓ السجده ☆ ابن کثیر۔ ج ٤: سوره حٰمٓ السجده۔

(۱۸) ☆ تفسیر ابن جریر، ج ۲٤/۲۷، جلد ۱۱۔

(۱۹) ☆ابن کثیر، ج ٤، سورة زمر بحواله ابن ابی حاتم۔

(۲۰) ☆ابن کثیر، ج ٤،سورة التغابن۔

(۲۱) ☆مسلم، ج ۲، کتاب الزهد: باب فی احادیث متفرقة ☆ مختصر فی شعب الایمان اور شعب الایمان للبیهقی ج٤۔

(۲۲) ☆ مسند احمد، ج٤ ☆ المستدرك ج ٤۔

(۲۳) ☆ دارمی کتاب الرقاق، باب المومن یوجرفی کل شئ ☆ مجمع الزوائد ج ۷، عن سعد بن ابی وقاص ۔ الفاظ مختلف ہیں۔

(۲٤) ☆الطبرانی، ج ۳ ☆ ابن کثیر ج ٤، التغابن۔ ☆ مجمع الزوائد۔ ج ۱۰، محمد بن اسماعیل بن عیاش ضعیف۔

(۲۵) ☆روح المعانی، ج ۲۴/۲۲، پ ۲۳ ۔ سورۃ الزمر۔

(۲۶) ☆ دارقطنی: کتاب الصلوٰۃ ج ۱☆ باب النیۃ ☆ کنزالعمال ج ۱۔

(۲۷) ☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۹، کتاب الجزیۃ: باب الوفاء بالعھداذا کان العقد مباحا وما ورد من التشد ید فی نقضہ ☆ شعب الایمان بیھقی، ج ٤، حدیث ٤٣٥٤، عن انس ☆ مجمع الزوائد، ج ۱، ☆مشکوٰۃ: کتاب الایمان فصل دوم ☆ ابویعلی طبرانی الاوسط بحوالہ الزوائد ☆ مسند احمد۔ ج ۳، روایت انس بن مالک۔

(۲۸) ☆مسند احمد۔ ج ٦، مسند کی ایک روایت میں وھو یخاف اللہ عزّوجل ھے ☆ ترمذی۔ ج ۲، ابواب التفسیر سورہ مومنون۔ ابن ابی حاتم نے بھی مالک بن مغول کی روایت نقل کی ھے۔

(۲۹) ☆ابن کثیر۔ ج ۳ المومنون ☆ابن ماجہ: کتاب الزھد: باب التوقی علی العمل ۔

(۳۰) مسلم: کتاب النذر۔ج ۲ ☆ مسند احمد ج ٤، عمران بن حصین ☆ ابوداؤد: کتاب الایمان والنذور: باب فی النذر فیما لایملک۔ ابودائود میں ھے: فقال یا محمدؐ! علام تاخذنی وتاخذ سابقۃ الحاج۔ اس کے علاوہ بھی قدرے لفظی اختلاف موجود ھے۔

(۳۱) بخاری، ج ۲، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المریض ☆ مسند احمد بن حنبل۔ ج ۲ ۔ مرویات ابی ھریرۃ وابو سعید خدری۔

(۳۲) بخاری، ج ۲، کتاب المرضیٰ، باب وضع الید علی المریض ☆ مسلم، ج ۲، کتاب البروالصلۃ ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض اوحزن ونحوذالک حتی الشوکۃ یشاکھا ☆ دارمی ج ۲، الرقاق: باب فی ثواب اجرالمریض۔

(۳۳) ترمذی ابواب التفسیر۔ سورۃ النساء۔

(۳٤) مسلم، ج ۲، کتاب البروالصلۃ: باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض اوحزن اور نحوذلک حتی الشوکۃ یشاکھا۔

(۳۵) ابوداؤد۔ ج ۳، کتاب الجنائز: باب عیادۃ النساء۔

(۳٦) ابوداؤد۔کتاب الجنائز: باب الامراض المکفرۃ الذنوب

(۳۷) ☆ مسند احمد۔، ج ۱، روایت سعد بن ابی وقاص۔

(۳۸) مسند احمد ج۲، روایت ابی ھریرۃ اور ج ۵ میں☆ اور مسندابی داؤد طیالسی، سعد بن ابی وقاص ☆ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب الصبر علی البلاء ☆ترمذی: ابواب: الزھد باب فی الصبر علی البلاء۔ ھذا حدیث حسن صحیح۔

(۳۹) مسند احمد بن حنبل۔ ج ٦، مرویات صھیب☆ مسلم ج ۲، کتاب الزھد: باب قصۃ اصحاب الاخدو دوالساحروالراھب والغلام۔مسلم میں منشار کے بجائے مئشار منقول ھے۔

(٤۰) ☆ ترمذی: ابواب التفسیر: سورۃ البروج ☆ ابن جریر۔ ج ۳۰☆ ابن جریر نے علی الحق کے بعد فاقتحمت فی النار کا اضافہ بھی نقل کیا ھے۔

(٤۱) ابن جریر ، ج ۳۰/۲۸ جلد ۱۲ ۔مسلم میں منشار کے بجائے مئشار منقول ھے۔

(٤۲) تفسیر ابن کثیر۔ ج ٤۔

(٤٣) تفسیر ابن کثیر۔ ج ٤۔

(٤٤) سیرت ابن ھشام: ج ۱ ☆ اس واقعه کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ج ٤ میں اور روح المعانی نے جز ۳۰ پر نقل کیا ھے۔ ابن کثیر نے عبداللّٰہ بن تامر نقل کیا ھے۔

(٤٥) بخاری، ج ۲،کتاب الرد علی الجهمیة وغیر هم التوحید۔ باب قول اللّٰه ویحذرکم اللّٰه نفسهٗ وقوله تعالیٰ اعلم مافی نفسك ولا تعلم مافی نفسی۔ ☆ مسلم۔ ج ۲، کتاب الذکر والدعا والتوبة والاستغفار: باب الحث علی ذکر اللّٰه ☆مسند احمد، ج ۲، ابوھریرہ ☆ابن ماجه: کتاب الادب: باب فضل العمل ☆ دارمی: کتاب الرقاق، باب حسن الظن باللّٰه۔

(٤٦) بخاری، ج۲، کتاب الرقاق ، باب من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه۔ ☆ مسلم، ج ۱، کتاب الایمان: باب الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنة۔ ☆ اوربخاری نے کتاب الرد علی الجهمیة وغیر هم التوحید: باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ امته الی توحید اللّٰه الخ میں مختصراً روایت نقل کی ھے۔ یعنی عن معاذبن جبلٍ، قال: قال النبیﷺالخ ☆بخاری: کتاب الاستیذان: باب من اجاب بلبیك وسعدیك ☆ ابن ماجه: کتاب الزهد: باب مایرجی من رحمة اللّٰه یوم القیمة۔

(٤٧) بخاری۔ ج ۱، کتاب العلم: باب من خصّ بالعلم قوماً کے تحت منقول روایت میں صدقاً من قلبه کا اضافه ھے۔

(٤٨) مسلم، ج ۱،کتاب الایمان من مات علی التوحید فقد دخل الجنة۔

(٤٩) بخاری، ج ۲، کتاب اللباس باب الثیاب البیض۔ کتاب الاستیذان ، کتاب الرقاق اور کتاب الرد علی الجهمیة وغیر هم التوحید۔☆بخاری، ج ۱،کتاب الجنائز باب ماجاء فی الجنائز عن ابی ذرّ ☆ بخاری، ج ۱ ، کتاب بدأ الخلق ، باب ذکر الملائکة۔☆ مسلم، ج ۱، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات لایشرك باللّٰه شیئاً دخل الجنة۔☆مسند احمد ج ۵، ☆ مسند ابی عوانه، ج ۱۹ ۔ ☆ کنزالعمال ج ۱۔

(٥٠) مسلم، ج ۱، کتاب الایمان با ب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة۔

(٥١) تفسیر ابن جریر جلد ۷۔ سوره نحل ☆ ابن کثیر ج ۲ ☆ فتح القدیر للشوکانی ج ۳، بحواله ابن سعد، ابن ابی حاتم، ابن مردویه، بیهقی، ابن عساکر ☆ المستدرك للحاکم ج ۲، ص ۳۵۷۔

(٥٢) تفسیر ابن کثیر ج ۲، سورهٔ نحل بحواله بیهقی۔

(٥٣) تفسیر ابن کثیر ج ۲، سوره نحل۔

(٥٤) سیرت ابن هشام ج ۱، المشرکون عند ابی طالب لَمَّاثقل به المرض یطلبون عهدًا بینهم و بین الرسول۔ ☆ ترمذی کتاب التفسیر ج ۲ سوره صٓ ☆ ابن جریر ج ۱، پ ۲۳ ۔ سوره صٓ ☆المستدرك ج ۲، کتاب التفسیر سوره صٓ۔ ☆ مسند احمد، ج ۱ عن ابن عباس ☆ فتح القدیر للشوکانی ج ٤، بحواله ابن ابی شیبة، عبدابن حمید، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویه، بیهقی فی الدلائل عن ابن عباس۔

(٥٥) تفسیر ابن جریر، ج ۲۲/۲٤، سوره صٓ ☆ ابن کثیر ج ٤، سوره صٓ

(٥٦) تفسیر ابن جریر ج ۲۲/۲٤، سوره صٓ۔

(٥٧) ترمذی: ابواب التفسیر سورة صٓ ☆ ابن جریر ج ۲۳/۲۲، سوره صٓ ☆ ابن کثیر، ج ٤، سورة صٓ ☆ مسند احمد، ج ۱ ☆ المستدرك للحاکم، ج ۲ کتاب التفسیر: سوره صٓ ☆مستدرك میں تدین کے بجائے تذل کا لفظ ھے ☆ روح المعانی جلد ۲۳روح المعانی میں وتؤدّی الیھم بھا کے الفاظ ھیں۔

(٥٨) طبقات ابن سعد: ج ۱، ذکر مشی قریش الی ابی طالب فی امره ﷺ۔

(٥٩) تفسیر ابن جریر جز ۳۰/۲۸، پ ۲۹ سوره نوح ☆ تفسیر کشّاف: سوره نوح۔ ☆ ابنِ کثیر: ج ٤، سورهٔ نوح۔

(٦٠) الکشّاف، پ ۲۹، سوره نوح۔

(٦١) بخاری، ج ۲، کشاب التفسیر: سوره جاثیه: باب و مایهلکنا الاالدھر ☆ بخاری، ج ۲، کتاب التوحید: باب قول اللّٰه یرید ون ان یبدّلواکلام اللّٰه ☆ بخاری، ج ۲، کتاب الادب: باب الا تسبوا الدھر ☆ مسلم: ج ۲،کتاب الالفاظ۔ باب النھی عن سب الدھر ☆ ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الرجل یسب الدھر ☆ فتح القدیر للشوکانی: ج ٥، بحواله ابن ابی حاتم، ابن مردویه ☆ مسند احمد ، ج ۲، ابوھریرة۔

(٦٢) بخاری، ج ۲، کتاب الادب: باب لَآ تَسُبُّوا الدَّھر۔

(٦٣) مسند احمد، ج ۲۔

(٦٤) تفسیر ابن جریر طبری، پ ۲٥: سورهٔ جاثیه۔

(٦٥) مسند احمد ج ۲، مرویات ابی ھریرة۔

(٦٦) تفسیر ابن جریر طبری: پ ۲٥، سورة جاثیه ☆ مسند احمد: ج ۲، ج ٥۔

(٦٧) مؤطا امام مالك۔ ج۲: کتاب الجامع: باب مایکره من الکلام۔

(٦٨) موطا امام مالك۔ کتاب الصلوٰة: جامع الصلوٰة۔ ☆ مسند احمد: ج ٥، مرویات عبید اللّٰه بن عدی بن خیار۔

(٦٩) مسند احمد: ج ٥۔

(٧٠) بخاری، ج ۲، کتاب الادب: باب من اکفر اخاه بغیر تاویل فھو کما قال ☆ مسلم، ج ۱، کتاب الایمان: باب حال من قال لافیه المسلم یا کفر☆ ترمذی: ابواب الایمان: باب فیمن رمیٰ اخاه بکفر☆ مؤطا امام مالك: باب مایکره من الکلام ج ۲۔

(٧١) ابوداؤد: کتاب السنة: باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ☆مسند احمد۔

(٧٢) بخاری، ج ۲،کتاب الادب باب ما ینھی عن السباب واللعن۔ ☆ مسند احمد: ج ٥☆بخاری کی ایك روایت میں وَمَنْ رمیٰ مُؤْمِناً بِکفرٍ فَھُوَ کَقَتْلِهٖ کے الفاظ بھی ھیں۔ بخاری، ۲، کتاب الادب باب من اکفر اخاه بغیر تاویل فھو کما قال۔

(٧٣) مسلم، ج ۱،کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم یا کافر۔

(٧٤) مسلم ج ۱، کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم یاکافر ۔☆ ترمذی ابواب الایمان باب فیمن رمی اخاه بکفر۔بخاری کی ایك روایت میں وَمَنْ رمیٰ مُؤْمِنًا بِکفرٍ فَھُوَ کَقَتْلِهٖ کے الفاظ بھی ھیں۔

(۷۵) مسلم ج ۱، کتاب الایمان باب بیان حال من قال لا خیه المسلم یا کافر۔

(۷٦) بخاری ج ۲، کتاب الادب باب ماینهی عن السباب واللعن۔ ☆ مسلم ج ۱، کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسه الخ۔ ☆ مسند احمد ج ٤۔

(۷۷) ترمذی ابواب الایمان باب فیمن رمی اخاه بکفر۔

(۷۸) بخاری، ج ۱، کتاب الایمان باب خوف المؤمن۔ ☆ بخاری، ج ۲، کتاب الادب باب ینهی عن السباب واللعن، ☆ بخاری، ج ۲، کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی کفاراً ضرب بعضکم رقاب بعض۔ ☆ مسلم ج۱، کتاب الایمان باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔ ☆ ترمذی ابواب البر، ابواب الایمان☆ نسائی : کتاب التحریم۔ ☆ ابن ماجه: کتاب الفتن ، المقدمة۔ ☆ مسند احمد : ج ۱۔ مندرجه بالا حواله جات کے تحت سباب المسلم (اخاه) فسوق و قتاله کفر قتال مسلم المومن (اخاه) کفر و سبابه فسق کی روایت نقل هوئی هے۔☆ ترمذی، ابواب الایمان باب ماجاء سباب المسلم فسوق۔

(۷۹) ابن ماجه: ابواب الفتن باب سباب المسلم فسوق و قتاله کفر۔☆ مسند احمد بن جنبل ج ۱، عن ابن مسعود۔

(۸۰) بخاری، ج ۲، کتاب المغازی: باب بعث علی ابن ابی طالب وخالد بن الولید الی الیمن قبل حجة الوداع ☆مسلم، ج ۱،کتاب الزکوٰة: باب اعطاء المؤلفة الخ ☆ مسند احمد: ج ۳، روایت ابوسعید خدری۔ ☆ البدایه النهایه ج۵۔

(۸۱) ابن ماجه: کتاب الفتن ح ۳۹۳ ☆ مجمع الزوائد: ج ۱، جندب بن سفیان ۔

(۸۲) مسلم: ج ۱ کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قولهٖ لااله الا اللّٰه ☆ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب علی مایقاتل المشرکون۔ ابوداؤد نے فادرکت اور فطعته کی جگه فلما غشینا فضربناه حتی قاتلنا نقل کیا هے☆ابن ماجه: کتاب الفتن: باب الکف عمن قال لا اله الا اللّٰه ☆ مسند احمد: ج ۵، اسامه بن زید: ج ۲، ☆ مسند ابی عوانه: ج ۱۔

(۸۳) بخاری: کتاب المغازی باب ...... ج ۲۔ کتاب الدیات: ج ۲ ☆ مسلم ، ج ۱،کتاب الایمان: باب تحریم قتل الکافر بعد قول لا اله الا اللّٰه ☆ ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب علی مایقاتل المشرکون ☆ مسند ابی حوانة: ج ۱۔

(۸٤) طبرانی اوسط عن ابن مسعود ☆ کنزالعمال: ج ۱،ح ۳٦۹، بحواله طبرانی کبیر اور حلیه ابی نعیم عن ابن مسعود ☆ مجمع الزوائد للهیثمی ج ۱، اس میں فلیرفع هے۔

(۸۵) ابوداؤد: کتاب الفرائض: باب هل یرث المسلم الکافر ☆ ترمذی: ابواب الفرائض: باب ماجاء فی ابطال المیراث بین المسلم والکافر ☆ دارقطنی: کتاب الحدود: ج ۲ ☆ ابن ماجه: کتاب الفرائض: باب میراث اهل الاسلام من اهل الشرك ☆ تفسیر ابن کثیر: ج ٤، تفسیر سورة الکافرون ☆ مسند احمد بن حنبل: ج ۲، مرویات عبد اللّٰه بن عمرو ☆ دارمی: کتاب الفرائض: باب فی میراث اهل الشرك واهل الاسلام ☆ المصنف عبدالرزاق، ج ٦۔

فصل دوم

چند مخصوص صفاتِ باری تعالیٰ

خدا کے سوا ہر شے فانی ہے

۴۵۔ اَنْتَ الْاَوَّلُ فلَيسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيسَ فَوْقَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيسَ دُوْنَكَ شَيْئٌ۔

ترجمہ و پس منظر: یہ نبی علیہ السلام کی ایک دعا کے الفاظ ہیں جنھیں امام احمد، مسلم، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ ''تو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں، تو ہی آخر ہے کوئی تیرے بعد نہیں، تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں، تو ہی باطن ہے کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔''

تشریح: یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے، کیوں کہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیوں کہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل و فکر و خیال تک اس کی کنہہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے خلود اور ابدی زندگی کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بات کیسے نبھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر ہے، یعنی جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا؟ اس کا جواب خود قرآن ہی میں موجود ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: ۸۸) یعنی ''ہر چیز فانی ہے اللہ کی ذات کے سوا۔'' دوسرے الفاظ میں ذاتی بقا کسی مخلوق کے لیے نہیں ہے اگر کوئی چیز باقی ہے یا باقی رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے ہی سے باقی ہے اور اس کے باقی رکھنے ہی سے باقی رہ سکتی ہے، ورنہ بذات خود اس کے سوا سب فانی ہیں۔ جنت اور دوزخ میں کسی کو خلود اس لیے نہیں ملے گا کہ وہ بجائے خود غیر فانی ہے، بلکہ اس لیے ملے گا کہ اللہ اس کو حیات ابدی عطا فرمائے گا۔ یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے کہ وہ بذات خود غیر فانی نہیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ وجود میں آئے اور جب تک وہ چاہے گا اسی وقت تک وہ موجود رہ سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن: ج ۵، الحدید: حاشیہ: ۳)

تخریج: ⟨۱⟩ حَدَّثَنِی زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كَانَ اَبُو صَالِحٍ يَأْمُرُنَا اِذَا اَرَادَ اَحَدُنَا اَنْ يَّنَامَ اَنْ يَضْطَجِعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ

وَربَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوىٰ وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ۔ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِىْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْئٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ (۱)

ترجمہ: سہل روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوصالح ہمیں حکم دیتے تھے کہ تم میں سے جب کوئی سونے کا ارادہ کرے تو بستر پر اپنی دائیں کروٹ کے بل لیٹ کر یہ دعا پڑھا کرے۔ ''اے اللہ! اے ربِ ارض وسماوات، اے ربِ عرشِ عظیم، اے ہمارے پروردگار، اور ہر چیز کے رب، اے گٹھلی اور دانے کے پھاڑنے والے، تورات، انجیل اور فرقان کے نازل فرمانے والے۔ میں ہر شریر کے شر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔ اس کی پیشانی تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ الٰہی تو ہی اوّل ہے، تجھ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں۔ تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کسی شے کا وجود نہیں۔ تو ظاہر ہے۔ تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے تجھ سے مخفی تر اور کوئی چیز نہیں، ہمارا قرض ادا فرما دے اور فقر وفاقہ سے ہمیں مستغنی اور بے نیاز کر دے۔''

〈۲〉 حَدَّثَنَا عُقْبَةُ، حَدَّثَنَا يُوْنُسُ، حَدَّثَنَا السَّرِيُّ بْنُ اِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُ بِفِرَاشِهٖ فَيُفْرَشُ لَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَاِذَا اٰوىٰ اِلَيْهِ تُوَسِّدُ كَفَّهُ الْيُمْنىٰ ثُمَّ هَمَسَ مَا يُدْرىٰ مَا يَقُوْلُ فَاِذَا كَانَ فِىْ اٰخِرِ اللَّيْلِ رَفَعَ صَوْتَهٗ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اِلٰهَ كُلِّ شَيْئٍ وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوىٰ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْئٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ الَّذِىْ لَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ الَّذِىْ لَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ۔ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْئٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ (۲)

اَلسِّرِّيُّ بن اسماعيل هذا هو ابن عم الشعبى وهو ضعيف جدًّا۔ والله اعلم۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا بستر لگانے کا حکم فرماتے تو آپ کا بستر قبلہ رخ لگا دیا جاتا۔ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو بطور تکیہ استعمال کرتے (دائیں کروٹ لیٹتے اور اپنا رخسار مبارک اپنی دائیں ہتھیلی پر رکھتے) پھر آہستہ آہستہ زیر لب کچھ کہتے جس کا پتہ نہ چلتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، جب رات کا آخری حصہ ہوتا تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے۔ ''اے اللہ ساتوں آسمانوں کے مالک اور عرشِ عظیم کے مالک، ہر شے کے معبود حقیقی، تورات وانجیل اور فرقان کے نازل فرمانے والے۔ گٹھلی اور دانے کے پھاڑنے والے۔ میں تجھ سے ہر چیز کے شر سے پناہ کی استدعا کرتا ہوں۔ ہر چیز کی پیشانی تیری گرفت میں ہے۔ الٰہی! تیری ذات گرامی ہی ہر چیز سے پہلے ہے، تجھ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں اور تیری ذات بابرکات ہی سب سے آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں۔ تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی باطن ہے۔ تجھ سے مخفی تر کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرما دے اور فقر وفاقہ سے ہمیں بے نیاز و مستغنی کر دے۔''

ساری مخلوق کا رازق صرف اللہ ہے

٤٦۔ اللہ تعالیٰ ہر حاملہ کے پیٹ میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ پیدا ہونے والے کا رزق، اس کی مدت عمر اور اس کا کام لکھ دیتا ہے۔

تشریح: اردو زبان میں رزق کا اطلاق صرف کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس غلط فہمی میں جہلا اور عوام ہی نہیں علماء تک مبتلا ہیں۔ حالاں کہ عربی زبان میں رزق محض خوراک کے معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ عطا، بخشش اور نصیب کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دنیا میں انسان کو دیا ہے وہ سب اس کا رزق ہے، حتّٰی کہ اولاد تک رزق ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بکثرت راویوں کے نام رزق اور رزیق اور رزق اللہ ملتے ہیں جس کے معنی تقریباً وہی ہیں جو اردو میں اللہ دیے کے معنی ہیں۔ مشہور دعا ہے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ، یعنی ہم پر حق واضح کر اور ہمیں اس کے اتباع کی توفیق دے۔ محاورے میں بولا جاتا ہے رُزِقَ عِلْمًا فلاں شخص کو علم دیا گیا ہے۔

(مندرجہ بالا حدیث میں) رزق سے مراد وہ خوراک ہی نہیں ہے جو اس بچے کو آئندہ ملنے والی ہے بلکہ وہ سب کچھ ہے جو اسے دنیا میں دیا جائے گا۔ خود قرآن میں ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ، جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس رزق کو محض دسترخوان کی سرحدوں تک محدود سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان پابندیوں اور آزادیوں پر اعتراض ہے جو کھانے پینے کی چیزوں کے معاملہ میں لوگوں نے بطور خود اختیار کر لی ہے، سخت غلطی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی غلطی نہیں ہے۔ اس کی بدولت خدا کے دین کی ایک بہت بڑی اصولی تعلیم لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ یہ اسی غلطی کا تو نتیجہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حلّت وحرمت اور جواز وعدم جواز کا معاملہ تو ایک دینی معاملہ سمجھا جاتا ہے، لیکن تمدن کے وسیع تر معاملات میں اگر یہ اصول طے کر لیا جائے کہ انسان خود اپنے لیے حدود مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے اور اسی بنا پر خدا اور اس کی کتاب سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کی جانے لگے، تو عامی تو درکنار، علمائے دین ومفتیان شرع متین اور مفسرین قرآن وشیوخ حدیث تک کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ چیز بھی دین سے اسی طرح ٹکراتی ہے جس طرح ماکولات ومشروبات میں شریعتِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر جائز وناجائز کے حدود بطور خود مقرر کر لینا۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس حاشیہ:٦٠)

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ ھِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِکِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ قَالَ: اَنْبَانِیْ سُلَیْمَانُ الْاَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ زَیْدَبْنَ وَھْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِکُمْ یُجْمَعُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ عَلَقَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰہُ مَلَکًا فَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعٍ بِرِزْقِہٖ وَاَجَلِہٖ وَشَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْہِ الرُّوْحُ فَوَاللّٰہِ اِنَّ اَحَدَکُمْ اَوِ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ حَتّٰی مَایَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا غَیْرُ ذِرَاعٍ اَوْذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَدْ خُلُھَا وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی مَایَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَھَا غَیْرُ ذِرَاعٍ اَوْ ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُھَاقَالَ اَبُوعَبْدِ اللّٰہِ قَالَ آدَمُ اِلَّا ذِرَاعٌ۔ (۳)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ہمیں صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش کی نوعیت یہ ہے کہ ماں کے رحم میں چالیس روز تک نطفہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون (علقہ) کی صورت میں پھر چالیس روز تک لوتھڑے یعنی (مضغہ) کی صورت میں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو چار چیزوں پر مامور ہوتا ہے۔ اس کا رزق، اس کی موت کا وقت، اس کا بدبخت (شقی) یا خوش بخت (سعید) ہونا درج کرتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے بہ خدا تم میں سے کوئی شخص اہل نار کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس بندے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ برابر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ کتاب (تقدیر) اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اہلِ جنت کے سے عمل کرنا شروع کر دیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے کہ اس کے اور جنت کے دخول میں صرف ایک ہاتھ برابر فاصلہ باقی رہ جاتا ہے کہ کتاب (تقدیر) اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل نار کے سے عمل شروع کر دیتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

﴿۲﴾ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَكَّلَ اللّٰهُ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّ نُطْفَةً اَیْ رَبِّ عَلَقَةً اَیْ رَبِّ مُضْغَةً فَاِذَا اَرَادَاللّٰهُ اَنْ يَّقْضِیَ خَلْقَهَا قَالَ يَارَبِّ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰی اَشَقِیٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْاَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ۔ (٤)

امام بخاری نے ابن مسعود کی روایت کتاب الانبیاء میں بھی بیان کی ہے۔

اس مقام پر بیان کردہ روایت میں شقیٌّ او سعید کے بعد ثم ینفخ فیه الروح کا اضافہ ہے۔ نیز اس مقام پر انس بن مالک کی روایت بھی منقول ہے۔

بندوں کی اطاعت یا معصیت سے اللہ کی بادشاہت متاثر نہیں ہوتی

٤٧۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی يَا عِبَادِیْ لَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ شَيْئًا۔ يَا عِبَادِیْ لَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِقَلْبِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ شَيْئًا۔ يَا عِبَادِیْ اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ۔ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا۔ فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو، اگر اوّل سے آخر تک تم سب انس وجن اپنے سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہو جائے گا۔ اے میرے بندو، اگر اوّل سے آخر تک تم سب انس و جن اپنے سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو میری بادشاہی میں اس سے کوئی کمی نہ ہو جائے گی۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اپنے اعمال ہی ہیں جن کا میں تمہارے حساب میں شمار کرتا ہوں، پھر ان کی پوری پوری جزا تمہیں دیتا ہوں۔ پس جسے کوئی بھلائی نصیب ہوا سے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جسے کچھ اور نصیب ہو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

تشریح: اللہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی خدائی میں کسی کی شکر گزاری سے نہ ذرہ برابر کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری و احسان فراموشی سے یک سرمو کوئی کمی آتی ہے۔ وہ آپ اپنے ہی بل بوتے پر خدائی کر رہا ہے، بندوں کے ماننے یا نہ ماننے پر اس کی خدائی منحصر نہیں ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نقل کی گئی ہے کہ اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۔ (ابراہیم:۸) اگر تم اور ساری دنیا والے مل کر بھی کفر کریں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔" (تفہیم القرآن، ج۳، النمل: حاشیہ:۴۹)

یعنی (انسانوں کے) کفر سے اس کی خدائی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی۔ تم مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرماں روائی اپنے زور پر چل رہی ہے۔ تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا۔ (تفہیم القرآن، ج۴: الزمر: حاشیہ:۱۹)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ بَهْرَامِ الدَّارِمِیُّ، نا مَرْوَانُ یعنی ابْنُ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِیُّ، نا سَعِیْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ، عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ یَزِیْدَ، عَنْ اَبِی اِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیِّ، عَنْ اَبِی ذَرٍّ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا رُوِیَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی، اَنَّهٗ قَالَ: یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُهٗ بَیْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تُظَالِمُوْا، یَا عِبَادِیْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ، فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِكُمْ۔ یَا عِبَادِیْ! كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ، فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْكُمْ۔ یَاعِبَادِیْ! كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِیْ، اَكْسُكُمْ۔ یَا عِبَادِیْ! اِنَّكُمْ تَخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ، اَغْفِرْلَكُمْ۔ یَا عِبَادِیْ! اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ۔ یَاعِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَازَادَذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ شَیْئًا۔ یَا عِبَادِیْ! لَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِیْ شَیْئًا۔ یَا عِبَادِیْ! لَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْئَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا كَمَا یَنْقُصُ الْمَخِیْطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ۔ یَا عِبَادِیْ! اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِیْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْكُمْ اِیَّاهَافَمَنْ وَجَدَخَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذٰلِكَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔ (۵)

قال سعید کان ابوادریس الخَوْلَانِیُّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ جَثَا عَلٰی رُكْبَتَیْهِ۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کر دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب گم کردہ راہ ہو اِلّا یہ کہ جس کسی کو میں راہِ ہدایت پر چلادوں۔ پس مجھ

سے راہِ رشد و ہدایت طلب کرو میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں گا۔اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو بجز اس کے کہ جسے میں کھانا عطا کروں۔ مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا۔اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو اس شخص کے سوا جسے میں نے لباس پہنایا۔ مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہاری تن پوشی کروں گا۔اے میرے بندو! تم شب و روز خطاؤں کا ارتکاب کرتے ہو اور میں سارے گناہ بخش دیتا ہوں۔ مجھ سے بخشش گناہ کی استدعا کرو میں گناہ معاف کردوں گا۔اے میرے بندو! مجھے ضرر پہنچانا تمہاری پہنچ سے باہر ہے کہ تم مجھے ضرر دے سکو اور مجھے منفعت پہنچانا بھی تمہاری بساط سے باہر ہے کہ تم مجھے نفع پہنچا سکو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر اوّل سے آخر تک تم سب انس و جن اپنے سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہو جائے گا۔اے میرے بندو! اگر اوّل سے آخر تک تم سب انس اور جن اپنے سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو میری بادشاہی میں اس سے کوئی کمی نہ ہو جائے گی۔اے میرے بندو! اگر اوّل سے آخر تک تم انس و جن سب کے سب ایک ہی میدان میں جمع ہو کر اپنی اپنی خواہش کے مطابق مجھ سے مانگو اور میں ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق اس کی طلب عطا کردوں تو اس سے میرے پاس موجود (خزانوں) میں اتنی بھی کمی واقع نہیں ہوگی جتنی کمی ایک سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں واقع ہوتی ہے۔اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جن کا میں تمہارے حساب میں شمار کرتا ہوں، پھر ان کی پوری پوری جزا تمہیں دیتا ہوں۔ پس جسے کوئی بھلائی نصیب ہو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جسے کچھ اور نصیب ہو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

〈۲〉 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، نا اَبُوالْاَحْوَصِ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ شَهْرِبْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ غَنْمٍ، عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، يَا عِبَادِىْ! كُلُّكُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَسَلُوْنِى الْهُدٰى، اَهْدِكُمْ۔ وَكُلُّكُمْ فَقِيْرٌ اِلَّامَنْ اَغْنَيْتُ فَسَلُوْنِىْ ۔اَرْزُقْكُمْ: وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ اِنِّىْ ذُوْقُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفِرُوْنِىْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِىْ، وَلَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَ رَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِىْ مَازَادَذٰلِكَ فِىْ مُلْكِىْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰى اَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِىْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِىْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ۔ وَلَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَجِنَّكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا فِىْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْكُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِيَّتُهٗ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ سَآئِلٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِىْ اِلَّا كَمَا لَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ مَرَّبِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ اِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا اِلَيْهِ ذٰلِكَ بِاَنِّىْ جَوَّادٌ وَاجِدٌ مَا جِدٌ اَفْعَلُ مَا اُرِيْدُ عَطَائِىْ كَلَامٌ وَعَذَابِىْ كَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِىْ لِشَيْئٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (٦)

هذا حديث حسن، وروى بعضهم هذا الحديث عن شهربن حوشب، عن معديكرب، عن ابى ذر، عن النبى ﷺ نحوه۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ''اے میرے بندو! تم سب گم کردہ راہ ہو، بجز اس کے جسے میں ہدایت سے نواز دوں۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں راہ راست دکھاؤں گا۔ اور تم سب فقیر ومحتاج ہو اس شخص کے سوا جسے میں غنی بنادوں۔ مجھ سے رزق مانگو، میں تمہیں رزق عطا کروں گا۔ تم سبھی گنہ گار ہو، اس شخص کے علاوہ جسے میں بچالوں۔ تم میں سے جسے یہ علم ہے کہ میں بخشش ومغفرت کی قدرت کا مالک ہوں وہ مجھ سے معافی اور بخشش مانگے میں اسے معاف کردوں گا اور مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں۔ اور اگر تم سب جن وانس اوّل سے آخر تک، زندہ ومردہ، تر اور خشک، میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو میری بادشاہی میں مچھر کے پر جتنا بھی اضافہ نہ ہو جائے گا اور اگر تمہارے اوّل آخر، زندہ ومردہ، تر وخشک، میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل جیسے ہو جاؤ تو بھی میری بادشاہت میں مچھر کے پر کے برابر کمی واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر اوّل تا آخر، زندہ ومردہ، رطب ویابس، تمام جن وانس ایک صاف میدان میں جمع ہو جاؤ اور ہر انسان اپنی انتہائی خواہش اور تمنا کے مطابق مجھ سے اپنی ضرورت طلب کرے اور میں ہر سائل کی ہر خواہش پوری کردوں تو بھی اس سے تو میری بادشاہی میں اتنی کمی بھی واقع نہ ہوگی جیسے سمندر میں سوئی ڈبو کر باہر نکالنے سے سمندر میں کمی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ میں سخی ہوں، جوّاد ہوں، ماجد ہوں، واجد ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ میرا عطا کرنا بھی میرے کلام پر موقوف ہے اور میرا عذاب بھی میرے کلام پر، جب مجھے کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو اسے صرف کن (ہوجا) کہتا ہوں اور وہ ہو جاتا ہے۔''

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدُ الصَّمَدِ المعنی، قَالَا: ثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ عَبْدُ الصَّمَدِ: ثنا قَتَادَةُ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ اَبِی اَسْمَاءَ وَقَالَ عَبْدُ الصَّمَدِ الرَّحْبِیُّ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّعَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ: اِنِّیْ حَرَّمْتُ عَلٰی نَفْسِی الظُّلْمَ وَعَلٰی عِبَادِیْ۔ اَلَا! فَلَا تُظَالِمُوْا كُلُّ بَنِیْ آدَمَ یُخْطِیْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِثُمَّ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ وَلَا اُبَالِیْ۔ وَقَالَ: یَا بَنِیْ آدَمَ! كُلُّكُمْ كَانَ ضَآلًّا اِلَّا مَنْ هَدَیْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ عَارِیًا اِلَّا مَنْ كَسَوْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ جَآئِعًا اِلَّامَنْ اَطْعَمْتُ وَكُلُّكُمْ كَانَ ظَمْآنًااِلَّا مَنْ سَقَیْتُ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِكُمْ وَاسْتَكْسُوْنِیْ اُكْسِكُمْ وَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْكُمْ وَاسْتَسْقُوْنِیْ اُسْقِكُمْ۔ یَا عِبَادِیْ! لَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَجِنَّكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَصَغِیْرَكُمْ وَكَبِیْرَكُمْ وَذَكَرَكُمْ وَاُنْثَاكُمْ۔ قَال عبدالصّمد وعُسِیَّكُمْ وبَنِیَّكُمْ عَلٰی قَلْبِ اَتْقَاكُمْ رَجُلًا وَاحِدًا لَمْ تَزِیْدُوْا فِیْ مُلْكِیْ شَیْئًا، وَلَوْاَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَجِنَّكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَصَغِیْرَكُمْ وَكَبِیْرَكُمْ وَذَكَرَكُمْ وَاُنْثَاكُمْ عَلٰی قَلْبِ اَكْفَرِكُمْ رَجُلًا لَمْ تَنْقُصُوْا مِنْ مُلْكِیْ شَیْئًا اِلَّا كَمَا یَنْقُصُ رَأْسُ الْمَخِیْطِ مِنَ الْبَحْرِ۔ (۷)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ نبی ﷺ سے ایک حدیث قدسی بیان کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے۔ خبردار! آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ساری اولادِ آدم شب وروز خطاؤں کا ارتکاب کرتی ہے، پھر مجھ سے بخشش طلب کرتی ہے تو میں بخش دیتا ہوں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر فرمایا۔

اے اولادِ آدم! تم سب گم کردہ راہ ہو بجز اس کے جسے میں راہِ ہدایت دکھاؤں اور تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جسے میں لباس عنایت کردوں، اور تم تمام کے تمام بھوکے ہو مگر جسے میں کھانا عطا کردوں، اور تم سب پیاسے ہو مگر جسے میں سیراب کردوں۔ لہٰذا مجھ سے راہِ ہدایت طلب کرو میں سیدھی راہ دکھاؤں گا، مجھ سے لباس مانگو میں لباس دوں گا، مجھ سے کھانا طلب کرو میں کھانا دوں گا، مجھ سے پانی مانگو میں پانی پلاؤں گا۔ اے میرے بندو! اگر اوّل سے آخر تک تم سب جن وانس، چھوٹے بڑے، مرد، عورت، کہا عبدالصمد نے، اور تمہارے بوڑھے اور بچے اپنے میں سب سے متقی شخص کے دل جیسے ہوجاؤ تو میری بادشاہی میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا۔ اور اگر اوّل سے آخر تک تمہارے سب جن وانس چھوٹے بڑے مذکر مونث اپنے میں سب سے زیادہ کافر کے دل جیسے ہوجاؤ تو میری بادشاہی میں اتنی کمی بھی واقع نہ ہوگی جتنی سمندر میں سوئی ڈبونے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔''

تخلیقِ کائنات دلیلِ خالقِ کائنات

۴۸۔ (حضرت قتادہؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى کی تفسیر منقول ہے کہ) رسول اللہ ﷺ جب (سورہ قیامہ کی آخری آیت یعنی (اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى) ''کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کردے۔'' تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کبھی (بلی، کیوں نہیں) کبھی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰى، پاک ہے تیری ذات، خداوندا! کیوں نہیں) اور کبھی (سُبْحٰنَكَ فَبَلٰى یا سُبْحَانَكَ وَبَلٰى) فرمایا کرتے تھے۔ (ابن جریر، ابن حاتم، ابوداؤد) (تفہیم القرآن، ج ۶، القیامہ حاشیہ: ۲۵)

تخریج: قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ، حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ قَوْلِهٖ تعالیٰ۔ "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى۔" ذَكَرَ لَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا قَرَأَهَا قَالَ: سُبْحَانَكَ وَبَلٰى۔ (۸)

فتح القدیر للشوکانی ج ۵ بہ حوالہ عبد بن حمید اور ابن الانباری عن صالح سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبَلٰى اور ابن مردویہ نے براء بن عازب کے حوالے سے سُبْحَانَكَ رَبِّىْ وَبَلٰى بھی نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے سُبْحَانَكَ فَبَلٰى بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم سورہ "تین" میں آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ (کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟) پڑھو تو کہو بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ (کیوں نہیں، میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں) اور جب سورہ قیامہ کی یہ آیت (اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى) ''کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کردے؟'' پڑھو تو کہو بَلٰى۔ اور جب سورۂ مرسلات کی آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ''اس قرآن کے بعد یہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟'' پڑھو تو کہو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔''

تخریج: حَدَّثَنَا عَبُدُ اللّٰهِ بُنُ مُحَمَّدِ ن الزُّهرِیُّ، حَدَّثَنَا سُفُیَانُ، حَدَّثَنِی اِسُمَاعِیلُ بُنُ اُمَیَّةَ، سَمِعُتُ اَعُرَابِیًّا یَقُولُ: سَمِعُتُ اَبَا هُرَیرَةَ یَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنُ قَرءَ مِنکُمُ وَالتِّینِ وَالزَّیُتُونِ، فَانُتَهیٰ اِلیٰ آخِرِهَا اَلَیسَ اللّٰهُ بِاَحُکَمِ الُحَاکِمِینَ؟ فَلُیَقُلُ بَلیٰ وَاَنَا عَلیٰ ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیُنَ۔ وَمَنُ قَرءَ لَا اُقُسِمُ بِیَوُمِ الُقِیٰمَةِ، فَانُتَهیٰ اِلیٰ قَوُلِهٖ اَلَیسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلیٰ اَنُ یُّحیِیَ الُمَوُتیٰ فَلُیَقُلُ بَلیٰ۔ وَمَنُ قَرءَ و الُمُرُسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیثٍ بَعُدَهٗ یُؤُ مِنُوُنَ؟ فَلُیَقُلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ (۹)

(اسی مضمون کی روایت امام احمد، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی اور حاکم نے بھی نقل کی ہیں)

تشریح: مندرجہ بالا احادیث میں حضورؐ نے مسلمانوں کو قرآن کریم کی چند آیات کا جواب دینے کی تلقین کی ہے۔ گویا کہ ان کو صرف دل سے سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ زبان سے صاف طور پر ان کا جواب دینا چاہیے کیونکہ تخلیق آدم، حیات بعد الموت اور خدا کی وحدانیت کے بارے میں اقوام نے ہمیشہ دھوکا کھایا ہے۔ حالانکہ ہر ذی شعور انسان فوراً ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے۔

انسان کا تخلیقی مادہ

(غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے انسان کی حقیقت کیا ہے) انسان کا مایۂ تخلیق اس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں، مثلاً کچھ کاربن، کچھ کیلشیم، کچھ سوڈیم اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انہی کو ترکیب دے کر وہ حیرت انگیز ہستی بنا کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات، شعور، تعقل اور تخیل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا منبع بھی اس کے عناصر ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہوا ہو، بلکہ اس کے اندر وہ عجیب تولیدی قوت بھی پیدا کر دی گئی ہے جس کی بدولت کروڑوں اور اربوں انسان وہی ساخت اور وہی صلاحتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے حد وحساب انفرادی خصوصیات کے حامل نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا (تمہاری) عقل یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خلقت کسی صانع حکیم کی تخلیق کے بغیر آپ سے آپ ہوگئی ہے؟ کیا تم بحالت ہوش وحواس یہ کہہ سکتے ہو کہ تخلیق انسان جیسا عظیم الشان منصوبہ بنانا اور اس کو عمل میں لانا اور زمین و آسمان کی بے حد وحساب قوتوں کو انسانی زندگی کے لیے سازگار کر دینا بہت سے خداؤں کی فکر و تدبیر کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا تمہارا دماغ اپنی صحیح حالت میں ہوتا ہے جب تم یہ گمان کرتے ہو کہ جو خدا انسان کو خالص عدم سے وجود میں لایا ہے وہ اسی انسان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۲۷)

خالق کا کمالِ حکمت

(پھر) خالق کا کمالِ حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صنف نہیں بنائی، بلکہ اسے دو صنفوں (Sexes) کی شکل میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہیں جن کی بناوٹ کا بنیادی فارمولا بھی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت مختلف ذہنی و نفسی اوصاف اور مختلف جذبات و داعیات لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ پھر ان کے درمیان یہ

حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے۔ ہر ایک کا جسم اور اس کے نفسیات و داعیات دوسرے کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید برآں وہ خالق حکیم ان دونوں صنفوں کے افراد کو آغاز آفرینش سے برابر اس تناسب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطۂ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے ہوں، یا کہیں کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرہ برابر بھی نہ اس معاملہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زنانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا ٹھیک جوڑ ہوں، اور نہ اس معاملہ میں اس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدائش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے۔ ہزار ہا سال سے کروڑوں اور اربوں انسانوں کی پیدائش میں اس تدبیر و انتظام کا اتنے متناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز صریحاً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالق حکیم اور ایک ہی خالقِ حکیم نے اپنی غالب حکمت و قدرت سے ابتداءً مرد اور عورت کا ایک موزوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد وحساب مرد اور بے حد وحساب عورتیں اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات لیے ہوئے دنیا بھر میں ایک تناسب کے ساتھ پیدا ہوں۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۲۸)

اللہ کی بادشاہی کے مطلق (Absolute) ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت (یہ) ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے۔ جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا۔ جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحمِ مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختارِ کل ہونے کا زعم کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۷۷)

حیات بعد موت کا امکان

حیات بعد موت کے امکان کے سلسلے میں انسان کی تخلیق سب سے بڑی دلیل ہے۔ (چنانچہ) جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کر کے پورا انسان بنا دینے تک کا پورا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے۔ ان کے لیے تو فی الحقیقت اس دلیل کا کوئی جواب ہے ہی نہیں، کیونکہ وہ خواہ کتنی ہی ڈھٹائی برتیں، ان کی عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔ رہے وہ لوگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، وہ اگر ہٹ دھرمی پر تلے ہوئے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہ ہے کہ آغاز آفرینش سے آج تک دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس

طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجے میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش مسلسل اس تناسب سے ہوتی چلی جارہی ہے کہ کہیں زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں اور آئندہ اس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے؟ کیا یہ بھی اتفاقاً ہی ہوئے چلا جارہا ہے؟ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم ہوجانا چاہیے کہ وہ اٹھ کر بے تکلف ایک روز یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن اور نیویارک، ماسکو اور پیکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۶، القیامۃ: حاشیہ:۲۵)

ناقابلِ توجیہ حوادثِ حیات اور خالقِ کائنات

ایک معترض کے جواب میں:

(ناقابل توجیہہ حوادث حیات پر غور کرتے وقت) آپ پہلے کُل کے متعلق سوچیے کہ آیا یہ بغیر کسی خالق اور ناظم اور مدبّر کے موجود ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر خلقِ بے خالق اور نظم بے ناظم کے وجود پر آپ کا قلب مطمئن ہوجاتا ہے تو باقی سب سوالات غیر ضروری ہیں، کیونکہ جس طرح سب کچھ الل ٹپ بن گیا اسی طرح سب کچھ الل ٹپ چل بھی رہا ہے۔ اس میں کسی حکمت، مصلحت اور رحمت و ربوبیت کا کیا سوال؟ لیکن اگر اس چیز پر آپ کا دل مطمئن نہیں ہوتا تو پھر کُل کے جتنے پہلو بھی آپ کے سامنے ہیں؟ ان سب پر بحیثیت مجموعی غور کرکے یہ جاننے کی کوشش کیجیے کہ ان اشیاء کی پیدائش، ان کا وجود، ان کے حالات اور ان کے اوصاف میں ان کے خالق و مدبّر کی کن صفات کے آثار و شواہد نظر آتے ہیں۔ کیا وہ غیر حکیم ہوسکتا ہے؟ کیا وہ بے علم اور بے خبر ہوسکتا ہے؟ کیا وہ بے مصلحت اور بے مقصد اندھا دھند کام کرنے والا ہوسکتا ہے؟ کیا وہ بے رحم اور ظالم اور تخریب پسند ہوسکتا ہے؟ اس کے کام اس بات کی شہادت ہیں کہ وہ بنانے والا ہے یا اس بات کی کہ وہ بگاڑنے والا ہے؟ اس کی بنائی ہوئی کائنات میں صلاح اور خیر اور تعمیر کا پہلو غالب ہے یا فساد اور شر اور خرابی کا پہلو؟ ان امور پر کسی سے پوچھنے کے بجائے آپ خود ہی غور کیجیے اور خود رائے قائم کیجیے۔ اگر بحیثیت مجموعی اپنے مشاہدے میں آنے والے آثار و احوال کو دیکھ کر آپ یہ محسوس کرلیں کہ وہ حکیم و خبیر ہے، مصلحت کے لیے کام کرنے والا ہے اور اس کے کام میں اصل تعمیر ہے نہ کہ تخریب، تو آپ کو اس بات کا جواب خود ہی مل جائے گا کہ اس نظام میں جن جزو آثار و احوال کو دیکھ کر آپ پریشان ہورہے ہیں وہ یہاں کیوں پائے جاتے ہیں۔ ساری کائنات کو جو حکمت چلارہی ہے اس کے کام میں اگر کہیں تخریب کے پہلو پائے جاتے ہیں تو لامحالہ وہ ناگزیر ہی ہونے چاہئیں۔ یہ تخریب تعمیر ہی کے لیے مطلوب ہونی چاہیے۔ یہ جزوی فساد کلی صلاح ہی کے لیے مطلوب ہونا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ ہم اس کی ساری مصلحتوں کو کیوں نہیں سمجھتے تو بہر حال یہ واقعہ ہے کہ ہم اُن کو نہیں سمجھتے۔ یہ بات نہ میرے بس میں ہے اور نہ آپ کے بس میں کہ اس امر واقعی کو بدل ڈالیں۔ اب کیا محض اس لیے کہ ہم ان کو نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھ سکتے، ہم پر یہ جھنجھلاہٹ طاری ہوجانی چاہیے کہ ہم حکیم و خبیر کے وجود ہی کا انکار کردیں؟ یہ استدلال کہ ''یا تو ہر جزوی حادثے کی مصلحت ہماری سمجھ میں آئے یا پھر اس کے متعلق کوئی سوال ہمارے ذہن میں پیدا ہی نہ ہو، ورنہ ہم ضرور اسے خالق کی پالیسی میں جھول قرار دیں گے، کیونکہ اس نے ہمیں سوال کرنے کے قابل تو بنادیا لیکن جواب معلوم کرنے کے ذرائع عطا نہیں کیے۔'' میرے نزدیک استدلال کی بہ نسبت جھنجھلاہٹ کی شان زیادہ رکھتا ہے۔ گویا آپ خالق کو اس بات کی سزا دینا

چاہتے ہیں کہ اس نے آپ کو ہر سوال کا جواب پالینے کے قابل کیوں نہ بنایا، اور وہ سزا یہ ہے کہ آپ اسے اس بات کا الزام دے دیں گے کہ تیری پالیسی میں جھول ہے۔ اچھا یہ سزا آپ اس کو دے دیں۔ اب مجھے بتایئے کہ اس سے آپ کو کس نوعیت کا اطمینان حاصل ہوا؟ کس مسئلہ کو آپ نے حل کرلیا؟ اس جھنجھلاہٹ کو اگر آپ چھوڑ دیں تو بہ آسانی اپنے استدلال کی کمزوری محسوس کرلیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوال کرنے کے لیے جس قابلیت کی ضرورت ہے، جواب دینے یا جواب پانے کے لیے وہ قابلیت کافی نہیں ہوتی۔ خالق نے سوچنے کی صلاحیت تو آپ کو اس لیے دی ہے کہ اس نے آپ کو ''انسان'' بنایا ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے جو مقام آپ کو دیا گیا ہے اس کے لیے یہ صلاحیت آپ کو عطا کرنا ضروری تھا۔ مگر اس صلاحیت کی بنا پر جتنے سوالات کرنے کی قدرت آپ کو حاصل ہے، ان سب کا جواب پانے کی قدرت عطا کرنا اس خدمت کے لیے ضروری نہیں ہے، جو مقام انسانیت پر رہتے ہوئے آپ کو انجام دینی ہے۔ آپ اس مقام پر بیٹھے بیٹھے ہر سوال کر سکتے ہیں لیکن بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کا جواب آپ اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ مقام انسانیت سے اٹھ کر مقام الوہیت پر نہ پہنچ جائیں اور یہ مقام بہر حال آپ کو نہیں مل سکتا۔ سوال کرنے کی صلاحیت آپ سے سلب نہیں ہوگی کیونکہ آپ انسان بنائے گئے ہیں۔ پتھر یا درخت یا حیوان نہیں بنائے گئے ہیں۔ مگر ہر سوال کا جواب پانے کے ذرائع آپ کو نہیں ملیں گے، کیونکہ آپ انسان ہیں خدا نہیں ہیں۔ اسے اگر آپ خالق کی پالیسی میں ''جھول'' قرار دینا چاہیں تو دے لیجیے۔

(رسائل ومسائل حصہ چہارم: نا قابل توجیہ حوادثِ حیات)

توبہ کرنے والا اللہ کو بہت پیارا لگتا ہے

۴۹۔ (حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے نبی ﷺ نے تمثیلاً فرمایا) کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں کھو یا گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اونٹ پر ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو، اور عین اس حالت میں یکا یک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی، اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ (تفہیم القرآن: ج ۲، ہود: حاشیہ: ۱۰۱)

تخریج : ﴿۱﴾ حَدَّثَنَامُحَمَّدُبْنُ الصَّبَّاحِ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا جَمِيْعًا: نَا عُمَرُ بْنُ يُوْنُسَ، نَاعِكْرَمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، نَا اِسْحَاقُ بْنُ اَبِيْ طَلْحَةَ،نَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَهُوَ عَمُّهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضِ فُلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا قَدْاَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْهُوَ بِهَا قَائِمَةٌ عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ! اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَأَمِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (۱۰)

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ واللَّفْظُ لِعُثْمَانَ، قَالَ اِسْحَاقُ: اَنَا، وَقَالَ عُثْمَانُ: نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ سُوَيْدٍ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى

عَبدِ اللّٰہِ اَعُودُہٗ وَھُو مَرِیضٌ فَحَدَّثَنَا بِحَدِیثَینِ، حَدِیثًا عَنْ نَفْسِہٖ وَحَدِیثًا عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ، یَقُولُ: لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَۃِ عَبدِہِ المُؤمِنِ مِنْ رَّجُلٍ فِی اَرْضٍ دَوِّیَّۃٍ مَھلَکَۃٍ مَعَہٗ رَاحِلَتُہٗ عَلَیھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَنَامَ فَاستَیقَظَ وَقَدذَھَبَتْ فَطَلَبَھَا حَتّٰی اَدرَکَہُ العَطَشُ، ثُمَّ قَالَ اَرجِعُ اِلٰی مَکَانِی الَّذِی کُنتُ فِیہِ، فَاَنَامُ حَتّٰی اَمُوتَ فَوَضَعَ رَأْسَہٗ عَلٰی سَاعِدِہٖ لِیَمُوتَ فَاستَیقَظَ وَعِندَہٗ رَاحِلَتُہٗ وَعَلَیھَا زَادُہٗ وَ طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاللّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَۃِ العَبدِ المُؤمِنِ مِنْ ھٰذَا بِرَاحِلَتِہٖ وَزَادِہٖ۔ (۱۱)

ترجمہ: حضرت حارثؓ بن سوید کہتے ہیں کہ عبداللہ بیمار تھے میں ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس گیا۔ انھوں نے ہمیں دو حدیثیں سنائیں۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک، انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا فرماتے تھے۔ ’’ایک بندۂ مومن کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کو اس سے کہیں زیادہ مسرت اور خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی اس شخص کو ہوتی ہے جو ایک بے آب و گیاہ جنگل میں بھٹک گیا ہو، اس کا زادراہ اور اس کے خورد ونوش کا سامان اس کی اونٹنی پر ہو اور وہ خود سو گیا ہو تو اس کی اونٹنی چلی گئی ہو۔ اس نے اونٹنی کو بہت تلاش کیا ہو اور اسی اثناء میں اسے شدت کی پیاس لگ گئی ہو۔ بالآخر وہ مایوس ہو کر یہ فیصلہ کرے کہ میں اسی جگہ جہاں پہلے سویا تھا جا کر دوبارہ سو جاتا ہوں تاکہ میں مر جاؤں۔ اس خیال سے وہ اپنی کلائی پر سر رکھ کر سو جاتا ہے۔ اچانک بیدار ہوتا ہے تو اس کی اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہوتی ہے۔ زادراہ، سامان طعام و شراب سب کچھ اسی طرح پالیتا ہے تو اس وقت جیسی خوشی اس کو ہوگی اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندۂ مومن کے اس کی جناب میں پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔‘‘

〈۳〉 حَدَّثَنَا عُبَیدُ اللّٰہِ بْنُ مُعَاذٍ العَنبَرِیُّ، نَا اَبِی، نا اَبُویُونُسَ عَنْ سِمَاکٍ، قَالَ: خَطَبَ النُّعمَانُ بْنُ بَشِیرٍ، فَقَالَ: لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَۃِ عَبدِہٖ مِنْ رَجُلٍ حَمَلَ زَادَہٗ وَمَزَادَہٗ عَلٰی بَعِیرٍ، ثُمَّ سَارَ حَتّٰی کَانَ بِفَلَاۃٍ مِنَ الاَرْضِ فَاَدرَکَتْہُ القَائِلَۃُ فَنَزَلَ فَقَالَ تَحتَ شَجرَۃٍ فَغَلَبَتْہُ عَینُہٗ وَانسَلَّ بَعِیرُہٗ، فَاستَیقَظَ فَسَعٰی شَرَفًا فَلَمْ یَرَشَیئًا، ثُمَّ سَعٰی شَرَفًا ثَانِیًا فَلَمْ یَرَشَیئًا، ثُمَّ سَعٰی شَرَفًا ثَالِثًا فَلَمْ یَرَشَیئًا، فَاَقبَلَ حَتّٰی اَتٰی مَکَانَہ الَّذِی قَالَ فِیہِ فَبَینَمَا ھُوَ قَاعِدٌ اِذَا جَاءَہٗ بَعِیرُہٗ یَمشِی حَتّٰی وَضَعَ خِطَامَہٗ فِی یَدِہٖ فَلَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوبَۃِ العَبدِ مِنْ ھٰذَا حِینَ وَجَدَ بَعِیرَہٗ عَلٰی حَالِہٖ۔ (۱۲)

ترجمہ: نعمان بن بشیر نے خطبہ میں فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنا سامان خورد ونوش اور زادراہ اونٹ پر لاد کر کسی بے آب و گیاہ زمین میں پہنچ گیا ہو۔ وہاں نیند نے غلبہ کیا ہو۔ چنانچہ وہ قیلولہ کے لیے ایک درخت کے سایہ میں ستانے لیٹ گیا ہو اور اس پر نیند غالب آگئی ہو۔ اس دوران میں اس کا اونٹ بھاگ گیا ہو۔ جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹ غائب ہے۔ ادھر بھاگتا ہے ادھر بھاگتا ہے۔ ٹیلوں پر چڑھ کر ہر طرف نظر دوڑاتا ہے مگر اونٹ کہیں نظر نہیں آتا۔ مایوس ہو کر اسی جگہ جہاں قیلولہ کیا تھا آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی پریشانی میں بیٹھا ہے کہ اچانک اونٹ ایک طرف سے چلتا ہوا آجاتا ہے اور وہ اس کی نکیل اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے اپنے اونٹ کو صحیح حالت میں پانے

کی وجہ سے جو مسرت اور خوشی اس بندے کو ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے ہوتی ہے۔''

〈۴〉 حَدَّثَنَا یَحْیٰ بْنُ یَحْیٰ وَجَعْفَرُ بْنُ حُمَیْدٍ، قَالَ جَعْفَرٌ: نا، وقَالَ یَحْیٰ: انا عُبَیْدُ اللّٰہِ ابْنُ اِیَادٍ عَنْ اِیَادٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَیْفَ تَقُوْلُوْنَ بِفَرَحِ رَجُلٍ اِنْفَلَتَتْ مِنْهُ رَاحِلَتُهٗ تَجُرُّ زِمَامَهَا بِاَرْضٍ قَفْرٍ لَیْسَ بِهَا طَعَامٌ وَلَا شَرَابٌ وَعَلَیْهَا لَهٗ طَعَامٌ وَشَرَابٌ فَطَلَبَهَا حَتّٰی شَقَّ عَلَیْهِ ثُمَّ مَرَّتْ بِجِذْلِ شَجَرَةٍ فَتَعَلَّقَ زِمَامُهَا فَوَجَدَهَا مُتَعَلِّقَةً بِهٖ قُلْنَا شَدِیْدًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَمَا وَاللّٰہِ لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنَ الرَّجُلِ بِرَاحِلَتِهٖ۔ (۱۳)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم اس شخص کی خوشی کے متعلق کیا کہتے ہو جس کی سواری (اونٹنی) کسی بنجر بے آباد زمین میں اپنی نکیل گھسیٹتی ہوئی نکل گئی ہو جہاں نہ کھانے کی کوئی چیز دستیاب ہو اور نہ پینے کی۔ اس کا خوردونوش کا سارا سامان اس پر لدا ہو۔ اور وہ اس کی تلاش کر کے تکان سے نڈھال ہو گیا ہو۔ پھر وہ اونٹنی ایک ٹھنٹھ (بے شاخ کے درخت کا تنہ) کے پاس سے گزری ہو اور اس کی نکیل اس میں پھنس گئی ہو اور اس نے اسے وہاں پالیا ہو''، صحابہ نے عرض کیا۔ حضورؐ والا اسے تو بے انتہا خوشی ہوگی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے۔''

〈۵〉 عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَلّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ رَجُلٍ اَضَلَّ رَاحِلَتَهٗ بِفَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ فَالْتَمَسَهَا حَتّٰی اِذَا اَعْیٰ تَسَجّٰی بِثَوْبِهٖ فَبَیْنَا هُوَ کَذٰلِكَ اِذْ سَمِعَ وَجْبَةَ الرَّاحِلَةِ حَیْثُ فَقَدَهَا فَکَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهٖ فَاِذَا هُوَ بِرَاحِلَتِهٖ۔ (۱٤)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے اس کی جناب میں پلٹ آنے سے جو مسرت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اس شخص کو ہوتی ہے جو بے آب و گیاہ علاقے میں اپنی سواری گم کر بیٹھے اور تلاش کر کے درماندہ ہو گیا ہو اور مایوس ہو کر چہرے پر کپڑا لپیٹ کر بیٹھ رہا ہو۔ اسی اثناء میں اچانک وہ اپنی سواری کی آواز اسی جگہ سنتا ہے جہاں سے گم ہوئی تھی کپڑا چہرے سے ہٹا کر دیکھتا ہے تو گم شدہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے۔''

خالق کو اپنی مخلوق کتنی محبوب ہے

۵۰۔ (حضورؐ نے فرمایا) اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔

دوسری مثال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا اور وہ ممتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا ہر گز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ

اپنی حد تک تو اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھے گی۔فرمایا ''اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ سنگ دل اور بے رحم نہیں ہے۔اس کو اپنی مخلوقات سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ سزا دینے ہی کو اس کا دل چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر ہی وہ خوش ہو۔تم لوگ اپنی سرکشیوں میں جب حد سے گزر جاتے ہو اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز ہی نہیں آتے تب وہ بادل ناخواستہ تمہیں سزا دیتا ہے ورنہ اس کا حال تو یہ ہے کہ تم خواہ کتنے ہی قصور کر چکے ہو، جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اس کی طرف پلٹو گے اس کے دامن رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔کیونکہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے وہ بے پایاں محبت رکھتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۲، ہود حاشیہ:۱۰۱)

احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جو ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے حتیٰ کہ اس کی اپنے غضب پر بھی غالب ہے۔اس دنیا میں جو کچھ بھی ہمدردی آپ کہیں پاتے ہیں ظاہر بات ہے کہ اس کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔اگر ایک ماں بچے کو پرورش کر رہی ہے تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم اس کے دل میں ڈال دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کے لیے شفقت پیدا کر دی ہے۔ورنہ ظاہر بات ہے کہ ماں سے بڑھ کر دشمن اور کوئی نہ ہوتا کیونکہ اس کا خون چوس کر تو پرورش پائی اس نے۔نہایت تکلیف دے کر وہ پیدا ہوا۔جب تک پیٹ میں رہا تکلیف دیتا رہا۔باہر نکلنے کے بعد مدتوں اس کا جینا اور اس کا کھانا اور پینا اور اس کا چین سب کچھ حرام کیا لیکن وہ ہے کہ اس پر جان دیتی ہے وہ ہے کہ اپنی جان سے بڑھ کر اس کو عزیز رکھ رہی ہے یہاں تک کہ اگر اس کو خطرہ پیش آئے تو اپنے آپ کو قربان کر دیتی ہے اس کے اوپر۔

یہ کیا چیز ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جو انسانوں کی پرورش کے لیے اس نے ماں کے دل میں ڈال دی ہے۔اسی طرح سے دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی رحمت پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری اس کا سرچشمہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم کا پرتو جس جس چیز کے اوپر جتنا ڈال دیا اتنا ہی اس کے اندر رحم آ گیا۔ورنہ بجز پتھروں کے یہاں کچھ نہ ہوتا۔انسان بھی ہوتے تو پتھر کی طرح سنگ دل ہوتے اور دنیا میں جس طرف بھی آپ نگاہ ڈالیں جو کچھ بھی مخلوقات کو مل رہا ہے اللہ تعالیٰ کے رحم کی وجہ سے ہے۔اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو طرح طرح کی آفات میں مبتلا کر دے لیکن یہ مخلوقات جو دنیا میں جی رہی ہے وہ اس کی رحمت کی وجہ سے جی رہی ہے۔وہ رحم فرما رہا ہے اس وجہ سے لوگوں کو دنیا میں رزق بھی مل رہا ہے۔دنیا کو پرورش کا اور آسائش کا سامان بھی مل رہا ہے۔ (کیسٹ نمبر ا سورۂ فاتحہ)

اب ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ جو خدا محبت مادری اور شفقت پدری کا خالق ہے خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لیے کیسی کچھ محبت موجود ہوگی۔ (تفہیم القرآن، ج۲، ہود حاشیہ:۱۰۱)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْيَمَ قَالَ:اَخبَرَنَا اَبُوغَسَّانٍ، قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُبْنُ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِسَبْيٍ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْتَحَلَّبَ ثَدْيُهَا بِسَقْيٍ اِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَاَرْضَعَتْهُ۔ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: اَتَرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى اَلَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: لَلّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا۔ (۱۵)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی آئے ان میں ایک خاتون بھی تھی۔ قیدیوں میں جب وہ کسی بچے کو پاتی تو اس کی چھاتیوں سے دودھ بہنے لگتا وہ اس بچے کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلانا شروع کر دیتی۔ یہ منظر دیکھ کر نبی ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کیا خیال ہے تمہارا کہ یہ عورت اپنے جگر کو اپنے ہاتھوں سے آگ میں پھینک دے گی؟'' ہم نے عرض کیا، ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار وہ اگر خود گرتا ہو تو وہ اپنی حد استطاعت تک اسے بچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔''

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، ثنا مُحَمَّدُبْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ مَنْظُوْرٍ، عَنْ عَمِّهٖ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ عَمِّىْ، عَنْ عَامِرٍ، الرَّامِ اَخِى الْخَضِرِ، قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ: قَالَ النُّفَيْلِيُّ: هُوَ الْخَضِرُ وَلٰكِنْ كَذَا قَالَ، فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ اِذَا اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَفِىْ يَدِهٖ شَيْئٌ قَدِ الْتَفَّ عَلَيْهِ۔ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَمَّا رَأَيْتُكَ اَقْبَلْتُ اِلَيْكَ فَمَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيْهَا اَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَاَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِىْ كِسَائِىْ فَجَاءَتْ اُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلٰى رَأْسِىْ فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ مَعَهُنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ بِكِسَائِىْ فَهُنَّ اُولَاءِ مَعِىْ، قَالَ: ضَعْهُنَّ عَنْكَ۔ فَوَضَعْتُهُنَّ، وَاَبَتْ اُمُّهُنَّ اِلَّا لُزُوْمَهُنَّ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَصْحَابِهٖ: اَتَعْجَبُوْنَ لِرُحْمِ، اُمِّ الْاَفْرَاخِ فِرَاخَهَا؟ قَالُوْا: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَوَالَّذِىْ بَعَثَنِىْ بِالْحَقِّ، لَلّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا الحديث۔ (۱۶)

ترجمہ: صحابہؓ کا بیان ہے ایک روز ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا۔ چادر اس نے اوڑھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں کوئی چیز پکڑے ہوئے تھا۔ آتے ہی بولا یارسول اللہؐ میں نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کی جانب متوجہ ہوا ہی تھا کہ میرا گزر درختوں کے جھنڈ پر ہوا۔ میں نے وہاں پرندوں کے چوزوں کی آوازیں سنیں۔ میں نے انھیں پکڑ کر اپنی چادر میں لپیٹ لیا ان کی ماں آئی اور میرے سر پر چکر لگانے لگی۔ میں نے چوزوں پر سے چادر ہٹائی تو وہ بے ساختہ چادر میں گر پڑی اور بچوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ پس میں نے ان سب کو چادر میں اکٹھا کر لیا اور یہ میرے پاس ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''زمین پر رکھو''، میں نے انھیں زمین پر رکھ دیا تو ان کی ماں نے انھیں چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا اور ان کے ساتھ چمٹی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کیا چڑیا کا اپنے بچوں سے اس قدر محبت والفت کرنا تمہارے لیے باعث تعجب ہے؟'' عرض کیا ہاں یارسول اللہؐ۔ ارشاد فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔''

﴿۳﴾ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُبْنُ اَبِىْ غَالِبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ اَبِىْ يَقُوْلُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ اَنَّ اَبَارَافِعٍ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِىْ سَبَقَتْ غَضَبِىْ فَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ۔ (۱۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تخلیق سے پہلے ایک نوشتہ میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے، اور یہ ارشاد باری تعالیٰ عرش پر اس کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے۔''

علم ما کان و ما یکون صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

۵۱۔ مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ (ای النَّبِیُّ ﷺ) یَعْلَمُ مَا یَکُوْنُ فِی غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰهِ الْفِرْیَةَ، وَاللّٰهُ یَقُوْلُ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا کیوں کہ اللہ تو فرماتا ہے، اے نبی! تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النمل حاشیہ: ۸۳)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ، نَا اِسْحَاقُ بْنُ یُوْسُفَ الْاَزْرَقُ، نا دَاوٗدُ بْنُ اَبِی هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِیِ عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: کُنْتُ مُتَّکِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ: یَااَبَاعَائِشَةَ ثَلَاثٌ مَنْ تَکَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ اللّٰهِ: مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ عَلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ: لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَکُنْتُ مُتَّکِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْظِرِیْنِیْ وَلَا تَعْجِلِیْنِیْ اَلَیْسَ اللّٰهُ تَعَالیٰ یَقُوْلُ: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ قَالَتْ: اَنَا وَاللّٰهِ اَوَّلُ مَنْ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ هٰذا قَالَ: اِنَّمَا ذٰلِكَ جِبْرَئِیْلُ مَارَاَیْتُهٗ فِی الصُّوْرَةِ الَّتِیْ خُلِقَ فِیْهَا غَیْرَ هَا تَیْنِ الْمَرَّ تَیْنِ رَاَیْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَآءِ سَادًّا عُظْمُ خَلْقِهٖ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا کَتَمَ شَیْئًا مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْهِ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ عَلَی اللّٰهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ عَلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (۱۸)

هذا حدیث حسن صحیح و مسروق بن الاجدع یکنی اَبَاعائشة۔

ترجمہ: حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ آپ فرمانے لگیں، اے ابو عائشہ! تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی شخص نے ان میں سے ایک بات بھی کہی تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ (۱) جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو (ان آنکھوں سے) دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَیُدْرِكُ الْاَبْصَارَ: نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں، وہ نگاہوں کو پاسکتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے۔ اس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے

طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا یہ سن کر سیدھا بیٹھ گیا اور عرض کیا اے ام المومنین! ذرا ٹھیریے جلدی نہ کیجیے! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (اور یقیناً ایک مرتبہ اور اس نے اسے دیکھا) وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (اور یقیناً اس نے اسے روشن افق پر دیکھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس معاملے کو دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ تو جبریل علیہ السلام تھے۔ میں نے ان کو ان کی اصلی صورت میں جس پر اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ ان دو مواقع پر میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی (۲) اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وحی میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی کچھ چھپا رکھا تھا تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے رسول! جو آپؐ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ پوری طرح پہنچا دو (۳) اور جو یہ خیال کرتا ہے کہ محمد ﷺ یہ جانتے تھے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ زمین و آسمان کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنِىْ يَحْىٰ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ اَبِىْ خَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ يَا اُمَّتَاهُ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ، فَقَالَتْ! لَقَدْ قَفَّ شَعْرِىْ مِمَّاقُلْتَ اَيْنَ اَنْتَ مِنْ ثَلَاثٍ مَنْ حَدَّثَكُنَّ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ، وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ يَعْلَمُ مَافِىْ غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَاذَاتَكْسِبُ غَدًا، وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ يَا يُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْآيَةَ وَلٰكِنَّهٗ رَاٰى جِبْرِيْلَ فِىْ صُوْرَتِهٖ مَرَّتَيْنِ۔ (۱۹)

ترجمہ: حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ سے دریافت کیا۔ اماں جان کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''مسروق کی یہ بات سن کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ فرمانے لگیں مسروق تمہیں یہ تین چیزیں پیش نظر رہیں جو شخص انھیں بیان کرے اس نے جھوٹ بولا۔ جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا وہ دروغ گو ہے، پھر آپ نے بطور استشہاد قرآن پاک کی آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ الآیة پڑھی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے وہ باریک بین اور باخبر ہستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بشر سے کلام وحی کے ذریعہ سے کرتا ہے یا پس پردہ، اور جو شخص تم سے یہ کہے کہ نبی کریمؐ کل ہونے والے حالات و واقعات کا علم رکھتے ہیں وہ بھی دروغ گو ہے استشہاد کے طور پر آپ نے وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَاذَاتَكْسِبُ غَدًا تلاوت فرمائی، ''یعنی کسی جی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا'' اور جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ آپؐ نے کتمانِ حق کیا ہے وہ بھی دروغ گو ہے پھر قرآن کی آیت تلاوت فرمائی يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ ''اے رسولؐ! تیرے رب کی جانب سے جو

کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک بلا کم و کاست پہنچادے۔'' البتہ یہ بات ہے کہ آپؐ نے جبریل امین کو دو مرتبہ اس کی اپنی اصل صورت میں ضرور دیکھا ہے۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ یُوْسُفَ، حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ، عَنِ الشَّعْبِیِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ : مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ یَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ، وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ یَقُوْلُ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔(۲۰)

ترجمہ: حضرت مسروق ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا ''جو کوئی تجھ سے یوں کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ بکا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ آنکھیں اسے نہیں پاسکتیں۔اور جو کوئی تجھ سے یہ کہے کہ نبی ﷺ بھی عالم الغیب ہیں وہ بھی جھوٹا ہے اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا علم غیب کوئی نہیں جانتا۔''

۵۲۔ (ابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ) ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا ''اے محمدؐ! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے، بارش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے، وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا، کل میں کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں، مروں گا کہاں؟

ان سوالات کے جواب میں حضورؐ نے سورہ لقمان: ۳۴ کی یہ آیت سنائی:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ج وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔

''کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی؟ (تفہیم القرآن، ج۳، النمل حاشیہ:۸۳)

تخریج: حَدَّثَنَا الْحَرْثُ، قَالَ: ثَنَا الْحَسَنُ، قَالَ: ثَنَا وَرْقَاءُ جَمِیْعًا، عَنِ ابْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ ... اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ امْرَأَتِیْ حُبْلٰی فَاَخْبِرْنِیْ مَاذَا تَلِدُ۔ وَبِلَادُنَا مَحْلٌ جَدْبَةٌ فَاَخْبِرْنِیْ مَتٰی یَنْزِلُ الْغَیْثُ ۔ وَقَدْ عَلِمْتُ مَتٰی وُلِدْتُّ فَاَخْبِرْنِیْ مَتٰی اَمُوْتُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ۔ (۲۱)

۵۳۔ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔

(بخاری ومسلم اور دوسری کتب حدیث کی مشہور روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبرئیل

نے انسانی شکل میں آ کر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے جواب دیا: ''جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں علم نہیں رکھتا۔'' پھر فرمایا: ''یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اور حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

تشریح: (حدیث مندرجہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ علم الغیب کا جاننے والا ہے) آسمان وزمین میں جو بھی مخلوقات ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا جن، یا انبیاء اور اولیاء یا دوسرے انسان اور غیر انسان، سب کا علم محدود ہے۔ سب سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ ہے۔ سب کچھ جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، جس سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی بات پوشیدہ نہیں، جو ماضی وحال اور مستقبل سب کو جانتا ہے۔

غیب کے معنی مخفی، پوشیدہ اور مستور کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو، جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں ہیں، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوعِ انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں، نہ آج ہیں، نہ آئندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنوں اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو معلوم ہیں، اور بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو ان سب سے مخفی ہیں اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز غیب نہیں سب شہادت ہی شہادت ہے۔

ہر صاحب عقل کا کام ہے کہ وہ اپنی جگہ اس امر پر غور کرے کہ فی الحقیقت کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب ہو؟ یعنی تمام ان احوال اور اشیاء اور حقائق کا جاننے والا ہو جو کائنات میں کبھی تھیں، یا اب ہیں، یا آئندہ ہوں گی؟ اور اگر کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے اور نہیں ہوسکتا تو پھر کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ جو لوگ پوری طرح حقائق اور احوال سے واقف ہی نہیں ہیں ان میں سے کوئی بندوں کا فریادرس اور حاجت روا اور مشکل کشا ہو سکے؟

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا اِسمَاعِیلُ بنُ اِبرَاهِیمَ اَخبَرَنَا اَبُوحَیَّانَ التَّیمِیُّ، عَنْ اَبِی زرعَةَ، عَنْ اَبِی هُرَیرَةَ، قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ بَارِزًا یَومًالِلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: مَا الاِیمَانُ؟ قَالَ: اَلاِیمَانُ اَنْ تُؤمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَبِلِقَآئِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤمِنَ بِالبَعثِ قَالَ: مَاالاِسلَامُ؟ قَالَ: اَلاِسلَامُ اَنْ تَعبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشرِكَ بِهٖ وَتُقِیمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤدِّیَ الزَّکٰوةَ المَفرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ: مَا الاِحسَانُ؟ قَالَ اَنْ تَعبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ قَالَ: مَتَی السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَاالمَسئُولُ بِاَعلَمَ مِنَ السَّآئِلِ وَسَاُخبِرُكَ عَنْ اَشرَاطِهَااِذَا وَلَدَتِ الاَمَةُ رَبَّهَا وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الاِبِلِ البُهمِ فِی البُنیَانِ فِی خَمسٍ لَا یَعلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عِندَهٗ عِلمُ السَّاعَةِ الاٰیَةَ ثُمَّ اَدبَرَ فَقَالَ: رُدُّوهُ فَلَم یَرَوْاشَیئًا فَقَالَ: هٰذَا جِبرِیلُ جَآءَ یُعَلِّمُ النَّاسَ دِینَهُم۔(۲۲) قَالَ ابو عبداللّٰه جَعَلَ ذٰلِكَ کُلَّهٗ مِنَ الاِیمان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ایک روز نبی ﷺ لوگوں کے سامنے باہر تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آپ کی

خدمت میں حاضر ہوااوراس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایاایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے ملاقات پراوراس کے رسولوں پرایمان لائے اور بعث بعدالموت کوتسلیم کرے۔ پھراس نے پوچھااسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایااسلام یہ ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھیرائے۔ نماز قائم کرے فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ پھراس نے پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایااحسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پھراگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو وہ تو بہر حال تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا قیامت کب قائم ہوگی؟ فرمایا۔ اس بارے میں مسئول عنہ سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا، البتہ اس کی چند نشانیاں اور شرائط میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، جب لونڈی اپنے مالک کوجنم دے اور جب شتربان اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرنے لگیں گے۔ قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کا علم سوااللہ تعالیٰ کے کسی کونہیں پھر آپؐ نے سورہ لقمان کی آخری آیات پڑھیں، اس کے بعد وہ سائل چلا گیا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایااسے واپس لاؤ۔ لیکن وہاں انھیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ارشادفرمایا کہ یہ جبریل امین تھے تمہیں تمہارادین سکھانے تشریف لائے تھے۔

الوہیت اورعلم غیب میں گہرا تعلق ہے

الوہیت اور علم غیب کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ قدیم ترین زمانے سے انسان نے جس ہستی میں بھی خدائی کے کسی شائبے کا گمان کیا ہے اس کے متعلق یہ خیال ضرور کیا ہے کہ اس پر سب کچھ روشن ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ گویاانسان کا ذہن اس حقیقت سے بالکل بدیہی طور پر آگاہ ہے، کہ قسمتوں کا بنانا اور بگاڑنا، دعاؤں کا سننا، حاجتیں پوری کرنااور طالب امداد کی مدد کو پہنچنا صرف اسی ہستی کا کام ہوسکتا ہے جوسب کچھ جانتی ہواور جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو۔ اسی بنا پر تو انسان جس کو بھی خدائی اختیار کا حامل سمجھتا ہے اسے لازماً عالم الغیب بھی سمجھتا ہے، کیونکہ اس کی عقل بلا ریب شہادت دیتی ہے کہ علم اور اختیارات باہم لازم وملزوم ہیں۔ اب اگر یہ حقیقت ہے کہ خالق اور مدبر اور مجیب الدعوات اور رازق خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے تو آپ سے آپ یہ بھی حقیقت ہے کہ عالم الغیب بھی خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آخرکون اپنے ہوش وحواس میں یہ تصور کرسکتا ہے کہ کسی فرشتے یا جن یا نبی یا ولی کو یا کسی مخلوق کو بھی یہ معلوم ہوگا کہ سمندر میں اور ہوا میں اور زمین کی تہوں میں اور سطح زمین کے اوپر کس کس قسم کے کتنے جانور کہاں کہاں ہیں؟ اور عالم بالا کے بے حد وحساب سیاروں کی ٹھیک تعداد کیا ہے؟ اور ان میں سے ہرایک میں کس کس طرح کی مخلوقات موجود ہیں؟ اور ان مخلوقات کا ایک ایک فرد کہاں ہے اور کیا اس کی ضروریات ہیں؟ یہ سب کچھ اللہ کو لازماً معلوم ہونا چاہیے، کیونکہ اس نے انھیں پیدا کیا ہے، اور اسی کو ان کے معاملات کی تدبیر اور ان کے حالات کی نگہبانی کرنی ہے، اور وہی ان کے رزق کا انتظام کرنے والا ہے، لیکن دوسرا کوئی اپنے محدود وجود میں یہ وسیع ومحیط علم رکھ کیسے سکتا ہے اور اس کا کیا تعلق اس کار خلاّقی ورزّاقی سے ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانے؟

کیا صفت علم غیب قابل تجزیہ ہے؟

پھر یہ صفت قابل تجزیہ بھی نہیں ہے کہ کوئی بندہ مثلاً صرف زمین کی حد تک اور زمین میں بھی صرف انسانوں کی حد تک عالم الغیب ہو۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوں گے رحم مادر

میں استقرار کے وقت سے آخری ساعت حیات تک ان سب کے تمام حالات و کیفیات کو جاننا آخر کس بندے کا کام ہوسکتا ہے؟ اور وہ کیسے اور کیوں اس کو جانے گا؟ کیا وہ اس بے حد وحساب خلقت کا خالق ہے؟ کیا اس نے ان کے باپوں کے نطفے میں ان کے جرثومے کو وجود بخشا تھا؟ کیا اس نے ان کی ماؤں کے رحم میں ان کی صورت گری کی تھی؟ کیا اس نے ان کی زندہ ولادت کا انتظام کیا تھا؟ کیا اس نے ان میں سے ایک ایک شخص کی قسمت بنائی تھی۔ کیا وہ ان کی موت اور حیات، ان کی صحت اور مرض، ان کی خوشحالی اور بدحالی، اور ان کے عروج اور زوال کے فیصلے کرنے کا ذمہ دار ہے؟ اور آخر یہ کام کب سے اس کے ذمے ہوا؟ اس کی اپنی ولادت سے پہلے یا اس کے بعد؟ اور صرف انسانوں کی حد تک یہ ذمہ داریاں محدود کیسے ہوسکتی ہیں؟ یہ کام تو لازماً زمین اور آسمانوں کے عالم گیر انتظام کا ایک جزء ہے۔ جو ہستی ساری کائنات کی تدبیر کر رہی ہے وہی تو انسانوں کی پیدائش و موت اور ان کے رزق کی تنگی و کشادگی اور ان کی قسمتوں کے بناؤ اور بگاڑ کی ذمہ دار ہوسکتی ہے۔

یہ اسلام کا اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے

اسی بناء پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے، اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کردے، لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔ (الانعام:۵۹) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ ''وہ جانتا ہے کہ جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اور اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کرسکتے اِلّا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انھیں علم دے (البقرہ[1]:۲۵۵) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ۔ وہ عالم الغیب ہے، پھر وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جس کو اس نے پسند کیا ہو، پھر وہ اس کے آگے اور پیچھے نگرانی کرنے والے لگا دیتا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ ان رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں۔ يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۔ اے نبیؐ! لوگ تم سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے، اور اے نبیؐ تمھیں کیا خبر، شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ (الاحزاب، رکوع:۸)

قرآن اور حدیث کی ان تصریحات کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم رکھتا ہے، قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۳، النمل حاشیہ:۸۳)

---

[1] سورۃ انعام:۵۰، الاعراف:۱۸۷، التوبہ:۱۰۱، ہود:۳۱، احزاب:۶۳، الاحقاف:۹، التحریم:۳، اور الجن:۲۶ تا ۲۸ اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

ماٰخذ

(۱) مسلم، ج ۲، کتاب الذِّکرِوَالدُّعَا والتوبة والاستغفار باب الدعاء عند النوم ☆ ترمذی ابوِاب الدعوات، ج ۲، باب منه ☆ مسند احمد بن حنبل، ج ۲،روایت ابوھریرةؓ۔

(۲) ابن کثیر ج ٤، سورة الحدید بحواله ابویعلیٰ۔

(۳) بخاری، ج ۲،کتاب القدر☆ بخاری، ج ۲، کتاب التوحید باب قوله ولقد سبقت کلمتنا لعبادناالمرسلین ☆مسلم، ج ۲، کتاب القدر باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه کتابة رزقه واجله وعمله وشقاوته وسعادتہٖ ☆ابوداؤد کتاب السنة باب فی القدر ☆ ترمذی ابواب القدر باب ماجاء ان الاعمال بالخواتیم ☆ ابنِ ماجه باب فی القدر۔

(٤) بخاری، کتاب القدر کتاب الرد علی الجهمیة الخ ☆ مسلم کتاب القدر باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه الخ۔

(٥) مسلم، ج ۲، کتاب البروالصلة والادب: باب تحریم الظلم ☆ الادب المفرد للبخاری، الظلم ظلمات۔ ☆المستدرك للحاکم، ج ٤۔

(٦) ترمذی: ابواب الزهد: باب ...... اور ابواب القیامة ☆ ابن ماجه: ابواب الزهد: باب ذکر التوبة ☆ مسند احمد: ج٥، قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ۔

(۷) مسند احمد ج ٥۔

(۸) تفسیر ابن جریر طبری جز ۲۸/ ۳۰ مجلد ۱۲ سوره قیامه۔ ☆ تفسیر ابن کثیر ج ٤،

(۹) ابوداؤد کتاب الصلاة باب مقدار الرکوع والسجود ☆ ترمذی ابواب التفسیر ج ۲، سوره التین ☆ابن کثیر ج ٤، ☆ روح المعانی جز ۳۰، سورۂ قیامه بحواله ابن المنذر، ابن مردویه، بیهقی ☆ مستدرك للحاکم کتاب التفسیر ج۲، سوره قیامه ☆ مسند احمد ج ۲، ☆ فتح القدیر للشوکانی ج ٥۔

(۱۰) مسلم، ج ۲،کتاب التوبة: باب فی الحض علی التوبة والفرح بها ☆ ریاض الصالحین۔

(۱۱) مسلم، ج ۲، کتاب التوبة: باب فی الحض علی التوبة والفرح بها ☆ مسند احمدبن حنبل، ج ۱، عن ابن مسعود۔

(۱۲) مسلم، ج ۲، کتاب التوبة: باب فی الحض علی التوبة والفرح بها ☆ دارمی: کتاب الرقاق: اللّٰه افرح بتوبة العبد۔

(۱۳) مسلم ج ۲، کتاب التوبة باب فی الحض علی التوبة والفرح بها۔

(۱٤) ابن ماجه ابواب الزهد باب ذکر التوبة۔

(۱٥) بخاری، ج ٦، کتاب الادب باب رحمة الولد وتقبیلہٖ ومعانقته۔

(۱٦) ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرة للذنوب۔

(۱۷) بخاری، ج ۲، کتاب الرد علی الْجَهْمِيَّةَ۔ باب قول اللّٰہ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فی لوح محفوظ الخ۔

(۱۸) ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام اور سورۃ النجم۔

(۱۹) بخاری، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ النجم۔

(۲۰) **بخاری،** ج ۱، کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالیٰ اناالرزّاق ذوالقوۃ المتین۔

(۲۱) تفسیر ابن جریر جز ۲۰/۲۳ پ:۲۱، سورہ لقمان واخرج ابن المنذر عن عکرمۃ نَحوہٗ وزاد وَقَدْ عَلِمْتُ مَا كَسَبْتُ الْيَوْمَ فَمَا ذَاأَكْسِبُ غَدًا وَزادایَضًا أَنَّهٗ سَأَلَهٗ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ ☆ تفسیر فتح القدیر للشوکانی، ج ٤، سورۃ لقمان، بحوالہ ابن ابی حاتم اور فریابی۔

(۲۲) بخاری، ج ۱، کتاب الایمان باب سوال جبریل النّبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان و علم الساعۃ ☆مسلم، ج۱، کتاب الایمان ☆ نسائی کتاب الایمان صفۃ الایمان والاسلام اور باب نعت الاسلام ☆ ترمذی ابواب الایمان ☆ ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی القدر ☆ ابن ماجہ باب الایمان (المقدمہ) ☆مسنداحمد ج ۲، عن ابی ہریرۃ۔

فصل سوم

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

''حدیث میں اس ذات پاک کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، جنھیں ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بالتفصیل نقل کیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اگر آدمی ان اسماء کو بغور پڑھے تو وہ بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کی کسی دوسری زبان میں اگر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہو تو کون سے الفاظ اس کے لیے موزوں ہوں گے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۴۶)

''اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے یاد کیا جائے جو اس کے لائق ہیں اور ایسے نام اس کی ذات برتر کے لیے استعمال نہ کیے جائیں جو اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے اس کے لیے موزوں نہیں ہیں یا جن میں اس کے لیے نقص یا گستاخی یا شرک کا کوئی پہلو نکلتا ہے، یا جن میں اس کی ذات یا صفات یا افعال کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ پایا جاتا ہے، اس غرض کے لیے محفوظ ترین صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہی نام استعمال کیے جائیں جو اس نے خود قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں یا جو دوسری زبان میں ان کا صحیح ترجمہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوقات کے سے نام یا مخلوقات کے لیے اللہ کے ناموں جیسے نام استعمال نہ کیے جائیں اور اگر کچھ صفاتی نام ایسے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہیں ہیں، بلکہ بندوں کے لیے بھی ان کا استعمال جائز ہے۔ مثلاً رؤف، رحیم، کریم، سمیع، بصیر وغیرہ، تو ان میں یہ احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے کہ بندے کے لیے ان کا استعمال اس طریقے پر نہ ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام ادب اور احترام کے ساتھ لیا جائے، کسی ایسے طریقے پر یا ایسی حالت میں نہ لیا جائے جو اس کے احترام کے منافی ہو۔ مثلاً ہنسی مذاق میں بیت الخلاء میں یا کوئی گناہ کرتے ہوئے اس کا نام لینا یا ایسے لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرنا جو اسے سن کر گستاخی پر اتر آئیں۔ یا ایسی مجلسوں میں اس کا نام لینا جہاں لوگ بے ہودگیوں میں مشغول ہوں اور اس کا ذکر سن کر مذاق میں اڑا دیں یا ایسے مواقع پر اس کا نام پاک زبان پر لانا جہاں اندیشہ ہو کہ سننے والا اسے ناگواری کے ساتھ سنے گا۔ امام مالکؒ کے حالات میں منقول ہے کہ جب کوئی سائل ان سے کچھ مانگتا اور وہ اسے کچھ نہ دے سکتے تو عام لوگوں کی طرح ''اللہ دے گا'' نہ کہتے بلکہ کسی اور طرح معذرت کر دیتے تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ سائل کو جب کچھ نہ دیا جائے اور اس سے معذرت کر دی جائے تو لامحالہ اسے ناگوار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر میں اللہ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اسے ناگواری کے ساتھ سنے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۶، الاعلیٰ، حاشیہ: ۱)

اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی زبان کے جتنے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں وہ اپنے اصل بنیادی مفہوم کے اعتبار سے بولے جاتے ہیں نہ کہ اس کے مادی مدلولات کے اعتبار سے، مثلاً ہم اس کے لیے دیکھنے کا لفظ بولتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ

نہیں ہوتا کہ وہ انسان اور حیوان کی طرح کی آنکھ نامی ایک عضو کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ہم اس کے لیے سننے کا لفظ بولتے ہیں۔ یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ ہماری طرح کانوں کے ذریعہ سے سنتا ہے۔اس کے لیے ہم پکڑ اور گرفت کے الفاظ بولتے ہیں یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ ہاتھ نام کے ایک آلہ سے پکڑتا ہے۔ یہ سب الفاظ اس کے لیے ہمیشہ ایک اطلاقی شان میں بولے جاتے ہیں اور صرف کم عقل آدمی ہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ سماعت اور بینائی اور گرفت کی کوئی دوسری صورت اس محدود اور مخصوص قسم کی سماعت و بینائی اور گرفت کے سوا ہونی غیر ممکن ہے جو ہمارے تجربے میں آتی ہے۔''

(تفہیم القرآن، ج ۳،نور، حاشیہ:۶۲)

مذکورہ بالا روایات میں سے جن روایتوں میں اسماء حسنہ کی تفصیل موجود ہے ان کی رو سے محدثین کے ہاں بیان اسماء کے تین طُرق ہیں۔ان میں طریق اوّل امام ترمذیؒ کا ہے جو سب سے زیادہ مشہور ہے اس طریق کو محدثین کی زبان میں طریق صالح کہا جاتا ہے۔

اس طریق کو امام ترمذیؒ کے علاوہ طبرانیؒ، ابن حبانؒ، ابن خزیمہؒ نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

دوسرا طریق زہیر بن محمدؒ کا ہے جسے ابن ماجہؒ نے بیان کیا ہے اس میں امام ترمذیؒ کے نقل کردہ اسماء سے کافی زیادہ اختلاف ہے۔

تیسرا طریق عبدالعزیز بن حصینؒ کا ہے جسے حاکم نے المستدرک میں بیان کیا ہے۔ یہ طریق بعض اسماء میں ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ دونوں سے کسی قدر مختلف ہے۔ہم نے یہاں ترمذیؒ کے روایت کردہ طریق صفوان بن صالحؒ ہی کو مقدم رکھا ہے کیونکہ یہی طریق سب سے مشہور اور متداول ہے۔

تخریج:

قرآن مجید سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۱۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

''اے نبیؐ! ان سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔''

سورۂ طٰہٰ آیت ۸ میں ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

''وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں۔''

سورۂ حشر آیت ۲۴ میں ارشادِ الٰہی ہے:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

''وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے اور اس کے لیے بہترین نام ہیں۔''

مذکورہ بالا آیات قرآنی کی تفسیر میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ننانوے نام ہیں جن کو یاد کرنا انسان کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ احادیث درج ذیل ہیں:

صحیح بخاری میں ہے:

﴿۱﴾ حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَان، قَالَ: اَخبَرَنَآ شُعَیبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ، قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا۔ مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ اَحْصَیْنَاهُ وَحَفِظْنَاهُ۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے، یعنی ایک کم سو اسماء ہیں جس نے ان کو یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو اچھی طرح گن کر حفظ کرلیا۔

بخاری کی دوسری روایت:

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، حَفِظْنَاهُ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ، قَالَ: لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ اِسْمًا، مِائَةٌ اِلَّا وَاحِدًا لَا یَحْفَظُهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ: مَنْ اَحْصَاهَا ـــــ مَنْ حَفِظَهَا۔ (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں۔ جو شخص بھی انھیں یاد کرے گا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اللہ وتر (طاق) ہے اور وتر ہی اسے پسند ہے۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں مَنْ اَحْصَاهَا کے معنی ہیں: مَنْ حَفِظَهَا۔ یعنی جس نے انھیں یاد کیا۔

صحیح مسلم کی روایت:

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا عَمْرٌو وَالنَّاقِدُوَزُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ جَمِیْعًا، عَنْ سُفْیَانَ، وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو وَحَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ اِسْمًا مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ وَ فِیْ رِوَایَةِ ابْنِ اَبِیْ عُمَرَ مَنْ اَحْصَاهَا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو حفظ کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگیا اور اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر ہی اسے پسند ہے۔ ابن ابی عمرؓ کی روایت میں حَفِظَهَا کی جگہ اَحْصَاهَا ہے۔

مسلم کی دوسری روایت:

﴿۴﴾ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ اَیُّوْبَ، عَنِ بْنِ سِیْرِیْنَ، عَنْ

اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَعَنْ ھَمَّامِ بْنِ مُنَبِّہٍ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مائَۃً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔(۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو حفظ کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ترمذی کی روایت:

﴿۵﴾ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ ، حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِعَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ قَالَ: وَلَیْسَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ ذِکْرُ الْاَسْمَاءِ۔ قَالَ: وَھٰذا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے انھیں یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ناموں کا ذکر نہیں ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ترمذی کی دوسری روایت:

حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ یَعْقُوْبَ الْجَوْزَجَانِیُّ، حَدَّثَنِیْ صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا شُعَیْبُ بْنُ اَبِیْ حَمْزَۃَ، عَنْ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ	اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِیْمُ	اَلْمَلِکُ	اَلْقُدُّوْسُ
اَلسَّلَامُ	اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُھَیْمِنُ	اَلْعَزِیْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَکَبِّرُ
اَلْخَالِقُ	اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ	اَلْغَفَّارُ	اَلْقَھَّارُ	اَلْوَھَّابُ
اَلرَّزَّاقُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلْعَلِیْمُ	اَلْقَابِضُ	اَلْبَاسِطُ	اَلْخَافِضُ
اَلرَّافِعُ	اَلْمُعِزُّ	اَلْمُذِلُّ	اَلسَّمِیْعُ	اَلْبَصِیْرُ	اَلْحَکَمُ
اَلْعَدْلُ	اَللَّطِیْفُ	اَلْخَبِیْرُ	اَلْحَلِیْمُ	اَلْعَظِیْمُ	اَلْغَفُوْرُ
اَلشَّکُوْرُ	اَلْعَلِیُّ	اَلْکَبِیْرُ	اَلْحَفِیْظُ	اَلْمُقِیْتُ	اَلْحَسِیْبُ
اَلْجَلِیْلُ	اَلْکَرِیْمُ	اَلرَّقِیْبُ	اَلْمُجِیْبُ	اَلْوَاسِعُ	اَلْحَکِیْمُ
اَلْوَدُوْدُ	اَلْمَجِیْدُ	اَلْبَاعِثُ	اَلشَّھِیْدُ	اَلْحَقُّ	اَلْوَکِیْلُ

اَلْقَوِیُّ	اَلْمَتِیْنُ	اَلْوَلِیُّ	اَلْحَمِیْدُ	اَلْمُحْصِیُ	اَلْمُبْدِئُ
اَلْمُعِیْدُ	اَلْمُحْیِ	اَلْمُمِیْتُ	اَلْحَیُّ	اَلْقَیُّوْمُ	اَلْوَاجِدُ
اَلْمَاجِدُ	اَلْوَاحِدُ	اَلصَّمَدُ	اَلْقَادِرُ	اَلْمُقْتَدِرُ	اَلْمُقَدِّمُ
اَلْمُؤَخِّرُ	اَلْاَوَّلُ	اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ	اَلْوَالِیُ
اَلْمُتَعَالِیُ	اَلْبَرُّ	اَلتَّوَّابُ	اَلْمُنْتَقِمُ	اَلْعَفُوُّ	اَلرَّؤُفُ
مَالِكُ الْمُلْكِ	ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ		اَلْمُقْسِطُ	اَلْجَامِعُ	
اَلْغَنِیُّ	اَلْمُغْنِیُ	اَلْمَانِعُ	اَلضَّارُّ	اَلنَّافِعُ	اَلنُّوْرُ
اَلْهَادِیُ	اَلْبَدِیْعُ	اَلْبَاقِیُ	اَلْوَارِثُ	اَلرَّشِیْدُ	اَلصَّبُوْرُ (٤)

ابن ماجہ کی روایت:

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَنعَا نِیُّ، ثَنَا اَبُوا لْمُنْذِرِ زُهَیْرُ ابْنُ مُحَمَّدِ التَّمِیْمِیّ، ثَنَا مُو سَی بْنُ عُقْبَةَ ، حَدَّثَنِی عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجُ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِا ئَةً اِلَّا وَاحِدًا۔ اِنَّهٗ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهِیَ:

اَللّٰهُ	اَلْوَاحِدُ	اَلصَّمَدُ	اَلْاَوَّلُ	اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ
اَلْبَاطِنُ	اَلْخَالِقُ	اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ	اَلْمَلِكُ	اَلْحَقُّ
اَلسَّلَامُ	اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَیْمِنُ	اَلْعَزِیْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَكَبِّرُ
اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِیْمُ	اَللَّطِیْفُ	اَلْخَبِیْرُ	اَلسَّمِیْعُ	اَلْبَصِیْرُ
اَلْعَلِیْمُ	اَلْعَظِیْمُ	اَلْبَارُّ	اَلْمُتَعَالُ	اَلْجَلِیْلُ	اَلْجَمِیْلُ
اَلْحَیُّ	اَلْقَیُّوْمُ	اَلْقَادِرُ	اَلْقَاهِرُ	اَلْعَلِیُّ	اَلْحَكِیْمُ
اَلْقَرِیْبُ	اَلْمُجِیْبُ	اَلْغَنِیُّ	اَلْوَهَّابُ	اَلْوَدُوْدُ	اَلشَّكُوْرُ
اَلْمَاجِدُ	اَلْوَاجِدُ	اَلْوَالِیُ	اَلرَّاشِدُ	اَلْعَفُوُّ الْغَفُوْرُ	اَلْحَلِیْمُ

اَلْکَرِیْمُ اَلتَّوَّابُ اَلرَّبُّ اَلْمَجِیْدُ اَلْوَلِیُّ اَلشَّہِیْدُ

اَلْمُبِیْنُ اَلْبُرْہَانُ اَلرَّؤُفُ اَلْمُبْدِئُ اَلْمُعِیْدُ اَلْبَاعِثُ

اَلْوَارِثُ اَلْقَوِیُّ اَلشَّدِیْدُ اَلضَّارُّ اَلنَّافِعُ اَلْبَاقِیْ

اَلْوَاقِیْ اَلْخَافِضُ اَلرَّافِعُ اَلْقَابِضُ اَلْبَاسِطُ اَلْمُعِزُّ

اَلْمُذِلُّ اَلْمُقْسِطُ اَلرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ اَلْمَتِیْنُ اَلْقَائِمُ

اَلدَّائِمُ اَلْحَافِظُ اَلْوَکِیْلُ اَلْفَاطِرُ اَلسَّامِعُ اَلْمُعْطِیْ

اَلْمُحْیِیْ اَلْمُمِیْتُ اَلْمَانِعُ اَلْجَامِعُ اَلْہَادِئُ اَلْکَافِیْ

اَلْاَبَدُ اَلْعَالِمُ اَلصَّادِقُ اَلنُّوْرُ اَلْمُنِیْرُ اَلتَّامُّ

اَلْقَدِیْمُ اَلْوِتْرُ اَلْاَحَدُ ـــــ اَلصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ (۵)

مستدرک حاکم کی روایت:

حَدَّثَنَا اَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حَمْدَانُ الْجُلَّابُ بِھَمْدَانَ، ثَنَاالْاَمِیْرُاَبُوالْھَیْثَمِ خَالِدُبْنُ اَحْمَدَالزُّھْلِیُّ بِھَمْدَانَ، ثَنَا اَبُوْاَسَدٍ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ الْبَلَخِیُّ، ثَنَا خَالِدُابْنُ مَخْلَدٍ الْقَطُوْنِیُّ۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ صَالِحِ بْنِ ھَانِیْ، وَاَبُوْ بَکْرِبْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَا: ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سُفْیَانَ، ثَنَا اَحْمَدُبْنُ سُفْیَانَ النَّسأی، ثَنَا خَالِدُبْنُ مَخلَدٍ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِبْنُ حُصَیْنِ بْنِ التَّرْجُمَانِ، ثَنَا اَیُّوْبُ السَّخْتِیَانِیُّ، وَھِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًامَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اَللّٰہُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ اَلْاِلٰہُ اَلرَّبُّ اَلْمَلِکُ

اَلْقُدُّوْسُ اَلسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُہَیْمِنُ اَلْعَزِیْزُ اَلْجَبَّارُ

اَلْمُتَکَبِّرُ اَلْخَالِقُ اَلْبَارِئُ اَلْمُصَوِّرُ اَلْحَلِیْمُ اَلْعَلِیْمُ

اَلسَّمِیْعُ اَلْبَصِیْرُ اَلْحَیُّ اَلْقَیُّوْمُ اَلْوَاسِعُ اَللَّطِیْفُ

اَلْخَبِیْرُ اَلْحَنَّانُ اَلْمَنَّانُ اَلْبَدِیْعُ اَلْوَدُوْدُ اَلْغَفُوْرُ

اَلشَّكُوْرُ	اَلْمَجِيْدُ	اَلْمُبْدِئُ	اَلْمُعِيْدُ	اَلنُّوْرُ	اَلْاَوَّلُ
اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ	اَلْغَفَّارُ	اَلْوَهَّابُ	اَلْقَادِرُ
اَلْاَحَدُ	اَلصَّمَدُ	اَلْكَافِىْ	اَلْبَاقِىْ	اَلْوَكِيْلُ	اَلْمُغِيْثُ
اَلدَّائِمُ	اَلْمُتَعَالُ	ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ		اَلْمَوْلٰى	اَلنَّصِيْرُ
اَلْحَقُّ	اَلْمُبِيْنُ	اَلْمُنِيْبُ	اَلْبَاعِثُ	اَلْمُجِيْبُ	اَلْمُحْيِىْ
اَلْمُمِيْتُ	اَلْجَمِيْلُ	اَلصَّادِقُ	اَلْحَفِيْظُ	اَلْمُحِيْطُ	اَلْكَبِيْرُ
اَلْقَرِيْبُ	اَلرَّقِيْبُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلتَّوَّابُ	اَلْقَدِيْمُ	اَلْوِتْرُ
اَلْفَاطِرُ	الرَّزَّاقُ	اَلْعَلَّامُ	اَلْعَلِىُّ	اَلْعَظِيْمُ	اَلْغَنِىُّ
اَلْمَلِيْكُ	اَلْمُقْتَدِرُ	اَلْاَكْرَمُ	اَلرَّؤُفُ	اَلْمُدَبِّرُ	اَلْمَالِكُ
اَلْقَاهِرُ	اَلْقَدِيْرُ	اَلْهَادِئُ	اَلشَّاكِرُ	اَلرَّفِيْعُ	اَلشَّهِيْدُ
اَلْوَاحِدُ	ذُوالطَّوْلِ	ذُوالْمَعَارِجِ	ذُوالْفَضْلِ	اَلْخَلَّاقُ	اَلْكَفِيْلُ
اَلْجَلِيْلُ	اَلْكَرِيْمُ۔ (٦)				

هذا حديث محفوظ من حديث اَيُّوب وهِشام، عَنْ محمد بن سيرين، عَنْ ابى هريرة مختصرًا دُون ذكرالاسامىٰ الزايدة فيها كلها فى القرآن وعبدالعزيز بن الحصين بن الترجمان ثقة وان لم يخرجاه وانما جعلته شاهدا للحديث الْاَوّلِ۔

۱- اللہ

''اللہ'' عربوں کے لیے کوئی اجنبی لفظ نہ تھا۔ قدیم ترین زمانے سے وہ خالق کائنات کے لیے یہی لفظ استعمال کررہے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں میں سے کسی پر بھی اس کا اطلاق نہیں کرتے تھے۔ دوسرے معبودوں کے لیے ان کے ہاں اِلٰہ کا لفظ رائج تھا۔ پھر ''اللہ'' کے بارے میں ان کے جو عقائد تھے ان کا اظہار اس موقع پر خوب کھل کر ہوگیا تھا۔ جب ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ اِلٰہوں کے بت موجود تھے، مگر مشرکین نے ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ سے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ اس بلا سے ان کو بچائے۔ گویا وہ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ اس نازک وقت میں ان کی مدد نہیں کرسکتا۔ کعبے کو بھی وہ ان الٰہوں کی نسبت سے بیت الالِہہ نہیں، بلکہ اللہ کی نسبت سے بَیْتُ اللّٰہ کہتے تھے۔ (تفہیم القرآن، ج۶، الاخلاص حاشیہ:۲)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں اپنا تعارف بایں الفاظ کرایا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

''کہو! وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔''

(علاوہ ازیں) جگہ جگہ اس مضمون کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ مثال کے طور پر آیات ذیل ملاحظہ ہوں۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔
(النساء:۱۷۱)

''اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اس کی ملک ہے۔''

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (الصافات: ۱۵۱-۱۵۲)

''خوب سن رکھو! یہ لوگ دراصل اپنی من گھڑت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ فی الواقع یہ قطعی جھوٹے ہیں۔''

ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا، نہ کبھی ہوسکتا ہے، جو اللہ کے مانند، یا اس کا ہم مرتبہ ہو، یا جو اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اس سے کسی درجہ میں بھی مشابہت رکھتا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج۶، الاخلاص، حاشیہ:۶)

اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو، جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے، تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آرہے ہیں اس نتیجے پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق حکیم کے زیر فرمان ہے، تمام اختیار و اقتدار بالکل اسی ایک کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کی خودمختارانہ مداخلت یا مشارکت کے لیے اس نظام میں ذرہ برابر کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا فی الحقیقت وہی ایک خدا تمام موجودات عالم کا خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی قسم کے اختیارات رکھتی ہی نہیں کہ خدائی اور الوہیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔ (تفہیم القرآن، ج۱، البقرہ، حاشیہ:۱۶۲)

خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں ان میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا ان میں سے بعض حقوق یہ لوگ ان دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلۂ اسباب پر حکمرانی، مشکل کشائی، حاجت روائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب و شہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اسی کو مقتدر اعلیٰ مانیں، اسی کے آگے اعتراف بندگی میں سر جھکائیں، اسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اسی کو مدد کے لیے پکاریں، اسی پر بھروسہ کریں،

اسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں۔ اسی طرح مالک الملک ہونے کی حیثیت سے یہ منصب بھی اللہ ہی کا ہے کہ اپنی رعیت کے لیے حلال وحرام کے حدود مقرر کرے، ان کے فرائض وحقوق معین کرے، ان کو امر و نہی کے احکام دے، اور انھیں یہ بتائے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اور یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت تسلیم کریں، اس کے حکم کو منبع قانون مانیں، اسی کو امر و نہی کا مختار سمجھیں، اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں، اور ہدایت ورہنمائی کے لیے اسی کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص خدا کی ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اسے خدا کا مدِّ مقابل اور ہمسر بناتا ہے اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ ان صفات میں سے کسی کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مدِّ مقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، البقرہ، حاشیہ:۱٦۳)

سورۂ آل عمران آیت ۱۸ میں ارشاد ربانی ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ

''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔''

یعنی ''اللہ'' جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہِ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے، جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اس کی شہادت ہے ـــــ اور اس سے بڑھ کر معتبر عینی شہادت اور کس کی ہوگی ـــــ کہ پورے عالم وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے، جو خدائی کی صفات سے متصف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو، اور خدائی کے حقوق کی مستحق ہو۔ (تفہیم القرآن، ج۱، آل عمران، حاشیہ:۱۴)

اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو۔ وہ نرا فلسفیوں کے خیال کا آفریدہ، واجب الوجود اور علت العلل (First Cause) ہی نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی فاعل مختار ہے جو ہر آن اپنی قدرت، اپنے ارادے، اپنے علم اور اپنی حکمت سے پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۳، الحج، حاشیہ:۸)

ہر شخص جو کسی نوعیت کا شرک کرتا ہے، دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی تکذیب کرتا ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کر دی، اصل میں یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ شافی نہیں ہے بلکہ وہ حضرت شافی ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا، حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد بر آئی، گویا دراصل یہ کہنا ہے کہ دنیا میں حکم اللہ کا نہیں بلکہ اس آستانے کا چل رہا ہے۔ غرض ہر مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ قول آخری تجزیہ میں صفات الٰہی کی تکذیب ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی دوسروں کو سمیع و بصیر، عالم الغیب، فاعل مختار، قادر ومتصرّف، اور الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دے رہا ہے اور اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الرحمٰن، حاشیہ:۲۸)

۲- الاِلٰہ [1]

اس لفظ کا مادہ ''ا ل ہ'' ہے۔اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

اَلِہَ اِذا تَحَیَّرَ: حیران وسرگشتہ ہوا۔اَلِھتُ اِلیٰ فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْہِ: اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون واطمینان حاصل کیا۔

اَلِہَ الرَّجُلُ یَاْ الاِلٰہُ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ بِہٖ فَآلَھَہٗ غَیْرُہٗ اَیْ اَجَارَہٗ۔ آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوا اور دوسرے نے اس کو پناہ دی۔

اَلِہَ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ اِتَّجَہَ اِلَیْہِ لِشِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَیْہِ۔آدمی نے دوسرے کی طرف شدت شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِذَا وَلَعَ بِاُمِّہٖ۔ اونٹنی کا بچہ جو اس سے بچھڑ گیا تھا ماں کو پاتے ہی اس سے چمٹ گیا۔

لَاہَ یَلِیْہُ لَیْھًا وَلَا ھًا اِذَا احْتَجَبَ۔ پوشیدہ ومستور ہوا نیز ارتفع یعنی بلند ہوا۔

الہ الٰھۃ والوھۃً والوھیۃً عَبَدَ عبادت کی۔

ان تمام معانی مصدر یہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اَلِہَ یَا لَہُ اِلٰھَۃً کے معنی عبادت (پرستش) اور اِلٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے۔

۱- انسان کے ذہن میں عبادت کے لیے اوّلین تحریک اپنی حاجت مندی سے پیدا ہوتی ہے۔وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کرسکتا جب تک اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کرسکتا ہے،خطرات اور مصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے،اضطراب کی حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔

۲- پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت روا سمجھے اس تصور کے ساتھ لازم وملزوم کا تعلق رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبہ کے اعتبار سے اس کی برتری تسلیم کرے، بلکہ طاقت اور زور کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا قائل ہو۔

۳- پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلۂ اسباب وعلل کے تحت جن چیزوں سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں،اور جن کی حاجت روائی کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے حدودِ علم کے اندر واقع ہوتا ہے ان کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا۔مثلاً مجھے خرچ کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے، میں جا کر ایک شخص سے نوکری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہوں وہ میری درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور

---

[1] اِلٰہ کا لفظ قرآن مجید میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ایک وہ شے یا شخص جس کو عبادت کا کوئی استحقاق نہ پہنچتا ہو مگر عملاً اس کی عبادت کی جارہی ہو۔ دوسرا وہ جسے عبادت کا استحقاق پہنچتا ہو اور جو حقیقت میں معبود ہو،خواہ لوگ اس کی عبادت کررہے ہوں یا نہ کررہے ہوں۔اللہ کے لیے جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اسی دوسرے معنی میں ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶،الناس،حاشیہ:۱)

اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے، یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے، اس لیے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گزرتا۔ پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی و اثر اندازی کی کیفیت پر پردہ پڑا ہو۔ اسی لیے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی و سرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

۴- پھر جس کے متعلق بھی انسان یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ احتیاج کی حالت میں حاجت روائی کر سکتا ہے، خطرات میں پناہ دے سکتا ہے اور اضطراب میں سکون بخش سکتا ہے، اس کی طرف انسان کا اشتیاق کے ساتھ توجہ کرنا ایک امر ناگزیر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ معبود کے لیے الٰہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں:

حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری و بالادستی، ان اختیارات اور ان طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کا پراسرار ہونا یا منظر عام پر نہ ہونا۔ انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: الٰہ، لغوی تحقیق)

زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات و اقتدارات کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت اور زور بالکل اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے، نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے، اور نہ کوئی اختیارات حکومت میں ذرہ برابر شریک و حصہ دار ہے، لہٰذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے تو تمہارا ہر وہ فعل جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈھنے کا فعل ہو، یا خوف و رجا کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو، یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں کیونکہ وہی اکیلا صاحب اقتدار ہے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: قرآن کا استدلال)

الٰہیت اور اقتدار لازم و ملزوم ہیں اور اپنی روح و معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا وہ الٰہ نہیں ہو سکتا اور اسے الٰہ نہ ہونا چاہیے۔ اور جو اقتدار رکھتا ہے وہی الٰہ ہو سکتا ہے اور اسی کو الٰہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ الٰہ سے تمہاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں، یا جن ضروریات کی خاطر تمہیں کسی کو الٰہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے ان میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی، لہٰذا غیر مقتدر کا الٰہ ہونا بے معنی ہے حقیقت کے خلاف ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا لاحاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے اس کے مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں:

۱- حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبر گیری و حفاظت اور استجابت دعوات جن کو تم نے معمولی

کام سمجھ رکھا ہے دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سر رشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیقی اور انتظامی قوتوں سے جاملتا ہے۔تمہاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں اس پر غور کرو تو تم کو معلوم ہو کہ زمین وآسمان کے عظیم الشان کارخانہ میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیران کا پورا ہونا محال ہے۔ پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو اور گیہوں کا ایک دانہ جو تم کھاتے ہو اس کو مہیا کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم کو بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمہاری دعائیں سننے اور تمہاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین وآسمان کو پیدا کرنے کے لیے، سیاروں کو حرکت دینے کے لیے، ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

۲- یہ اقتدار ناقابل تقسیم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو، اور رزق کا کسی اور کے پاس سورج کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضہ میں، پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری وصحت کسی اور کے اختیار میں، اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نظام کائنات کبھی چل ہی نہ سکتا۔ لہٰذا تمام اقتدارات واختیارات کا ایک ہی مرکزی فرماں روا کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے۔ کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو، اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔

۳- جب تمام اقتدار ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے تو لامحالہ الوہیت بھی بالکلیہ اسی فرماں روا کے لیے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری فریاد رسی کرسکے، دعائیں قبول کرسکے، پناہ دے سکے، حامی وناصر اور ولی وکارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ لہٰذا الٰہ کا جو مفہوم تمہارے ذہن میں ہے اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ حتّٰی کہ کوئی اس معنی میں بھی الٰہ نہیں کہ فرماں روائے کائنات کے ہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا کچھ زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو۔ اس کے انتظام سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں، کوئی اس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے، کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے بل پر وہ اپنی سفارش قبول کرا سکے۔

۴- اقتدار اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضا یہ ہے کہ حاکمیت وفرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدر اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظام کائنات کا مدبر ومنتظم وہ ہے اور تدبیر وانتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں تو یقیناً حاکم وآمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریاد رس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے اسی طرح کسی دوسرے کا

مستقل بالذات حاکم اور خودمختار فرماں روا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، احیا اور اماتت، تسخیر شمس وقمر اور تکویر لیل ونہار، قضا اور قدر، حکم اور پادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار و حاکمیت نا قابل تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا ایک غیر اللہ سے دعا مانگنے والا شرک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبیعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمہارا ولی وکارساز اور مددگار و محافظ میں ہوں۔ اسی لیے جہاں خلق اور تقدیر اشیا اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہیں له الحكم وله الملك اور لم يكن له شريك فى الملك بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الوہیت کے مفہوم میں پادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اور توحید الٰہ کے لیے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہ تسلیم کی جائے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (المؤمنون:۱۱۶)

’’پس بالا و برتر ہے اللہ جو حقیقی پادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عرش بزرگ کا مالک ہے۔‘‘

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ (الناس:۱-۲)

’’کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب سے، انسانوں کے بادشاہ سے، انسانوں کے الٰہ سے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: قرآن کا استدلال)

اپنی سلطنت میں خداوندی کے جملہ اختیارات کا مالک وہ خود ہی ہے۔ کوئی دوسرا نہ اس کی صفات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کے اختیارات میں اور نہ اس کے حقوق میں۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ شریک ٹھیرا کر زمین یا آسمان میں جہاں بھی کسی اور کو معبود (الٰہ) بنایا جا رہا ہے، ایک جھوٹ گھڑا جا رہا ہے، اور حقیقت کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔

(تفہیم القرآن ج۱البقرۃ، حاشیہ:۲۷۸)

جس کے سوا کسی کی یہ حیثیت اور مقام اور مرتبہ نہیں ہے کہ اس کی بندگی و پرستش کی جائے۔ جس کے سوا کوئی خدائی کی صفات و اختیارات رکھتا ہی نہیں کہ اسے معبود ہونے کا حق پہنچتا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۳۳)

خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی دوسرا سرے سے یہ اختیار رکھتا ہی نہیں ہے کہ تمہاری اچھی یا بری تقدیر بنا سکے۔ اچھا وقت آ سکتا ہے تو اسی کے لائے آ سکتا ہے، اور برا وقت ٹل سکتا ہے تو اسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اس کے لیے اس کے سوا سرے سے کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا رکھے اور دنیا میں ایک مومن کی حیثیت سے اپنا فرض اس یقین کے ساتھ انجام دیتا چلا جائے کہ خیر بہر حال اسی راہ میں ہے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اس راہ میں کامیابی نصیب ہوگی تو اللہ ہی کی مدد اور تائید و توفیق سے ہوگی، کوئی دوسری طاقت مدد کرنے والی نہیں ہے اور اس راہ میں اگر مشکلات و مصائب اور خطرات و مہالک سے سابقہ پیش آئے گا تو ان سے بھی وہی بچائے گا، کوئی دوسرا بچانے والا نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، التغابن حاشیہ:۲۸)

کائنات کا مالک وفرماں رواہی انسانوں کا اصل معبود ہے، اور وہی درحقیقت معبود ہو سکتا ہے، اور اسی کو معبود ہونا چاہیے۔ یہ بات سراسر عقل کے خلاف ہے کہ رب (یعنی مالک، اور حاکم اور مربی و پروردگار) کوئی اور ہو اور الٰہ (عبادت کا مستحق) کوئی اور ہو جائے۔ عبادت کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ آدمی کا نفع وضرر، اس کی حاجتوں اور ضرورتوں کا پورا ہونا، اس کی قسمت کا بننا اور بگڑنا، بلکہ بجائے خود اس کا وجود و بقا ہی جس کے اختیار میں ہے، اس کی بالاتری تسلیم کرنا اور اس کے آگے جھکنا آدمی کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اس وجہ کو آدمی سمجھ لے تو خود بخود اس کی سمجھ میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اختیارات والے کی عبادت نہ کرنا اور بے اختیار کی عبادت کرنا، دونوں صریح خلاف عقل وفطرت ہیں۔ عبادت کا استحقاق پہنچتا ہی اس کو ہے جو اقتدار رکھتا ہے۔ رہیں بے اختیار ہستیاں تو وہ نہ اس کی مستحق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے، اور نہ ان کی عبادت کرنے اور ان سے دعائیں مانگنے کا کچھ حاصل ہے، کیوں کہ ہماری کسی درخواست پر کوئی کارروائی کرنا سرے سے ان کے اختیار میں ہے ہی نہیں۔ ان کے آگے عاجزی و نیازمندی کے ساتھ جھکنا اور ان سے دعا مانگنا بالکل ویسا ہی احمقانہ فعل ہے جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے جائے اور اس کے حضور درخواست پیش کرنے کے بجائے جو دوسرے سائلین وہاں درخواستیں لیے کھڑے ہوں انہی میں سے کسی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الصافات، حاشیہ: ۴)

سورۂ بنی اسرائیل: ۴۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔

''اے محمدؐ! ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔''

یعنی وہ خود مالک عرش بننے کی کوشش کرتے۔ اس لیے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ سب اپنی اپنی جگہ مستقل خدا ہوں۔ یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو، اور باقی اس کے بندے ہوں جنھیں اس نے کچھ خدائی اختیارات دے رکھے ہوں۔ پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد و خود مختار خدا ہمیشہ ہر معاملے میں، ایک دوسرے کے ارادے سے موافقت کر کے اس اتھاہ کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی، یکسانیت اور تناسب وتوازن کے ساتھ چلا سکتے۔ ناگزیر تھا کہ ان کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ہر ایک اپنی خدائی دوسرے خداؤں کی موافقت کے بغیر چلتی نہ دیکھ کر یہ کوشش کرتا کہ وہ تنہا ساری کائنات کا مالک بن جائے۔ رہی دوسری صورت، تو بندے کا ظرف خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبے تک کا تحمل نہیں کر سکتا۔ اگر کہیں کسی مخلوق کی طرف ذرا سی خدائی بھی منتقل کر دی جاتی تو وہ پھٹ پڑتا۔ چند لمحوں کے لیے بھی بندہ بن کر رہنے پر راضی نہ ہوتا، اور فوراً ہی خداوند عالم بن جانے کی فکر شروع کر دیتا۔

جس کائنات میں گیہوں کا ایک دانہ اور گھاس کا ایک تنکا بھی اس وقت تک پیدا نہ ہوتا ہو جب تک کہ زمین وآسمان کی ساری قوتیں مل کر اس کے لیے کام نہ کریں، اس کے متعلق صرف ایک انتہا درجے کا جاہل اور کند ذہن آدمی ہی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس کی فرماں روائی ایک سے زیادہ خود مختار یا نیم مختار خدا کر رہے ہوں گے۔ ورنہ جس نے کچھ بھی اس نظام کے

مزاج اور طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہاں خدائی بالکل ایک ہی کی ہے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۴۷)

ساری کائنات اور اس کی ہر شے اپنے پورے وجود سے اس حقیقت پر گواہی دے رہی ہے کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے، اور جو اس کی پروردگاری و نگہبانی کر رہا ہے اس کی ذات ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے منزہ ہے، اور وہ اس سے بالکل پاک ہے کہ خدائی میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۴۸)

۳،۴- الرَّحْمٰنُ[۱]، الرَّحِیْمُ: نہایت مہربان، رحم فرمانے والا

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے، اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا، تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تا کہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمان کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ''سخی'' کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس ''داتا'' کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب ''گورے'' کو کافی نہیں پاتے تو اس پر ''چٹے'' کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیٔ قد کے ذکر میں جب ''لمبا'' کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد تڑنگا بھی کہتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، سورۂ الفاتحہ، حاشیہ: ۴)

وہی ایک ہستی ایسی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے، تمام کائنات پر وسیع ہے، اور کائنات کی ہر چیز کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ سارے جہان میں کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی صفت رحم پائی جاتی ہے اس کی رحمت جزوی اور محدود ہے، اور وہ بھی اس کی ذاتی صفت نہیں ہے بلکہ خالق نے کسی مصلحت اور ضرورت کی خاطر اسے عطا کی ہے۔ جس مخلوق کے اندر بھی اس نے کسی دوسری مخلوق کے لیے جذبۂ رحم پیدا کیا ہے، اس لیے پیدا کیا ہے کہ ایک مخلوق کو وہ دوسری مخلوق کی پرورش اور خوشحالی کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بجائے خود اسی کی رحمت بے پایاں کی دلیل ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۳۵)

اس مضمون کو نبی ﷺ نے دو نہایت لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال تو آپؐ نے یہ دی ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھویا گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے بے آس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو، اور عین

---

[۱] یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ عرب میں اللہ تعالیٰ کے لیے قدیم زمانے سے رحمان کا لفظ معروف و مستعمل تھا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان حاشیہ: ۷۳)
۴۵۸ء کے ایک کتبہ پر خدا کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ ہیں بردا رحمنن یعنی رحمان کی مدد سے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، حاشیہ: ۳۵)
یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلہ میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب موجود تھا جس کے پیرو الرحمٰن اور رب السماء والارض ہی کو الٰہ واحد تسلیم کرتے تھے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، السجدۃ، حاشیہ: ۵)

اس حالت میں یکا یک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی، اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔ دوسری مثال اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا اور وہ مامتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکنار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک تو اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔ فرمایا اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا ''اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔''

اور ویسے بھی غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے بچوں کی پرورش کے لیے ماں باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا اس محبت کو پیدا نہ کرتا تو ماں اور باپ سے بڑھ کر بچوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا۔ کیونکہ سب سے بڑھ کر وہ انہی کے لیے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اب ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ جو خدا محبت مادری اور شفقت پدری کا خالق ہے خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لیے کیسی کچھ محبت موجود ہوگی۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، ہود، حاشیہ:۱۰۱)

اس کا رحیم ہونا اس اطمینان کے لیے کافی ہے کہ جو شخص اس کی خاطر اعلائے کلمۃ الحق کے کام میں جان لڑائے گا اس کی کوششوں کو وہ کبھی رائیگاں نہ جانے دے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، حاشیہ:۱۳۷)

کیا شان ہے خدا کی رحیمی وغفاری کی، جو لوگ حق کو نیچا دکھانے کے لیے جھوٹ کے طوفان اٹھاتے ہیں ان کو بھی وہ مہلت دیتا ہے اور سنتے ہی عذاب کا کوڑا نہیں برسا دیتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ:۱۳)

برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے، سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیے جاتا ہے اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، حاشیہ:۶)

ایسا نہیں ہے کہ اس کی سلطنت میں اگر کوئی شخص یا گروہ اس کے خلاف بغاوت کرنے کے باوجود پکڑا نہیں جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دنیا اندھیر نگری اور اللہ تعالیٰ اس کا چوپٹ راجہ ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور درگزر سے کام لینا اس کی عادت ہے۔ عاصی اور خاطی کو قصور سرزد ہوتے ہی پکڑ لینا، اس کا رزق بند کر دینا، اس کے جسم کو مفلوج کر دینا، اس کو آناً فاناً ہلاک کر دینا، سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، مگر وہ ایسا کرتا نہیں ہے۔ یہ اس کی شان رحیمی کا تقاضا ہے کہ قادر مطلق ہونے کے باوجود وہ نافرمان بندوں کو ڈھیل دیتا ہے، سنبھلنے کی مہلت عطا کرتا ہے، اور جب بھی وہ باز آ جائیں، معاف کر دیتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، حاشیہ:۴)

یہ اس کی حلیمی و رحیمی اور چشم پوشی و درگزر ہی تو ہے جس کی بدولت کفر اور شرک اور دہریت اور فسق و فجور اور ظلم و ستم کی انتہا کر دینے والے لوگ بھی سالہا سال تک، بلکہ اس طرح کے پورے پورے معاشرے صدیوں تک مہلت پر مہلت پاتے چلے جاتے ہیں، اور ان کو صرف رزق ہی نہیں ملے جاتا بلکہ دنیا میں ان کی بڑائی کے ڈنکے بجتے ہیں اور زینت حیات دنیا کے وہ

سروسامان انھیں ملتے ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر نادان لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ حاشیہ: ۵)

سورہ حٰمٓ السجدہ آیت:۲ میں ارشاد ہے۔ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کردہ ـــــــ اس کا نازل کرنے والا وہ خدا ہے جو اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان (رحمان ورحیم) ہے۔ نازل کرنے والے خدا کی دوسری صفات کے بجائے صفت رحمت کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نے اپنی رحیمی کے اقتضا سے یہ کلام نازل کیا ہے۔ یہ تو ایک نعمت عظمیٰ ہے جو خدا نے سراسر اپنی رحمت کی بنا پر انسانوں کی رہنمائی اور فلاح و سعادت کے لیے نازل کی ہے۔ خدا اگر انسانوں سے بے رخی برتتا تو انھیں اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا اور کچھ پروا نہ کرتا کہ یہ کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں۔ لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ پیدا کرنے اور روزی دینے کے ساتھ ان کی زندگی سنوارنے کے لیے علم کی روشنی دکھانا بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اسی بنا پر یہ کلام اپنے ایک بندے پر نازل کر رہا ہے۔ اب اس شخص سے بڑھ کر ناشکرا اور آپ اپنا دشمن کون ہوگا جو اس رحمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے الٹا اس سے لڑنے کے لیے دوڑے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ:۱)

قرآن مجید کا نازل کیا جانا سراسر اللہ کی رحمت ہے۔ وہ چونکہ اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے، اس لیے اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ تمھیں تاریکی میں بھٹکتا چھوڑ دے اور اس کی رحمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ یہ قرآن بھیج کر تمھیں وہ علم عطا فرمائے جس پر دنیا میں تمہاری راست روی اور آخرت میں تمہاری فلاح کا انحصار ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ:۱)

چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے، اور خالق ہی کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی مخلوق کی رہنمائی کرے اور اسے وہ راستہ بتائے جس سے وہ اپنا مقصد وجود پورا کر سکے، اس لیے اللہ کی طرف سے قرآن کی اس تعلیم کا نازل ہونا محض اس کی رحمانیت ہی کا تقاضا نہیں ہے، بلکہ اس کے خالق ہونے کا بھی لازمی اور فطری تقاضا ہے۔ خالق اپنی مخلوق کی رہنمائی نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اور خالق ہی رہنمائی نہ کرے تو اور کون کر سکتا ہے؟ اور خالق کے لیے اس سے بڑا عیب اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو وہ وجود میں لائے اسے اپنے وجود کا مقصد پورا کرنے کا طریقہ نہ سکھائے؟ پس در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تعلیم کا انتظام ہونا عجیب بات نہیں ہے، بلکہ یہ انتظام اگر اس کی طرف سے نہ ہوتا تو قابل تعجب ہوتا۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ:۲)

یہ اللہ ہی کو زیب دیتا ہے کہ کسی نے خواہ اس کی کتنی ہی نافرمانیاں کی ہوں، جس وقت بھی وہ اپنی اس روش سے باز آجائے اللہ اپنا دامن رحمت اس کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔ اپنے بندوں کے لیے کوئی جذبۂ انتقام وہ اپنے اندر نہیں رکھتا کہ ان کے قصوروں سے وہ کسی حال میں درگزر ہی نہ کرے اور سزا دیے بغیر نہ چھوڑے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، المدثر، حاشیہ:۴۳)

حقیقت نفس الامری کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنے سے جو منع کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری راست روی سے اس کا کوئی فائدہ اور غلط روی سے اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ راست روی میں تمہارا اپنا فائدہ اور غلط روی میں تمہارا اپنا نقصان ہے۔ لہٰذا یہ سراسر اس کی مہربانی ہے کہ وہ تمھیں اس صحیح طرز عمل کی تعلیم دیتا ہے جس سے تم بلند مدارج تک ترقی کرنے کے قابل بن سکتے ہو اور اس غلط طرزِ عمل سے روکتا ہے جس کی بدولت تم پست مراتب کی طرف تنزل کرتے ہو۔

تمہارا رب سخت گیر نہیں ہے، تم کو سزا دینے میں اسے کوئی لطف نہیں آتا ہے، وہ تمہیں پکڑنے اور مارنے پر تلا نہیں ہے کہ ذرا تم سے قصور سرزد ہو اور وہ تمہاری خبر لے ڈالے۔ درحقیقت وہ اپنی تمام مخلوقات پر نہایت مہربان ہے۔ غایت درجہ کے رحم و کرم کے ساتھ خدائی کر رہا ہے، اور یہی اس کا معاملہ انسانوں کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے وہ تمہارے قصور پر قصور معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ تم نافرمانیاں کرتے ہو، گناہ کرتے ہو، جرائم کا ارتکاب کرتے ہو، اس کے رزق سے پل کر بھی اس کے احکام سے منہ موڑتے ہو، مگر وہ حلم اور عفو ہی سے کام لیے جاتا ہے اور تمہیں سنبھلنے اور سمجھنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے لیے مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سخت گیر ہوتا تو اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ تمہیں دنیا سے رخصت کر دیتا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کرتا، یا سارے انسانوں کو ختم کر کے کوئی اور مخلوق پیدا کر دیتا۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۱۰۱)

وہ محض خالق ہی نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر غایت درجہ رحیم و شفیق اور اس کی ضروریات اور مصلحتوں کے لیے خود اس سے بڑھ کر فکر کرنے والا ہے، انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کر سکتا بلکہ ہر چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کے لیے آرام درکار ہوتا ہے تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لیے اسے قوت بہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لیے خالق حکیم و رحیم نے انسان کے اندر صرف تکان کا احساس اور صرف آرام کی خواہش پیدا کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے ''نیند'' کا ایک زبردست داعیہ اس کے وجود میں رکھ دیا جو اس کے ارادے کے بغیر، حتّٰی کہ اس کی مزاحمت کے باوجود خود بخود ہر چند گھنٹوں کی بیداری و محنت کے بعد اسے آ دبوچتا ہے، چند گھنٹے آرام لینے پر اس کو مجبور کر دیتا ہے، اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد خود بخود اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس نیند کی ماہیت و کیفیت اور اس کے حقیقی اسباب کو آج تک انسان نہیں سمجھ سکا ہے۔ یہ قطعاً ایک پیدائشی چیز ہے جو آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت میں رکھ دی گئی ہے۔ اس کا ٹھیک انسان کی ضرورت کے مطابق ہونا ہی اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ کسی حکیم نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق یہ تدبیر وضع کی ہے۔ اس میں ایک بڑی حکمت و مصلحت اور مقصدیت صاف طور پر کارفرما نظر آتی ہے۔ مزید براں یہی نیند اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جس نے یہ مجبور کن داعیہ انسان کے اندر رکھا ہے وہ انسان کے حق میں خود اس سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، ورنہ انسان بالارادہ نیند کی مزاحمت کر کے اور زبردستی جاگ جاگ کر اور مسلسل کام کر کر کے اپنی قوت کار کو ہی نہیں، قوت حیات تک کو ختم کر ڈالتا۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۳۳)

۵- اَلْمَلِكُ: بادشاہ

''اَلْمَلِكُ'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل بادشاہ وہی ہے۔ نیز مطلقاً الملك کا لفظ استعمال کرنے سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ وہ کسی خاص علاقے یا مخصوص مملکت کا نہیں بلکہ سارے جہان کا بادشاہ ہے۔ پوری کائنات پر اس کی سلطانی و فرماں روائی محیط ہے۔ ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ ہر شے اس کے تصرف اور اقتدار اور حکم کی تابع ہے۔ اور اس کی حاکمیت (Sovereignty) کو محدود کرنے والی کوئی شے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے ان سارے پہلوؤں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (الروم:۲۶)

''زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہیں اس کے مملوک ہیں۔سب اس کے تابع فرمان ہیں۔''

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ۔ (السجدہ:۵)

''آسمان سے زمین تک وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔''

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (الحدید:۵)

''زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سارے معاملات رجوع کیے جاتے ہیں۔''

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (الفرقان: ۲)

''بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔''

بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ (یٰسٓ : ۸۳)

''ہر چیز کی سلطانی وفرماں روائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ (البروج: ۱۶)

''جس چیز کا ارادہ کرے اسے کر گزرنے والا۔''

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ (الانبیاء: ۲۳)

''جو کچھ وہ کرے اس پر وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے، اور سب جواب دہ ہیں۔''

وَاللّٰهُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِهٖ۔ (الرعد: ۴۱)

''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔''

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ۔ (المومنون:۸۸)

''اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتا۔''

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ط وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (ال عمران: ۲۶)

''کہو، خدایا ملک کے مالک، تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ان توضیحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی حاکمیت کے کسی محدود یا مجازی مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے پورے مفہوم میں، اس کے مکمل تصور کے لحاظ سے حقیقی بادشاہی ہے۔ بلکہ درحقیقت حاکمیت جس چیز کا نام ہے وہ

اگر کہیں پائی جاتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں ہی پائی جاتی ہے۔اس کے سوا اور جہاں بھی اس کے ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی بادشاہ یا ڈکٹیٹر کی ذات ہو، یا کوئی طبقہ یا گروہ یا خاندان ہو، یا کوئی قوم ہو، اسے فی الواقع کوئی حاکمیت حاصل نہیں ہے، کیوں کہ حاکمیت سرے سے اس حکومت کو کہتے ہی نہیں ہیں جو کسی کا عطیہ ہو، جو کبھی ملتی ہو اور کبھی سلب ہو جاتی ہو، جسے کسی دوسری طاقت سے خطرہ لاحق ہو سکتا ہو، جس کا قیام و بقا عارضی و وقتی ہو، اور جس کے دائرۂ اقتدار کو بہت سی دوسری متصادم قوتیں محدود کرتی ہوں۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۳۶)

حقیقی اختیارات کا مالک اور واقعی رب وہی ہے، اس لیے اس کی بندگی کرنے والے خائب و خاسر نہیں رہ سکتے اور دوسرے تمام معبود سراسر بے حقیقت ہیں، ان کو جن صفات اور اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا ہے ان کی سرے سے کوئی اصلیت نہیں ہے، اس لیے خدا سے منہ موڑ کر ان کے اعتماد پر چلنے والے کبھی فلاح و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۱۰۹)

(قیامت کے روز) ساری مجازی بادشاہیاں اور ریاستیں ختم ہو جائیں گی جو دنیا میں انسان کو دھوکے میں ڈالتی ہیں۔وہاں صرف ایک بادشاہی باقی رہ جائے گی اور وہ وہی اللہ کی بادشاہی ہے جو اس کائنات کا حقیقی فرماں روا ہے۔

سورہ مومن میں ارشاد ہوا ہے:

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔
(آیت: ۱۶)

''وہ دن جب کہ یہ سب لوگ بے نقاب ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ پوچھا جائے گا آج بادشاہی کس کی ہے؟ ہر طرف سے جواب آئے گا اکیلے اللہ کی جو سب پر غالب ہے۔''

حدیث میں اس مضمون کو اور زیادہ کھول دیا گیا ہے۔حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ میں آسمانوں اور دوسرے ہاتھ میں زمین کو لے کر فرمائے گا۔ اَنَا الْمَلِكُ، اَنَا الدَّيَّانُ، اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟ میں ہوں بادشاہ، میں ہوں فرماں روا، اب کہاں ہیں وہ زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ جبار؟ کہاں ہیں وہ متکبر لوگ؟ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۱۳۵)

پوری کائنات تنہا اسی کی سلطنت ہے۔وہ صرف اس کو بنا کر اور ایک دفعہ حرکت دے کر نہیں رہ گیا بلکہ وہی عملاً اس پر ہر آن حکومت کر رہا ہے۔اس حکومت و فرماں روائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل یا حصہ نہیں ہے۔دوسروں کو اگر عارضی طور پر اور محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ ان کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں جو انھیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں، جب تک اللہ چاہے وہ انھیں حاصل رہتے ہیں، اور جب چاہے وہ انھیں سلب کر سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۲)

۶- اَلْقُدُّوسُ: نہایت مقدس

"القدوس" مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کا مادہ "ق د س" ہے۔قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور مُنَزّہ ہونا۔اور قُدُّوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدر جہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب، یا نقص، یا کوئی قبیح صفت پائی جائے۔بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

قدوسیت درحقیقت حاکمیت کے اولین لوازم میں سے ہے۔انسان کی عقل اور فطرت یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ حاکمیت کی حامل کوئی ایسی ہستی ہو جو شریر اور بدخلق اور بدنیت ہو۔جس میں قبیح صفات پائی جاتی ہوں۔جس کے اقتدار سے اس کے محکوموں کو بھلائی نصیب ہونے کے بجائے برائی کا خطرہ لاحق ہو۔اسی بنا پر انسان جہاں بھی حاکمیت کو مرکوز قرار دیتا ہے وہاں قدوسیت نہیں بھی ہوتی تو اسے موجود فرض کر لیتا ہے، کیونکہ قدوسیت کے بغیر اقتدار مطلق ناقابل تصور ہے۔لیکن یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا درحقیقت کوئی مقتدر اعلیٰ بھی قدوس نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔شخصی بادشاہی ہو یا جمہور کی حاکمیت، یا اشتراکی نظام کی فرماں روائی، یا انسانی حکومت کی کوئی دوسری صورت، بہر حال اس کے حق میں قدوسیت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۳۷)

اس سے بدر جہا منزہ اور پاک ہے کہ اس کے فیصلے میں کسی خطا اور غلطی کا امکان ہو۔غلطی تمہاری سمجھ میں ہو سکتی ہے۔اس کے فیصلے میں نہیں ہو سکتی۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الجمعہ، حاشیہ:۱)

۷- اَلسَّلَامُ: سراسر سلامتی

"اَلسَّلَام" جس کے معنی ہیں سلامتی۔کسی کو سلیم یا سالم کہنے کے بجائے سلامتی کہنے سے خود بخود مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔مثلاً کسی کو حسین کہنے کے بجائے حسن کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سراپا حسن ہے اللہ تعالیٰ کو السَّلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سراسر سلامتی ہے۔اس کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ کوئی آفت، یا کمزوری یا خامی اس کو لاحق ہو، یا کبھی اس کے کمال پر زوال آئے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۳۸)

۸- اَلْمُؤْمِنُ: امن دینے والا

"المؤمن" کا مادہ امن ہے۔امن کے معنی ہیں خوف سے محفوظ ہونا۔اور مومن وہ ہے جو دوسرے کو امن دے۔اللہ تعالیٰ کو اس معنی میں مومن کہا گیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے۔اس کی خلق اس خوف سے بالکل محفوظ ہے کہ وہ کبھی اس پر ظلم کرے گا، یا اس کا حق مارے گا، یا اس کا اجر ضائع کرے گا، یا اس کے ساتھ اپنے کیے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔(بلکہ) اس کا امن ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کے لیے ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۳۹)

۹- اَلْمُهَيْمِنُ: نگہبان

"اَلْمُهَيْمِنُ" کے تین معنی ہیں۔ایک نگہبانی اور حفاظت کرنے والا۔دوسرے شاہد، جو دیکھ رہا ہو کہ کون کیا کرتا ہے۔

تیسرے قائم بأُ مور الخلق، یعنی جس نے لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے کا ذمہ اٹھار کھا ہو۔ وہ تمام مخلوقات کی نگہبانی وحفاظت کر رہا ہے، سب کے اعمال دیکھ رہا ہے، اور کائنات کی ہر مخلوق کی خبر گیری، اور پرورش اور ضروریات کی فراہمی کا اس نے ذمہ اٹھار کھا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۴۰)

۱۰- اَلْعَزِیْزُ :سب پر غالب، بالادست، بڑا زبردست

العزیز کا مادہ ''ع ز ز'' ہے عزت کا مفہوم عربی زبان میں اردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ اردو میں عزت محض احترام اور قدر ومنزلت کے معنی میں آتا ہے، مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں عزت ''ناقابل ہتک حرمت'' کا ہم معنی ہے۔

سورۂ نساء: ۱۳۹ میں ارشاد ہے:

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ (تفهيم القرآن، ج ۱، النساء حاشيه: ۱۶۹)

''عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔''

عزت سے مراد عربی زبان میں کسی شخص کا ایسا طاقت ور اور زبردست ہونا کہ اس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، مریم، حاشیہ: ۴۹)

العزیز سے مراد ہے ایسی ہستی جس کے مقابلے میں کوئی سر نہ اٹھا سکتا ہو، جس کے فیصلوں کی مزاحمت کرنا کسی کے بس میں نہ ہو، جس کے آگے سب بے بس اور بے زور ہوں۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۴۱)

سب پر غالب اور کامل اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے کہ کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ: ۵)

کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کے ارادے میں مزاحم ہو سکے اور اس کے حکم کو نافذ ہونے سے روک سکے، ہر شے اس سے مغلوب ہے اور کسی میں اس کے مقابلے کا بل بوتا نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، حاشیہ: ۱۱)

ایسا زبردست اور قادر وقاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، جس کی مزاحمت کسی کے بس میں نہیں ہے، جس کی اطاعت ہر ایک کو کرنی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ جس کی نافرمانی کرنے والا اس کی پکڑ سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۲)

کوئی اس سے لڑ کر جیت نہیں سکتا، نہ اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے، للہٰذا اس کے فرمان سے منہ موڑ کر اگر کوئی شخص کامیابی کی توقع رکھتا ہو، اور اس کے رسول سے جھگڑا کر کے یہ امید رکھتا ہو کہ وہ اسے نیچا دکھا دے گا، تو یہ اس کی اپنی حماقت ہے ایسی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۱)

(طاقت کا مالک صرف اللہ ہی ہے) اللہ تعالیٰ نہ تو بااراده اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اس کائنات میں کوئی طاقت ایسی ہے جو اس کا وعدہ پورا ہونے میں مانع ہو سکتی ہو۔ اس لیے اس امر کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا کہ ایمان وعمل

صالح کے انعام میں جو کچھ اللہ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ کسی کو نہ ملے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ:۱۱)

اس کی عطا و بخشش کا نظام اس کے اپنے زور پر قائم ہے۔ کسی کا یہ بل بوتا نہیں ہے کہ اسے بدل سکے، یا زبردستی اس سے کچھ لے سکے، یا کسی کو دینے سے اس کو روک سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ:۳۶)

اس کی قدرت تو ایسی زبردست ہے کہ کسی کو سزا دینا چاہے تو پل بھر میں مٹا کر رکھ دے۔ مگر اس کے باوجود یہ سراسر اس کا رحم ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ برسوں اور صدیوں ڈھیل دیتا ہے، سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیے جاتا ہے، اور عمر بھر کی نافرمانیوں کو ایک توبہ پر معاف کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، حاشیہ:۳۸)

تم کچھ اپنے بل بوتے پر اس کی زمین میں نہیں دندنا رہے ہو۔ اس کا ایک اشارہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ تمہیں یہاں سے چلتا کرے اور کسی اور قوم کو تمہاری جگہ اٹھا کھڑا کرے لہٰذا اپنی اوقات پہچانو اور وہ روش اختیار نہ کرو جس سے آخر کار قوموں کی شامت آیا کرتی ہے۔ خدا کی طرف سے جب کسی کی شامت آتی ہے تو ساری کائنات میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے اور اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے روک سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، حاشیہ:۳۸)

وہ سب پر غالب ہے۔ زمین و آسمان کا مالک ہے، اور کائنات کی ہر چیز اس کی ملک ہے۔ اس کے سوا اس کائنات میں جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی ہستی بھی ایسی نہیں ہے جو اس سے مغلوب اور اس کی مملوک نہ ہو۔ یہ مغلوب اور مملوک ہستیاں اس غالب اور مالک کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہوسکتی ہیں اور آخر کس حق کی بنا پر انھیں معبود قرار دیا جا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، سورہ ص، حاشیہ:۵۸)

قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار اور ذوانتقام جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن سے محض اس کے اقتدار مطلق کا اظہار ہوتا ہے اور یہ صرف ان مواقع پر ہوا ہے جہاں سلسلۂ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا گیا وہاں اس کے حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، درگزر اور معاف کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو، اور بدسیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص کو دوسروں پر بالاتری حاصل ہے وہ یا تو اپنی طاقت کو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگدل ہے، یا بخیل اور تنگدل ہے، یا بدخو اور بدکردار ہے۔ طاقت کے ساتھ ان بری صفات کا اجتماع جہاں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم و علیم اور رحیم و غفور اور حمید و وہاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرماں روائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو ایسا کامل اقتدار رکھتا ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتا، مگر دوسری طرف وہ حکیم بھی ہے، اس کا ہر فیصلہ سراسر دانائی پر مبنی ہوتا ہے۔ علیم بھی ہے، جو فیصلہ بھی کرتا ہے ٹھیک ٹھیک علم کے مطابق کرتا ہے۔ رحیم بھی ہے، اپنے بے پناہ اقتدار کو بے رحمی کے ساتھ استعمال نہیں

کرتا۔غفور بھی ہے، اپنے زیر دستوں کے ساتھ خردہ گیری کا نہیں بلکہ چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کرتا ہے۔ وہاب بھی ہے، اپنی رعیت کے ساتھ بخیلی کا نہیں بلکہ بے انتہا فیاضی کا برتاؤ کر رہا ہے۔ اور حمید بھی ہے۔ تمام قابل تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت (Sovereignty) کے مسئلے پر فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کی بحثوں سے واقف ہیں۔ حاکمیت نام ہی اس چیز کا ہے کہ صاحب حاکمیت غیر محدود اقتدار کا مالک ہو، کوئی داخلی و خارجی طاقت اس کے حکم اور فیصلے کو نفاذ سے روکنے، یا اس کے بدلنے یا اس پر نظر ثانی کرنے والی نہ ہو، اور کسی کے لیے اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اس غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے بے عیب اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم اور بدخو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہو گی۔ اسی لیے جن فلسفیوں نے کسی انسان، یا انسانی ادارے، یا انسانوں کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے مبرا ہو گا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ یہی ممکن ہے کہ کسی بادشاہ، یا پارلیمنٹ، یا قوم یا پارٹی کو ایک محدود دائرے میں جو حاکمیت حاصل ہوا سے وہ بے عیب اور بے خطا طریقے سے استعمال کر سکے۔ اس لیے کہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوع انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے کجا کہ وہ انسانوں میں سے کسی شخص یا ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے۔ اور اسی طرح انسان جب تک انسان ہے اس کا خود غرضی، نفسانیت، خوف، لالچ، خواہشات، تعصب اور جذباتی رضا و غضب اور محبت و نفرت سے بالکل پاک اور بالاتر ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھ کر غور کرے تو اسے محسوس ہو گا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح اور مکمل تصور پیش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''عزیز'' یعنی اقتدار مطلق کا حامل اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، اور اس غیر محدود اقتدار کے ساتھ وہی ایک ہستی ایسی ہے جو بے عیب ہے، حکیم و علیم ہے، رحیم و غفور ہے اور حمید و وہاب ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۲)

۱۱- اَلْجَبَّارُ : اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا

اس کا مادہ ''ج ب ر'' ہے۔ ''جبر'' کے معنی ہیں کسی شے کو طاقت سے درست کرنا، کسی چیز کی بزور اصلاح کرنا۔ اگرچہ عربی زبان میں کبھی جبر محض اصلاح کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اور کبھی صرف زبردستی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس کا حقیقی مفہوم اصلاح کے لیے طاقت کا استعمال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو جَبَّار اس معنی میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کائنات کا نظم بزور درست رکھنے والا اور اپنے ارادے کو، جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے جبراً نافذ کرنے والا ہے۔ علاوہ بریں لفظ جبّار میں عظمت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ عربی زبان میں کھجور کے اس درخت کو جبار کہتے ہیں جو اتنا بلند و بالا ہو کہ اس کے پھل توڑنا کسی کے لیے آسان نہ ہو۔ اسی طرح کوئی کام جو بڑا عظیم الشان ہو عمل جبّار کہلاتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ: ۴۲)

۱۲- اَلْمُتَکَبِّرُ : بڑا ہی ہو کر رہنے والا

اس کے دو مفہوم ہیں۔ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔دوسرے وہ حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔انسان ہو یا شیطان ، یا کوئی اور مخلوق ، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک جھوٹا ادّعا اور بدترین عیب ہے۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادّعا اور تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے، ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔
(تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۴۳)

۱۳- اَلْخَالِقُ : تخلیق کا منصوبہ بنانے والا

پوری دنیا اور دنیا کی ہر چیز تخلیق کے ابتدائی منصوبے سے لے کر اپنی مخصوص صورت میں وجود پذیر ہونے تک بالکل اسی کی ساختہ پرداختہ ہے۔کوئی چیز بھی نہ خود وجود میں آتی ہے، نہ اتفاقاً پیدا ہوگئی ہے، نہ اس کی ساخت و پرداخت میں کسی دوسرے کا ذرہ برابر کوئی دخل ہے۔اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کے تین الگ مراتب ہیں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوتے ہیں۔پہلا مرتبہ خلق ہے جس کے معنی تقدیر یا منصوبہ سازی کے ہیں۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ (Design) سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیر تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحشر، حاشیہ:۴۵)

ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے آدمی بھی پیدا ہوئے ہیں اور آئندہ قیامت تک ہوں گے، ان سب کو وہ ایک آن کی آن میں پھر پیدا کر سکتا ہے۔اس کی قدرتِ تخلیق ایک انسان کو بنانے میں اس طرح مشغول نہیں ہوتی کہ اسی وقت وہ دوسرے انسان نہ پیدا کر سکے۔اس کے لیے ایک انسان کا بنانا اور کھربوں انسانوں کا بنا دینا یکساں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۴، لقمان، حاشیہ:۴۹)

دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے، اسی کے بنانے سے بنی ہے۔ہر چیز کو جو بناوٹ ، جو شکل و صورت ، جو قوت و صلاحیت ، اور جو صفت و خاصیت حاصل ہے، اسی کے عطیے اور بخشش کی بدولت حاصل ہے۔ہاتھ کو دنیا میں اپنا کام کرنے کے لیے جس ساخت کی ضرورت تھی وہ اس کو دی، اور پاؤں کو جو مناسب ترین ساخت درکار تھی وہ اس کو بخشی۔انسان ، حیوان ، نباتات ، جمادات ، ہوا ، پانی ، روشنی ، ہر ایک چیز کو اس نے وہ صورت خاص عطا کی ہے جو اسے کائنات میں اپنے حصہ کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے لیے مطلوب ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، طٰہٰ، حاشیہ:۲۳)

(دوسرے الفاظ میں اسے یوں بیان کر سکتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو وجود بخشا ہے، بلکہ وہی ہے جس نے ایک ایک چیز کے لیے صورت ، جسامت ، قوت و استعداد ، اوصاف و خصائص ، کام اور کام کا طریقہ ، بقا کی مدت ، عروج و ارتقا کی حد ، اور دوسری وہ تمام تفصیلات مقرر کی ہیں جو اس چیز کی ذات سے متعلق ہیں ، اور پھر اسی

نے عالم وجود میں وہ اسباب ووسائل اور مواقع پیدا کیے ہیں جن کی بدولت ہر چیز یہاں اپنے اپنے دائرے میں اپنے حصے کا کام کررہی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ:۸)

تمھیں پیدا تو اس طرح کیا کہ ایک بہترین جسم، نہایت موزوں اعضا اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جسمانی و ذہنی قوتوں کے ساتھ تم کو عطا کیا۔ یہ سیدھا قامت، یہ ہاتھ اور یہ پاؤں، یہ آنکھ، ناک اور یہ کان، یہ بولتی ہوئی زبان اور یہ بہترین صلاحیتوں کا مخزن دماغ تم خود بنا کر نہیں لے آئے تھے، نہ تمھاری ماں اور تمھارے باپ نے انھیں بنایا تھا، نہ کسی نبی یا ولی یا دیوتا میں یہ قدرت تھی کہ انھیں بناتا۔ ان کا بنانے والا وہ حکیم و رحیم قادرِ مطلق ہے جس نے انسان کو وجود میں لانے کا جب فیصلہ کیا تو اسے دنیا میں کام کرنے کے لیے ایسا بے نظیر جسم دے کر پیدا کیا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ:۹۱)

باوجودیکہ تمھارے قوائے نطقیہ یکساں ہیں، نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے اور نہ دماغ کی ساخت میں، مگر زمین کے مختلف خطوں میں تمھاری زبانیں مختلف ہیں، پھر ایک ہی زبان بولنے والے علاقوں میں شہر شہر اور بستی بستی کی بولیاں مختلف ہیں، اور مزید یہ کہ ہر شخص کا لہجہ اور تلفظ اور طرزِ گفتگو دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح تمھارا مادۂ تخلیق اور تمھاری بناوٹ کا فارمولا ایک ہی ہے، مگر تمھارے رنگ اس قدر مختلف ہیں کہ قوم اور قوم تو درکنار، ایک ماں باپ کے دو بیٹوں کا رنگ بھی یکساں نہیں ہے۔ دنیا میں آپ ہر طرف اتنا تنوع (Variety) پائیں گے کہ اس کا احاطہ مشکل ہو جائے گا۔ انسان، حیوان، نباتات اور دوسری تمام اشیاء کی جس نوع کو بھی آپ لے لیں اس کے افراد میں بنیادی یکسانی کے باوجود بے شمار اختلافات موجود ہیں، حتّٰی کہ کسی نوع کا بھی کوئی ایک فرد دوسرے سے بالکل مشابہ نہیں ہے، حتّٰی کہ ایک درخت کے دو پتوں میں بھی پوری مشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہ چیز صاف بتارہی ہے کہ یہ دنیا کوئی ایسا کارخانہ نہیں ہے جس میں خودکار مشینیں چل رہی ہوں اور کثیر پیداواری (Mass Production) کے طریقے پر ہر قسم کی اشیاء کا بس ایک ایک ٹھپہ ہو جس سے ڈھل ڈھل کر ایک ہی طرح کی چیزیں نکلتی چلی آرہی ہوں۔ بلکہ یہاں ایک ایسا زبردست کاریگر کام کررہا ہے جو ہر ہر چیز کو پوری انفرادی توجہ کے ساتھ ایک نئے ڈیزائن، نئے نقش و نگار، نئے تناسب اور نئے اوصاف کے ساتھ بناتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس کی قوتِ ایجاد ہر آن ہر چیز کا ایک نیا ماڈل نکال رہی ہے، اور اس کی صناعی ایک ڈیزائن کو دوسری مرتبہ دہرانا اپنے کمال کی توہین سمجھتی ہے۔ اس حیرت انگیز منظر کو جو شخص اپنی آنکھیں کھول کر دیکھے گا وہ کبھی اس احمقانہ تصور میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک دفعہ اس کارخانے کو چلا کر کہیں جا سویا ہے، یہ تو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ ہر وقت کارِ تخلیق میں لگا ہوا ہے اور اپنی خلق کی ایک ایک چیز پر انفرادی توجہ صرف کررہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الرُّوم، حاشیہ:۳۲)

کائنات کی ہر چیز کا عدم سے وجود میں آنا، اور ایک اٹل ضابطے پر ان کا قائم ہونا اور بے شمار قوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسب و توازن کے ساتھ کام کرنا، اپنے اندر اس بات کی بہت سی نشانیاں رکھتا ہے کہ اس پوری کائنات کو ایک خالق اور ایک ہی خالق وجود میں لایا ہے، اور وہی اس عظیم الشان نظام کی تدبیر کررہا ہے۔ ایک طرف اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ وہ ابتدائی قوت (Energy) کہاں سے آئی ہے جس نے مادے کی شکل اختیار کی، پھر مادے کے یہ بہت سے عناصر کیسے بنے، پھر ان عناصر کی اس قدر حکیمانہ ترکیب سے اتنی حیرت انگیز مناسبتوں کے ساتھ یہ مدہوش کن نظامِ عالم کیسے بن گیا، اور اب یہ

نظام کروڑہا کروڑ صدیوں سے کس طرح ایک زبردست قانونِ فطرت کی بندش میں کسا ہوا چل رہا ہے، تو ہر غیر متعصب عقل اس نتیجے پر پہنچے گی کہ یہ سب کسی علیم وحکیم کے غالب ارادے کے بغیر محض بخت واتفاق کے نتیجے میں نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری طرف اگر یہ دیکھا کہ زمین سے لے کر کائنات کے بعید ترین سیاروں تک سب ایک ہی طرح کے عناصر سے مرکب ہیں اور ایک ہی قانونِ فطرت ان میں کارفرما ہے تو ہر عقل جو ہٹ دھرم نہیں ہے، بلاشبہ یہ تسلیم کرے گی کہ یہ سب کچھ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی خدا اس پوری کائنات کا خالق اور رب ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۳۱)

اس کائنات میں اللہ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد اس کی پوری جسمانی ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دنیا میں کام کرنے کے لیے آدمی کو عطا کی گئی ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں سے انسان کو زمین کی مخلوقات میں سب سے بہتر بنایا گیا ہے، اور اسی بنا پر وہ اس قابل ہوا ہے کہ ان تمام موجودات پر حکمرانی کرے جو زمین اور اس کے گردوپیش میں پائی جاتی ہیں۔ اس کو کھڑا قد دیا گیا، اس کو چلنے کے لیے مناسب ترین پاؤں دیے گئے ہیں۔ اس کو کام کرنے کے لیے موزوں ترین ہاتھ دیے گئے۔ اس کو ایسے حواس اور ایسے آلاتِ علم دیے گئے ہیں جن کے ذریعے سے وہ ہر طرح کی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اس کو سوچنے اور سمجھنے اور معلومات جمع کر کے ان سے نتائج اخذ کرنے کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا ذہن دیا گیا ہے۔ اس کو اخلاقی حس اور قوتِ تمیز دی گئی ہے جس کی بنا پر وہ بھلائی اور برائی اور صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔ اس کو ایک قوتِ فیصلہ دی گئی ہے جس سے کام لے کر وہ اپنی راہِ عمل کا خود انتخاب کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ اپنی کوششوں کو کس راستے پر لگائے اور کس پر نہ لگائے۔ اس کو یہاں تک آزادی دے دی گئی ہے کہ چاہے تو اپنے خالق کو مانے اور اس کی بندگی کرے ورنہ اس کا انکار کردے، یا جن جن کو چاہے اپنا خدا بنا بیٹھے، یا جسے خدا مانتا ہو اس کے خلاف بھی بغاوت کرنا چاہے کر گزرے۔ ان ساری قوتوں اور ان سارے اختیارات کے ساتھ اسے خدا نے اپنی پیدا کردہ بے شمار مخلوقات پر تصرف کرنے کا اقتدار دیا ہے اور وہ عملاً اس اقتدار کو استعمال کررہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۷)

خالق اپنی مخلوق کی راہ نمائی نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اور خالق ہی رہنمائی نہ کرے تو اور کون کرسکتا ہے؟ اور خالق کے لیے اس سے بڑا عیب اور کیا ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ وجود میں لائے اسے اپنے وجود کا مقصد پورا کرنے کا طریقہ نہ سکھائے؟ پس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تعلیم کا انتظام ہونا عجیب بات نہیں۔ بلکہ یہ انتظام اگر اس کی طرف سے نہ ہوتا تو قابلِ تعجب ہوتا۔ پوری کائنات میں جو چیز بھی اس نے بنائی ہے اس کو محض پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کو وہ موزوں ترین ساخت دی ہے جس سے وہ نظامِ فطرت میں اپنے حصے کا کام کرنے کے قابل ہوسکے، اور اس کام کو انجام دینے کا طریقہ اسے سکھایا ہے۔ خود انسان کے اپنے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور ایک ایک خلیہ (Cell) وہ کام سیکھ کر پیدا ہوا ہے جو اسے انسانی جسم میں انجام دینا ہے۔ پھر آخر انسان بجائے خود اپنے خالق کی تعلیم ورہنمائی سے بے نیاز کیسے ہوسکتا تھا؟ قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ سورۂ لیل (آیت ۱۲) میں فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى "رہنمائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔" سورۂ نحل: ۹ میں ارشاد ہوا وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ "یہ اللہ کے ذمہ ہے کہ سیدھا راستہ بتائے اور ٹیڑھے راستے بہت سے ہیں۔" سورۂ طٰہٰ (آیات ۴۷-۵۰) میں ذکر آتا ہے کہ

جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی زبان سے پیغام رسالت سن کر حیرت سے پوچھا کہ آخر وہ تمہارا رب کون سا ہے جو میرے پاس رسول بھیجتا ہے، تو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ رَبُّنَا الَّذِیۡ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی اور پھر اس کی رہنمائی کی۔"یعنی وہ طریقہ سکھایا جس سے وہ نظام وجود میں اپنے حصے کا کام کر سکے یہی وہ دلیل ہے جس سے ایک غیر متعصب ذہن اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ انسان کی تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں اور کتابوں کا آنا عین تقاضائے فطرت ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۲)

اللہ تعالیٰ کے طریق تخلیق اور انسانی صناعی کا فرق بالکل واضح ہے۔ انسان جب کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں جماتا ہے، پھر اس کے لیے مطلوبہ مواد جمع کرتا ہے، پھر اس مواد کو اپنے نقشے کے مطابق صورت دینے کے لیے پیہم محنت اور کوشش کرتا ہے، اور اس کوشش کے دوران میں وہ مواد، جسے وہ اپنے ذہنی نقشے کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے، مسلسل اس کی مزاحمت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ کبھی مواد کی مزاحمت کامیاب ہو جاتی ہے اور چیز مطلوبہ نقشے کے مطابق ٹھیک نہیں بنتی اور کبھی آدمی کی کوشش غالب آ جاتی ہے اور وہ اسے اپنی مطلوبہ شکل دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک درزی قمیص بنانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے پہلے وہ قمیص کی صورت کا تصور اپنے ذہن میں حاضر کرتا ہے، پھر کپڑا فراہم کر کے اسے اپنے تصور قمیص کے مطابق تراشنے اور سینے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کوشش کے دوران میں اسے کپڑے کی اس مزاحمت کا مسلسل مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ درزی کے تصور پر ڈھلنے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا، حتّٰی کہ کبھی کپڑے کی مزاحمت غالب آ جاتی ہے اور قمیص ٹھیک نہیں بنتا اور کبھی درزی کی کوشش غالب آ جاتی ہے اور وہ کپڑے کو ٹھیک اپنے تصور کے مطابق شکل دے دیتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کا طرز تخلیق دیکھیے۔ کائنات کا مادہ دھوئیں کی شکل میں پھیلایا ہوا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ اسے وہ شکل دے جو اب کائنات کی ہے۔ اس غرض کے لیے اسے کسی انسان کاریگر کی طرح بیٹھ کر زمین اور چاند اور سورج اور دوسرے تارے اور سیارے گھڑنے نہیں پڑے، بلکہ اس نے کائنات کے اس نقشے کو جو اس کے ذہن میں تھا بس یہ حکم دے دیا کہ وہ وجود میں آ جائے، یعنی دھوئیں کی طرح پھیلا ہوا مواد ان کہکشانوں اور تاروں اور سیاروں کی شکل میں ڈھل جائے جنھیں وہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس مواد میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ کے حکم کی مزاحمت کرتا۔ اللہ کو اسے کائنات کی صورت میں ڈھالنے کے لیے کوئی محنت اور کوشش نہیں کرنی پڑی۔ اُدھر حکم ہوا اور اِدھر وہ مواد سکڑ اور سمٹ کر فرماں برداروں کی طرح اپنے مالک کے نقشے پر ڈھلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۴۸ گھنٹوں میں زمین سمیت ساری کائنات بن کر تیار ہو گئی۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ: ۱۵)

خدا ہے، اور زمین و آسمان کی تدبیر کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیت بار آوری پر ہے۔ اس صلاحیت کے روبکار آنے کا انحصار بارش پر ہے۔ خواہ وہ براہ راست زمین پر برسے، یا اس کے ذخیرے سطح زمین پر جمع ہوں، یا زیر زمین چشموں اور کنوؤں کی شکل اختیار کریں یا پہاڑوں پر یخ بستہ ہو کر دریاؤں کی شکل میں بہیں۔ پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی پر، موسموں کے ردّ و بدل پر، فضائی حرارت و برودت پر، ہواؤں کی گردش پر، اور اس بجلی پر ہے جو بادلوں سے بارش برسنے کی محرک بھی ہوتی ہے

اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی قدرتی کھاد بھی شامل کر دیتی ہے۔ زمین سے لے کر آسمان تک کی ان تمام مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہونا، پھر ان سب کا بے شمار مختلف النوع مقاصد اور مصلحتوں کے لیے صریحاً سازگار ہونا، اور ہزاروں لاکھوں برس تک ان کا پوری ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل سازگاری کرتے چلے جانا، کیا یہ سب کچھ محض اتفاقاً ہوسکتا ہے؟ کیا یہ کسی صانع حکیم کی حکمت اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کی غالب تدبیر کے بغیر ہوگیا ہے؟ اور کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ زمین، سورج، ہوا، پانی، حرارت، برودت اور زمین کی مخلوقات کا خالق اور رب ایک ہی ہے۔

(تفہیم القران، ج۳، الرّوم، حاشیہ: ۳۵)

یہ ایک حقیر بوند سے بولتا چالتا اور حجت و استدلال کرتا انسان بنا کھڑا کرنا۔ یہ اس کی ضرورت کے عین مطابق بہت سے جانور پیدا کرنا جن کے بال اور کھال، خون اور دودھ، گوشت اور پیٹھ، ہر چیز میں انسانی فطرت کے بہت سے مطالبات کا، حتّٰی کہ اس کے ذوقِ جمال کی مانگ تک کا جواب موجود ہے۔ یہ آسمان سے بارش کا انتظام اور یہ زمین میں طرح طرح کے پھلوں اور غلّوں اور چاروں کی روئیدگی کا انتظام، جس کے بے شمار شعبے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتے چلے جاتے ہیں اور پھر انسان کی بھی فطری ضرورتوں کے عین مطابق ہیں۔ یہ رات اور دن کی باقاعدہ آمد و رفت اور یہ چاند اور سورج اور تاروں کی انتہائی منظم حرکات، جن کا زمین کی پیداوار اور انسان کی مصلحتوں سے انتہائی گہرا ربط ہے۔ یہ زمین میں سمندروں کا وجود، اور یہ ان کے اندر انسان کی بہت سی طبعی اور جمالی طلبوں کا جواب۔ یہ پانی کا چند مخصوص قوانین سے جکڑا ہوا ہونا، اور پھر اس کے یہ فائدے کہ انسان سمندر جیسی ہولناک چیز کا سینہ چیرتا ہوا اس میں اپنے جہاز چلاتا ہے اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر اور تجارت کرتا پھرتا ہے۔ یہ دھرتی کے سینے پر پہاڑوں کے ابھار اور یہ انسان کی ہستی کے لیے ان کے فائدے۔ یہ سطحِ زمین کی ساخت سے لے کر آسمان کی بلند فضاؤں تک بے شمار علامتوں اور امتیازی نشانوں کا پھیلاؤ اور پھر اس طرح ان کا انسان کے لیے مفید ہونا۔ یہ ساری چیزیں صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایک ہی ہستی نے یہ منصوبہ سوچا ہے، اسی نے اپنے منصوبے کے مطابق ان سب کو ڈیزائن کیا ہے۔ اسی نے اس ڈیزائن پر ان کو پیدا کیا ہے، وہی ہر آن اس دنیا میں نت نئی چیزیں بنا بنا کر اس طرح لا رہا ہے کہ مجموعی اسکیم اور اس کے نظم میں ذرا فرق نہیں آتا، اور وہی زمین سے لے کر آسمانوں تک اس عظیم الشان کارخانے کو چلا رہا ہے۔ ایک بے وقوف یا ایک ہٹ دھرم کے سوا اور کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے؟ یا یہ کہ اس کمال درجہ منظم، مربوط اور متناسب کائنات کے مختلف کام یا مختلف اجزا مختلف خداؤں کے آفریدہ اور مختلف خداؤں کے زیرِ انتظام ہیں؟

(تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ: ۱۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سمیت تمام مشرکین کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ بجز دہریوں کے اور کسی کو بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خالقِ کائنات ہونے سے انکار نہیں رہا۔ اس لیے (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) کہ میں صرف اس کی عبادت کو صحیح و برحق سمجھتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ دوسری کوئی ہستی میری عبادت کی کیسے مستحق ہوسکتی ہے جب کہ میرے پیدا کرنے میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ مخلوق کو اپنے خالق کی بندگی تو کرنی چاہیے، لیکن غیر خالق کی بندگی وہ کیوں کرے؟

(تفہیم القرآن، ج۳، الشعراء، حاشیہ: ۵۷)

۱۴-اَلْبَارِئُ :اپنے منصوبے کونافذ کرنے والا

خلق کے بعد یہ دوسرا مرتبہ ہے "بَرء" جس کے اصل معنی ہیں جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ خالق کے لیے باری کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سوچے ہوئے نقشہ کو نافذ کرتا اور اس چیز کو، جس کا نقشہ اس نے سوچا ہے، عدم سے نکال کر وجود میں لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انجینئر نے عمارت کا جو نقشہ ذہن میں بنایا تھا اس کے مطابق وہ ٹھیک ناپ تول کر زمین پر خط کشی کرتا ہے، پھر بنیادیں کھودتا، دیواریں اٹھاتا ہے اور تعمیر کے سارے عملی مراحل طے کرتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ:۴۵)

۱۵-اَلْمُصَوِّرُ :اپنے منصوبے کے مطابق صورت گری کرنے والا

براٴ کے بعد تیسرا مرتبہ "تصویر" ہے جس کے معنی ہیں صورت بنانا، ایک شے کو اس کی آخری مکمل صورت میں بنادینا۔ ان تینوں مراتب میں اللہ تعالیٰ کے کام اور انسانی کاموں کے درمیان سرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ انسان کا کوئی منصوبہ بھی ایسا نہیں ہے جو سابق نمونوں سے ماخوذ نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ہر منصوبہ بے مثال اور اس کی اپنی ایجاد ہے۔ انسان جو کچھ بھی بناتا ہے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ مادوں کو جوڑ جاڑ کر بناتا ہے۔ وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں نہیں لاتا بلکہ جو کچھ موجود ہے اسے مختلف طریقوں سے ترکیب دیتا ہے۔ بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور وہ مادہ بھی بجائے خود اس کا پیدا کردہ ہے جس سے اس نے یہ دنیا بنائی ہے۔ اسی طرح صورت گری کے معاملہ میں بھی انسان موجد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کا نقال اور بھونڈا نقال ہے۔ اصل مصور اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہر جنس، ہر نوع اور ہر فرد کی صورت لاجواب بنائی ہے اور کبھی ایک صورت کی ہو بہو تکرار نہیں کی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحشر، حاشیہ:۴۵)

۱۶-اَلْاَوَّلُ :سب سے پہلے

سورۂ الحدید آیت ۳ میں ارشاد ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ "جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا۔"
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ:۳)

۱۷-اَلْاٰخِرُ :سب سے آخر

جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے خلود اور ابدی زندگی کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بات کیسے نبھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر ہے یعنی جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔

اس کا جواب خود قرآن مجید ہی میں موجود ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:۸۸) یعنی "ہر چیز فانی ہے اللہ کی ذات کے سوا۔" دوسرے الفاظ میں ذاتی بقا کسی مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز باقی ہے یا باقی رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے ہی سے باقی ہے اور اس کے باقی رکھنے ہی سے باقی رہ سکتی ہے، ورنہ بذات خود اس کے سوا سب فانی ہیں۔ جنت اور دوزخ میں کسی کو خلود اس لیے نہیں ملے گا کہ وہ بجائے خود غیر فانی ہے، بلکہ اس لیے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو حیات

ابدی عطا فرمائے گا۔ یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے کہ وہ بذات خود غیر فانی نہیں ہیں۔ جب اللہ نے چاہا تو وہ وجود میں آئے اور جب تک وہ چاہے اسی وقت تک وہ موجود رہ سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۳)

۱۸- اَلظَّاھِرُ: سب سے بڑھ کر ظاہر

وہ سب ظاہروں سے بڑھ کی ظاہر ہے، کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے۔

۱۹- اَلْبَاطِنُ: سب سے بڑھ کر مخفی

وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل وفکر وخیال تک اس کی کنہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۳)

اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں جنھیں امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ۔

ترجمہ: تو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں۔ تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے، کوئی تجھ سے اوپر نہیں۔ تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۳)

۲۰- اَلْحَیُّ: زندہ جاوید ہستی، اپنے بل پر آپ زندہ

سورۂ بقرہ: ۲۵۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ۔

ترجمہ: اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

سورۂ آل عمران: ۲ میں ہے:

الٓمّٓ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ ا، ل، م۔

ترجمہ: اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے، جو نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، حقیقت میں اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

سورۂ مومن آیت ۶۵ میں ارشاد ہے:

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ۔

ترجمہ: وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔

اصلی اور حقیقی زندگی اسی کی ہے۔ اپنے بل پر آپ زندہ وہی ہے۔ ازلی اور ابدی حیات اس کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔ باقی سب کی حیات عطائی ہے، عارضی ہے، موت آشنا ہے اور فنا در آغوش ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۹۲)

نادان لوگوں نے اپنی جگہ چاہے کتنے ہی خدا اور معبود بنا رکھے ہوں، مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ خدائی پوری کی پوری بلا شرکت غیرے اس غیر فانی ذات کی ہے جو کسی کی بخشی ہوئی زندگی سے نہیں، بلکہ آپ اپنی ہی حیات سے زندہ ہے اور جس کے بل بوتے ہی پر کائنات کا یہ سارا نظام قائم ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، البقرہ، حاشیہ: ۲۷۸)

۲۱، ۲۲-اَلْقَيُّوْمُ، اَلْقَائِمُ :اپنے بل بوتے پر آپ قائم رہنے والا، کائنات کو سنبھالنے والا

سورہ بقرہ آیت ۲۵۵ اور آل عمران آیت ۲ میں ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔

ترجمہ: اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور اسی کے بل بوتے پر کائنات کا یہ سارا نظام قائم ہے۔

یہ اتھاہ کائنات اللہ تعالیٰ کے قائم رکھنے سے قائم ہے۔ کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی اس کو سنبھالے ہوئے نہیں ہے۔ کائنات کا سنبھالنا تو درکنار یہ بے بس بندے تو اپنے وجود کو سنبھالنے پر بھی قادر نہیں۔ ہر ایک اپنی پیدائش اور اپنی بقا کے لیے ہر آن اللہ جل شانہ، کا محتاج ہے۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ سمجھنا کہ خدائی کی صفات اور اختیارات میں اس کا کوئی حصہ ہے، خالص حماقت اور فریب خوردگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، حاشیہ: ۶۹)

۲۳- اَلْعَلِیُّ :بالا و برتر ذات

سورہ بقرہ آیت ۲۵۵ میں ہے: وَلَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔

(سورہ الحج آیت ۵۲۔ سورۂ لقمان آیت ۳۰۔ سورہ سبا آیت ۲۳، اور سورہ غافر آیت ۱۲ میں هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ شوریٰ آیت ۴ اور ۵۱۔ سورہ الزخرف آیت ۴۔ النساء آیت ۳۴۔ مریم آیت ۵ اور ۵۷ میں بھی یہ اسم الٰہی بیان ہوا ہے)۔

ہر چیز سے بالا و برتر ہے جس کے سامنے سب پست ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ: ۵۴)

وہ عَلِیُّ العظیم ہے کہ اس کا ہمسر ہو، اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں سے کسی چیز میں بھی حصہ دار بن سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۲)

وہ اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ کسی بشر سے رو در رو کلام کرے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۸۲)

۲۴-اَلْعَظِیْمُ :بزرگ اور عظمت والا

سورہ البقرہ آیت ۲۵۵ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔

''بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔''

سورہ شوریٰ آیت ۴ میں ارشاد ہے:

لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے، وہ برتر اور عظیم ہے۔''

سورہ الحاقہ آیت ۳۳ میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

''یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا ہے۔''

اسی سورہ کی آیت ۵۲ میں فرمایا:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔

''پس اے نبیؐ! اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔''

وہ برتر اور عظیم ہے یعنی اس سے بالاتر اور بزرگ تر ہے کہ کوئی اس کا ہمسر ہو، اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں سے کسی چیز میں بھی حصہ دار بن سکے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ:۲)

۲۵- اَلتَّوَّابُ :بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا معاف کرنے والا

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں۔ بندہ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آ گیا، طریق بندگی کی طرف پلٹ آیا۔ اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے شرمسار غلام کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگیا، پھر سے نظرِ عنایت اس کی طرف مائل ہوگئی۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، البقرہ، حاشیہ:۵۱)

گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام، جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا، اب اپنے کیے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرماں برداری کی طرف پلٹ آیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی صرف ان بندوں کے لیے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے تو اس کا دروازہ کھلا پائیں گے کہ۔

ایں درگہِ مادرگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی باز آ

مگر توبہ اُن کے لیے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کیے چلے جائیں اور پھر عین اُس وقت جب کہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اسی مضمون کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَقبَلُ تَوبَۃَ العَبدِ مَا لَم یُغَرغِر۔ ''اللہ بندے کی توبہ اسی وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ آثار موت شروع نہ ہوں۔'' کیوں کہ امتحان کی مہلت جب پوری ہو گئی اور کتاب زندگی ختم ہو چکی تو اب پلٹنے کا کون سا موقع ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۱، النساء، حاشیہ:۲۷)

قرآن اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ گناہ کے نتائج لازمی ہیں، اور وہ بہر حال انسان کو بھگتنے ہی ہوں گے۔ یہ انسان کے اپنے خود ساختہ گمراہ کن نظریات میں سے ایک بڑا گمراہ کن نظریہ ہے، کیونکہ جو شخص ایک مرتبہ گناہ گارانہ زندگی میں مبتلا ہو گیا، اس کو یہ نظریہ ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیتا ہے اور اگر اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کے بعد وہ سابق کی تلافی اور آئندہ کے لیے اصلاح کرنا چاہے، تو یہ اس سے کہتا ہے کہ تیرے بچنے کی اب کوئی امید نہیں، جو کچھ تو کر چکا ہے اس کے نتائج بہر حال تیری جان کے لاگو ہی رہیں گے۔ قرآن اس کے برعکس یہ بتاتا ہے کہ بھلائی کی جزا اور برائی کی سزا دینا بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ تمھیں جس بھلائی پر انعام ملتا ہے وہ تمھاری بھلائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کا فضل ہے، چاہے عنایت فرمائے، چاہے نہ فرمائے۔ اسی طرح جس برائی پر تمھیں سزا ملتی ہے، وہ بھی برائی کا طبعی نتیجہ نہیں ہے کہ لازماً مرتب ہو کر ہی رہے گا، بلکہ اللہ پورا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے معاف کر دے اور چاہے سزا دے دے۔ البتہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اس کی حکمت کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔ وہ چونکہ حکیم ہے اس لیے اپنے اختیارات کو اندھا دھند استعمال نہیں کرتا۔ جب کسی بھلائی پر انعام دیتا ہے تو یہ دیکھ کر ایسا کرتا ہے کہ بندے نے سچی نیت کے ساتھ اس کی رضا کے لیے بھلائی کی تھی اور جس بھلائی کو رد کر دیتا ہے، اسے اس بنا پر رد کرتا ہے کہ اس کی ظاہری شکل بھلے کام کی سی تھی، مگر اندر اپنے رب کی رضا جوئی کا خالص جذبہ نہ تھا۔ اسی طرح وہ سزا اس قصور پر دیتا ہے جو باغیانہ جسارت کے ساتھ کیا جائے اور جس کے پیچھے شرمساری کے بجائے مزید ارتکاب جرم کی خواہش موجود ہو۔ اور اپنی رحمت سے معافی اس قصور پر دیتا ہے، جس کے بعد بندہ اپنے کیے پر شرمندہ اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح پر آمادہ ہو۔ بڑے سے بڑے مجرم، کٹے سے کٹے کافر کے لیے بھی خدا کے ہاں مایوسی و ناامیدی کا کوئی موقع نہیں بشرطیکہ وہ اپنی غلطی کا معترف، اپنی نافرمانی پر نادم، اور بغاوت کی روش چھوڑ کر اطاعت کی روش اختیار کرنے کے لیے تیار ہو۔
(تفہیم القرآن، ج۱، البقرہ، حاشیہ:۵۲)

سچی توبہ کا لازمی تقاضا ہے کہ جو برائی کسی شخص نے پہلے کی ہے اس کی تلافی کرنے کی وہ اپنی حد تک پوری کوشش کرے، اور جہاں تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، وہاں اللہ سے معافی مانگے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اس دھبے کو دھوتا رہے جو اس نے اپنے دامن پر لگا لیا ہے لیکن کوئی توبہ اس وقت تک حقیقی توبہ نہیں ہے جب تک کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے نہ ہو کسی دوسری وجہ یا غرض سے کسی برے فعل کو چھوڑ دینا سرے سے توبہ کی تعریف ہی میں نہیں آتا۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ:۴۵)

حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع غزوہ تبوک کے موقع پر نفس کی کمزوری کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے، ان کو اللہ کے دربار سے جو معافی ملی ہے اور اس معافی کے انداز بیان میں جو رحمت و شفقت ٹپکی پڑ رہی

ہے اس کی وجہ ان کا وہ اخلاص ہے جس کا ثبوت انھوں نے پچاس دن کی سخت سزا کے دوران میں دیا تھا۔ اگر قصور کر کے وہ اکڑتے اور اپنے لیڈر کی ناراضی کا جواب غصے اور عناد سے دیتے اور سزا ملنے پر اس طرح بپھرتے جس طرح کسی خود پرست انسان کا غرور نفس زخم کھا کر بپھرا کرتا ہے، اور مقاطعہ کے دوران میں ان کا طرز عمل یہ ہوتا کہ ہمیں جماعت سے کٹ جانا گوارا ہے مگر اپنی خودی کے بت پر چوٹ کھانا گوارا نہیں ہے، اور یہ سزا کا پورا زمانہ وہ اس دوڑ دھوپ میں گزارتے کہ جماعت کے اندر بددلی پھیلائیں اور بددل لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ساتھ ملائیں تاکہ ایک جتھا تیار ہو، تو معافی کیسی۔ انھیں تو بالیقین جماعت سے کاٹ پھینکا جاتا اور اس سزا کے بعد ان کی اپنی منہ مانگی سزا ان کو یہ دی جاتی کہ جاؤ اب اپنی خودی کے بت ہی کو پوجتے رہو۔ اعلاء کلمۃ الحق کی جدوجہد میں حصہ لینے کی سعادت اب تمہارے نصیب میں کبھی نہ آئے گی۔ لیکن ان تینوں صاحبوں نے اس کڑی آزمائش کے موقع پر یہ راستہ اختیار نہیں کیا، اگرچہ یہ بھی ان کے لیے کھلا ہوا تھا۔ اس کے برعکس انھوں نے وہ روش اختیار کی جو ابھی آپ دیکھ آئے ہیں۔ اس روش کو اختیار کر کے انھوں نے ثابت کر دیا کہ خدا پرستی نے ان کے سینے میں کوئی بت باقی نہیں چھوڑا ہے جسے وہ پوجیں، اور اپنی پوری شخصیت کو انھوں نے راہِ خدا کی جدوجہد میں جھونک دیا ہے، اور وہ اپنی واپسی کی کشتیاں اس طرح جلا کر اسلامی جماعت میں آئے ہیں کہ اب یہاں سے پلٹ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔ یہاں کی ٹھوکریں کھائیں گے مگر یہیں مریں گے اور کھپیں گے۔ کسی دوسری جگہ بڑی سے بڑی عزت بھی ملتی ہو تو یہاں کی ذلت چھوڑ کر اسے لینے نہ جائیں گے۔ اس کے بعد اگر انھیں اٹھا کر سینے سے لگا نہ لیا جاتا تو اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا ذکر ایسے شفقت بھرے الفاظ میں فرماتا ہے کہ ''ہم ان کی طرف پلٹے تاکہ وہ ہماری طرف پلٹ آئیں۔'' ان چند لفظوں میں اس حالت کی تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ آقا نے پہلے تو ان بندوں سے نظر پھیر لی تھی، مگر جب وہ بھاگے نہیں بلکہ دل شکستہ ہو کر اسی کے در پر بیٹھ گئے تو ان کی شان وفاداری دیکھ کر آقا سے خود نہ رہا گیا۔ جوش محبت سے بے قرار ہو کر آپ نکل آیا تاکہ انھیں دروازے سے اٹھا لے۔ (تفہیم القرآن، ج۲، التوبہ، حاشیہ:۱۱۹)

(اسی طرح) ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ اور ان کے چھ ساتھیوں (کا معاملہ ہے) ابولبابہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیعت عقبہ کے موقع پر ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے۔ پھر جنگ بدر، جنگ احد اور دوسرے معرکوں میں برابر شریک رہے۔ مگر غزوہ تبوک کے موقع پر نفس کی کمزوری نے غلبہ کیا اور یہ کسی عذر شرعی کے بغیر بیٹھے رہ گئے۔ ایسے ہی مخلص ان کے دوسرے ساتھی بھی تھے اور ان سے بھی یہ کمزوری سرزد ہوگئی۔ جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے اور ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی کیا رائے ہے تو انھیں سخت ندامت ہوئی۔ قبل اس کے کہ کوئی باز پرس ہوتی انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا کہ ہم پر خواب و خور حرام ہے۔ جب تک ہم معاف نہ کر دیے جائیں، یا پھر ہم مر جائیں۔ چنانچہ کئی روز وہ اسی طرح بے آب و دانہ اور بے خواب بندھے رہے حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر کار جب انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور رسول نے تمہیں معاف کر دیا تو انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر کی آسائش نے ہمیں فرض سے غافل کیا اسے اور اپنے تمام مال کو خدا کی راہ میں دے دیں۔ مگر نبی ﷺ نے فرمایا کہ سارا مال دینے کی ضرورت نہیں صرف ایک تہائی کافی ہے۔ چنانچہ وہ انھوں نے اسی وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔

اس قصہ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے ہاں معافی کس قسم کی کمزوریوں کے لیے ہے۔ یہ سب حضرات عادی غیر مخلص نہ تھے بلکہ ان کا پچھلا کارنامۂ زندگی ان کے اخلاص ایمان پر دلیل تھا۔ ان میں سے کسی نے عذرات نہیں تراشے بلکہ اپنے قصور کو خود ہی قصور مان لیا۔ انھوں نے اعتراف قصور کے ساتھ اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی نہایت نادم اور اپنے اس گناہ کی تلافی کے لیے سخت بے چین ہیں۔

گناہوں کی تلافی کے لیے زبان اور قلب کی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی توبہ بھی ہونی چاہیے، اور عملی توبہ کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں مال خیرات کرے۔ اس طرح وہ گندگی جو نفس میں پرورش پا رہی تھی اور جس کی بدولت آدمی سے گناہ کا صدور ہوا تھا، دور ہو جاتی ہے اور خیر کی طرف پلٹنے کی استعداد بڑھتی ہے۔ گناہ کرنے کے بعد اس کا اعتراف کرنا ایسا ہے جیسے ایک آدمی جو گڑھے میں گر گیا تھا، اپنے گرنے کو خود محسوس کر لے۔ پھر اس کا اپنے گناہ پر شرمسار ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس گڑھے کو اپنے لیے نہایت بری جائے قرار سمجھتا ہے اور اپنی اس حالت سے سخت تکلیف میں ہے۔ پھر اس کا صدقہ و خیرات اور دوسری نیکیوں سے اس کی تلافی کی سعی کرنا گویا گڑھے سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۲، التوبہ، حاشیہ:۹۹)

قصور کرنے والا بھی اگر توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لے اور برے عمل کے بجائے نیک عمل کرنے لگے تو اللہ کے ہاں اس کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھلا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نادانستگی میں ایک قبطی کو قتل کر کے مصر سے نکلے تھے۔ اس کے بعد فوراً انھوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی کہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ (اے پروردگار! میں اپنے نفس پر ظلم کر گزرا، مجھے معاف فرمادے) اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت انھیں معاف بھی فرما دیا تھا فَغَفَرَلَهٗ (القصص:۱۶)
(تفہیم القرآن، ج۳، النمل، حاشیہ:۱۵)

گناہ گار کی توبہ قبول کر لینا اور اسے سزا دینے کے بجائے جنت عطا فرما دینا اللہ پر واجب نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر اس کی عنایت و مہربانی سے ہوگی کہ وہ معاف بھی کرے اور انعام بھی دے۔ بندے کو اس سے معافی کی امید تو ضرور رکھنی چاہیے مگر اس بھروسے پر گناہ نہیں کرنا چاہیے کہ توبہ سے معافی مل جائے گی۔ (تفہیم القرآن، ج۶، التحریم، حاشیہ:۲۰)

رہا توبہ کا شرعی مفہوم تو اس کی تشریح ہمیں اس حدیث میں ملتی ہے جو ابن ابی حاتم نے زرّ بن حبیش کے واسطے سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے توبۂ نصوح کا مطلب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو۔'' یہی مطلب حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے، اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ نے توبۂ نصوح کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ توبہ کے بعد آدمی گناہ کا اعادہ تو درکنار، اس کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے (ابن جریر)۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک بدّو کو جلدی جلدی توبہ و استغفار کے الفاظ زبان سے ادا کرتے سنا تو فرمایا یہ توبةُ الکذابین ہے۔ اس نے پوچھا، پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا، اس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئیں:

(۱) جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو۔ (۲) اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کر۔ (۳) جس کا حق مارا ہو

اس کو واپس کر۔ (۴) جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگ۔ (۵) آئندہ کے لیے عزم کر لے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔ (۶) اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو طاعت کی تلخی کا مزہ چکھا جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزہ چکھاتا رہا ہے۔ (کشاف)

توبہ کے سلسلہ میں چند امور اور بھی ہیں جنھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے:

۱ اوّل یہ کہ توبہ درحقیقت کسی معصیت پر اس لیے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ ورنہ کسی گناہ سے اس لیے پرہیز کا عہد کر لینا کہ وہ مثلاً صحت کے لیے نقصان دہ ہے، یا کسی بدنامی کا، یا مالی نقصان کا موجب ہے، توبہ کی تعریف میں نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ جس وقت آدمی کو احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے، اسی وقت اسے توبہ کرنی چاہیے اور جس شکل میں بھی ممکن ہو بلا تاخیر اس کی تلافی کر دینی چاہیے، اسے ٹالنا مناسب نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار اسے توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہو، توبہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ توبہ کی اصل روح گناہ پر شرمساری ہے، اور بار بار کی توبہ شکنی اس بات کی علامت ہے کہ اس کے پیچھے کوئی شرمساری موجود نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا، اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہوگا، البتہ اسے بعد والے گناہ پر پھر توبہ کرنی چاہیے اور زیادہ سختی کے ساتھ عزم کرنا چاہیے کہ آئندہ وہ توبہ شکنی کا مرتکب نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے، توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے، لیکن اگر اس کا نفس اپنی سابق گناہ گارانہ زندگی کی یاد سے لطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہیے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لیے لذت کے بجائے شرمساری کا موجب بن جائے۔ اس لیے کہ جس شخص نے فی الواقع خدا کے خوف کی بنا پر معصیت سے توبہ کی ہو وہ اس خیال سے لذت نہیں لے سکتا کہ وہ خدا کی نافرمانی کرتا رہا ہے۔ اس سے لذت لینا اس بات کی علامت ہے کہ خدا کے خوف نے اس کے دل میں جڑ نہیں پکڑی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۶، التحریم، حاشیہ:۱۹)

۲۶- اَلْحَلِيْمُ : بڑا ہی بُردبار

سورہ بقرہ: ۲۲۵ میں ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ مزید برآں آیات ۲۳۵، ۲۶۳ میں، آلِ عمران: ۱۵۵، النساء: ۱۲، المائدہ: ۱۰۱، الحج: ۵۹ اور التغابن: ۱۷ میں بطور اسم الٰہی بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ الاسراء آیت ۴۴ میں ہے: وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔

سورۃ الاحزاب: ۵۱ میں وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا "اور اللہ علیم و حلیم ہے۔"

اور سورہ فاطر: ۴۱ میں اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ "بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

(حلیم) اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مزاج پر قابو رکھتا ہو، نہ غصے اور دشمنی اور مخالفت میں آپے سے باہر ہو، نہ محبت اور دوستی اور تعلق خاطر میں حدِّ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ (تفہیم القرآن، ج۲، التوبہ، حاشیہ:۱۱۳)

لوگوں کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ان کی بڑی بڑی خدمات اور قربانیوں پر پانی پھیر دینے والا

نہیں ہے۔ وہ ان سے درگزر فرمائے گا اور ان کے قصور معاف کر دے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۰۳)

مخلص اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس تنگ دل آقا کا سا نہیں ہے جو بات بات پر گرفت کرتا ہو اور ایک ذرا سی خطا پر اپنے ملازم کی ساری خدمتوں اور وفاداریوں پر پانی پھیر دیتا ہو۔ وہ فیاض اور کریم آقا ہے۔ جو بندہ اس کا وفادار ہو اس کی خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بھی خدمت اس سے بن آئی ہو اس کی قدر فرماتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ:۵۲)

یہ اس کا حِلم ہے کہ تم اس کی جناب میں گستاخیوں پر گستاخیاں کیے جاتے ہو، اور اس پر طرح طرح کے بہتان تراشتے ہو اور پھر بھی وہ درگزر کیے چلا جاتا ہے۔ نہ رزق بند کرتا ہے، نہ اپنی نعمتوں سے محروم کرتا ہے، اور نہ ہر گستاخ پر فوراً بجلی گرا دیتا ہے۔ یہ بھی اس کی بردباری اور اس کے درگزر ہی کا ایک کرشمہ ہے کہ وہ افراد کو بھی اور قوموں کو بھی سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتا ہے، انبیاء (علیہم السلام) اور مصلحین اور مبلغین کو ان کی فہمائش اور راہنمائی کے لیے بار بار اٹھاتا رہتا ہے، اور جو بھی اپنی غلطی کو محسوس کر کے سیدھا راستہ اختیار کر لے اس کی پچھلی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ:۵۰)

اللہ جس کے تم بندے ہو، عفوودرگزر کرنے والا ہے، اس لیے تم کو بھی جہاں تک بھی تمہارے بس میں ہو، عفوودرگزر سے کام لینا چاہیے۔ اہل ایمان کے اخلاق کا زیور یہی ہے کہ وہ حلیم، عالی ظرف اور متحمل ہوں۔ بدلہ لینے کا حق انھیں ضرور حاصل ہے، مگر بالکل منتقمانہ ذہنیت اپنے اوپر طاری کر لینا ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۰۵)

یہ اس کی حلیمی و رحیمی اور چشم پوشی و درگزر ہی تو ہے جس کی بدولت کفر اور شرک اور دہریت اور فسق و فجور اور ظلم و ستم کی انتہا کر دینے والے بھی سالہا سال تک، بلکہ اس طرح کے پورے پورے معاشرے صدیوں تک مہلت پر مہلت پاتے چلے جاتے ہیں، اور ان کو صرف رزق ہی نہیں ملے جاتا بلکہ دنیا میں ان کی بڑائی کے ڈنکے بجتے ہیں اور زینت حیات دنیا کے سروسامان انھیں ملتے ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر نادان لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ:۵)

داعی حق کے لیے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے، نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو، اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعال طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے بنتا نہیں ہے، اسی چیز کو نبی ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ غضب اور رضا، دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الاعراف، حاشیہ:۱۵۰)

۲۷-اَلْوَاسِعُ: وسیع النظر، وسیع الظرف

سورہ آل عمران: ۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ ''وہ وسیع النظر ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔'' واسع بالعموم قرآن میں تین مواقع پر آیا کرتا ہے۔ ایک وہ موقع جہاں انسانوں کے کسی گروہ کی تنگ خیالی وتنگ نظری کا ذکر آتا ہے اور اسے اس حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اللہ تمہاری طرح تنگ نظر نہیں ہے۔ دوسرا وہ موقع جہاں کسی کے بخل اور تنگ دلی اور کم حوصلگی پر ملامت کرتے ہوئے یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ فراخ دست ہے، تمہاری طرح بخیل نہیں ہے۔ تیسرا وہ موقع جہاں لوگ اپنے تخیل کی تنگی کے سبب سے اللہ کی طرف کسی قسم کی محدودیت منسوب کرتے ہیں اور انھیں یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، آل عمران، حاشیہ: ۶۲)

اسی طرح سورہ بقرہ: ۱۱۵ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ ''اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ محدود، تنگ دل، تنگ نظر اور تنگ دست نہیں، جیسا کہ لوگوں نے اپنے اوپر قیاس کرکے اسے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کی خدائی بھی وسیع ہے اور اس کا زاویۂ نظر اور دائرہ فیض بھی وسیع ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا کون سا بندہ کہاں، کس وقت کس نیت سے اسے یاد کررہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، البقرہ، حاشیہ: ۱۱۶)

۲۸-اَلْحَكِيمُ: بہت ہی دانا و بینا، مقتضائے دانش کے مطابق کام کرنے والا

جو حکمت و دانائی اور علم و دانش میں کامل ہے۔ جسے اپنی خلق کے مصالح اور ان کے ماضی و حال اور مستقبل کا پورا علم ہے اور جس کی حکمت بندوں کی اصلاح وہدایت کے لیے بہترین تدابیر اختیار کرتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، النمل، حاشیہ: ۷)

طاقت کا مالک صرف اللہ ہی ہے اور اسی کی تدبیر وحکمت اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۴ لقمان، حاشیہ: ۱۱)

اللہ کی طرف سے اس نعمت بھری جنتوں کے انعام کا یہ اعلان سراسر اسکی حکمت اور اس کے عدل پر مبنی ہے۔ اس کے ہاں کوئی غلط بخشی نہیں ہے کہ مستحق کو محروم رکھا جائے اور غیر مستحق کو نواز دیا جائے۔ ایمان و عمل صالح سے متصف لوگ فی الواقع اس انعام کے مستحق ہیں اور اللہ یہ انعام انہی کو عطا فرمائے گا۔

جو فیصلہ بھی وہ کرتا ہے سراسر حکمت کی بنا پر کرتا ہے۔ کسی کو دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ حکمت اس کی مقتضی ہے اور کسی کو نہیں دیتا تو اس لیے نہیں دیتا کہ اسے دینا حکمت کے خلاف ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الفاطر، حاشیہ: ۵)

جو ہدایت وہ اس کتاب میں دے رہا ہے وہ سراسر دانائی پر مبنی ہے اور صرف ایک جاہل و نادان آدمی ہی اس سے منہ موڑ سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الاحزاب، حاشیہ: ۱)

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جب بھی وہ کسی بندے سے رابطہ قائم کرنا چاہے، کوئی دشواری اس کے ارادے کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتی، اور وہ اپنی حکمت سے اس کام کے لیے وحی کا طریقہ اختیار فرمالیتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۱)

اس کی حکمت اس سے عاجز نہیں ہے کہ اپنے کسی بندے تک اپنی ہدایات پہنچانے کے لیے روبرو بات چیت کرنے کے سوا کوئی اور تدبیر نکال لے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۸۲)

اس کا حکیم ہونا اس کا مقتضی ہے کہ انسان پورے اطمینان کے ساتھ بہ رضا و رغبت اس کی ہدایات اور اس کے احکام کی پیروی کرے، کیوں کہ اس کی کسی تعلیم کے غلط یا نامناسب یا نقصان دہ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، الجاثیہ، حاشیہ: ۱)

وہ حکیم ہے جو کچھ کرتا ہے وہ عین مقتضائے دانش ہوتا ہے اور اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں کوئی اس کا توڑ نہیں کرسکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، حاشیہ: ۱)

اللہ کے پاس تو ایسے لشکر ہیں جن سے وہ کفار کو جب چاہے تہس نہس کردے، مگر اس نے کچھ جان کر اور حکمت ہی کی بنا پر یہ ذمہ داری اہل ایمان پر ڈالی ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں جدوجہد اور کشمکش کر کے اللہ کے دین کا بول بالا کریں۔ اسی لیے ان کے لیے درجات کی ترقی اور آخرت کی کامیابیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الفتح، حاشیہ: ۸)

وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق، اس کی تدبیر، اس کی فرماں روائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۲)

یہ اسی کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ ایسی ناتراشیدہ اُمّی قوم میں اس سے ایسا عظیم نبی پیدا کیا جس کی تعلیم و ہدایت اس درجہ انقلاب انگیز ہے، اور پھر ایسے عالمگیر ابدی اصولوں کی حامل ہے جن پر تمام نوع انسانی مل کر ایک امت بن سکتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان اصولوں سے رہنمائی حاصل کرسکتی ہے۔ کوئی بناوٹی انسان خواہ کتنی ہی کوشش کر لیتا، یہ مقام و مرتبہ کبھی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ عرب جیسی پسماندہ قوم تو درکنار، دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قوم کا کوئی ذہین سے ذہین آدمی بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ایک قوم کی اس طرح مکمل طور پر کایا پلٹ دے، اور پھر ایسے جامع اصول دنیا کو دے دے جن پر ساری نوع انسانی ایک امت بن کر ایک دین اور ایک تہذیب کا عالمگیر و ہمہ گیر نظام ابد تک چلانے کے قابل ہوجائے۔ یہ ایک معجزہ ہے جو اللہ کی قدرت سے رونما ہوا ہے، اور اللہ ہی نے اپنی حکمت کی بنا پر جس شخص، جس ملک اور جس قوم کو چاہا ہے اس کے لیے انتخاب کیا ہے۔ اس پر اگر کسی بے وقوف کا دل دکھتا ہے تو دکھتا رہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، حاشیہ: ٦)

اللہ تمہارا آقا اور تمہارے معاملات کا متولی ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اس نے دیے ہیں سراسر حکمت کی بنا پر دیے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے ہو اور وہ تمہارا آقا ہے، اس لیے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں ردوبدل کرنے کا اختیار تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تمہارے لیے حق یہی ہے کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے بس اس کی اطاعت کرتے رہو۔

(تفہیم القرآن، ج ٦، التحریم، حاشیہ: ۵)

اللہ کے کاموں کو اس کی قدرت کے پہلو سے دیکھیے تو دل گواہی دے گا کہ وہ جب چاہے قیامت برپا کرسکتا ہے اور جب چاہے ان سب مرنے والوں کو پھر سے زندہ کرسکتا ہے جن کو پہلے وہ عدم سے وجود میں لایا تھا۔ اور اگر اس کے کاموں کو اس کی حکمت کے پہلو سے دیکھیے تو عقل شہادت دے گی کہ یہ دونوں کام بھی وہ ضرور کر کے رہے گا کیونکہ ان کے بغیر حکمت

کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور ایک حکیم سے یہ بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ جو محدود سی حکمت و دانائی انسان کو حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنا مال یا جائداد یا کاروبار جس کے سپرد بھی کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے۔ گویا امانت اور محاسبے کے درمیان ایک لازمی عقلی رابطہ ہے۔ جس کو انسان کی محدود حکمت بھی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرتی۔ پھر اسی حکمت کی بنا پر آدمی ارادی اور غیر ارادی افعال کے درمیان فرق کرتا ہے، ارادی افعال کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور وابستہ کرتا ہے، افعال میں نیک اور بد کی تمیز کرتا ہے، اچھے افعال کا نتیجہ تحسین اور انعام کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور برے افعال پر سزا کا تقاضا کرتا ہے حتّٰی کہ خود ایک نظام عدالت اس غرض کے لیے وجود میں لاتا ہے۔ یہ حکمت جس خالق نے انسان میں پیدا کی ہے، کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہوگا؟ کیا مانا جا سکتا ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا اتنے سر و سامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہے، اس کا حساب وہ کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے جو برے اعمال سزا سے بچ نکلے ہیں، یا جن برائیوں کی متناسب سزا انھیں نہیں مل سکی ہے ان کی باز پرس کے لیے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی، اور جو بھلائیاں اپنے منصفانہ انعام سے محروم رہ گئی ہیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اور زندگی بعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ جس کا پورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سراسر بعید از عقل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۹)

(ذرا) غور کیجیے، زمین میں اس مواد کا ٹھیک سطح پر یا سطح سے متصل موجود ہونا جو بے شمار مختلف اقسام کی نباتی زندگی کے لیے درکار ہے، اور پانی کے اندر ٹھیک وہ اوصاف موجود ہونا جو حیوانی اور نباتی زندگی کی ضروریات کے مطابق ہیں، اور اس پانی کا پے در پے سمندروں سے اٹھایا جانا اور زمین کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً ایک باقاعدگی کے ساتھ برسایا جانا اور زمین، ہوا، پانی اور درجۂ حرارت وغیرہ مختلف قوتوں کے درمیان ایسا متناسب تعاون قائم کرنا کہ اس سے نباتی زندگی کو نشو و نما نصیب ہو اور وہ ہر طرح کی حیوانی زندگی کے لیے اس کی بے شمار ضروریات پوری کرے، کیا یہ سب کچھ ایک حکیم کی منصوبہ بندی اور دانشمندانہ تدبیر اور غالب قدرت و ارادہ کے بغیر خود بخود اتفاقاً ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ مسلسل ہزار ہا برس بلکہ لاکھوں کروڑوں برس تک اسی باقاعدگی سے رونما ہوتا چلا جائے؟ صرف ایک ہٹ دھرم آدمی ہی، جو تعصب میں اندھا ہو چکا ہو اسے ایک امر اتفاقی کہہ سکتا ہے۔ کسی راستی پسند عاقل انسان کے لیے ایسا لغو دعویٰ کرنا اور ماننا ممکن نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، حاشیہ: ۷۳)

نباتات کی ہر نوع میں تناسل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے ہی کی نسل کو زمین میں بڑھنے کا موقع مل جاتا تو چند سال کے اندر روئے زمین پر بس وہی وہ نظر آتی، کسی دوسری قسم کی نباتات کے لیے کوئی جگہ نہ رہتی۔ مگر یہ ایک حکیم اور قادر مطلق کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ جس کے مطابق بے حد و حساب اقسام کی نباتات اس زمین پر اُگ رہی ہیں اور ہر نوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے۔ اسی منظر کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کی جسامت، پھیلاؤ، اٹھان اور نشو و نما کی ایک حد مقرر ہے۔ جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر درخت، ہر پودے اور ہر بیل بوٹے کے لیے جسم، قد، شکل، برگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پورے ناپ تول اور حساب و شمار کے ساتھ مقرر کر رکھی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، حاشیہ: ۱۳)

یہ ایک مقرر مقدار میں نازل فرمانے کا معاملہ صرف نباتات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام موجودات کے معاملہ میں عام ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع، ہر جنس اور ہر قوت و طاقت کے لیے ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھیری ہوئی ہے اور ایک مقدار مقرر ہے جس سے نہ وہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ اسی تقدیر اور کمال درجہ کی حکیمانہ تقدیر ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک پورے نظام کائنات میں یہ توازن، یہ اعتدال، اور یہ تناسب نظر آرہا ہے۔ اگر یہ کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہوتی، یا بہت سے خداؤں کی کاریگری و کارفرمائی کا نتیجہ ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ بے شمار مختلف اشیاء اور قوتوں کے درمیان ایسا مکمل توازن و تناسب قائم ہوتا اور مسلسل قائم رہ سکتا؟

(تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، حاشیہ: ۱۴)

اجرام فلکی کے ساتھ زمین کا تعلق، زمین کے ساتھ سورج اور چاند کا تعلق، زمین کی بے شمار مخلوقات کی ضرورتوں سے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق، یہ ساری چیزیں اس بات پر کھلی شہادت دیتی ہیں کہ ان کو نہ تو الگ الگ خداؤں نے بنایا ہے اور نہ مختلف بااختیار خدا ان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان سب چیزوں میں باہم اتنی مناسبتیں اور ہم آہنگیاں اور موافقتیں نہ پیدا ہو سکتی تھیں اور نہ مسلسل قائم رہ سکتی تھیں۔ الگ الگ خداؤں کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مل کر پوری کائنات کے لیے تخلیق و تدبیر کا ایسا منصوبہ بنالیتے جس کی ہر چیز زمین سے لے کر آسمانوں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کھاتی چلی جائے اور کبھی ان کی مصلحتوں کے درمیان تصادم واقع نہ ہونے پائے۔

زمین کے اس عظیم الشان کرّے کا فضائے بسیط میں معلق ہونا، اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پہاڑوں کا ابھر آنا۔ اس کے سینے پر ایسے ایسے زبردست دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں طرح طرح کے بے حدوحساب درختوں کا پھلنا اور پیہم انتہائی باقاعدگی کے ساتھ رات اور دن حیرت انگیز آثار کا طاری ہونا، یہ سب چیزیں اس خدا کی قدرت پر گواہ ہیں جس نے انھیں پیدا کیا۔

زمین کی ساخت میں، اس پر پہاڑوں کی پیدائش میں، پہاڑوں سے دریاؤں کی روانی کا انتظام کرنے میں، پھلوں کی ہر قسم میں دو دو طرح کے پھل پیدا کرنے میں، اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات باقاعدگی کے ساتھ لانے میں جو بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں وہ پکار پکار کر شہادت دے رہی ہیں کہ جس خدا نے تخلیق کا نقشہ بنایا ہے وہ کمال درجے کا حکیم ہے۔ یہ ساری چیزیں خبر دیتی ہیں کہ یہ نہ تو کسی بے ارادہ طاقت کی کارفرمائی ہے اور نہ کسی کھلنڈرے کا کھلونا۔ ان میں سے ہر ہر چیز کے اندر ایک حکیم کی حکمت اور انتہائی بالغ حکمت کام کرتی نظر آتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، حاشیہ: ۸)

ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا ہے بلکہ اس میں بے شمار خطّے پیدا کر دیے ہیں جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادۂ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان مختلف خطوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوسری مخلوقات سے قطع نظر صرف ایک انسان ہی کے مفاد کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی مختلف اغراض و مصالح اور زمین کے ان خطوں کی گوناگونی کے درمیان جو مناسبتیں اور مطابقتیں پائی جاتی ہیں اور ان کی بدولت انسانی تمدن کو پھلنے پھولنے کے جو مواقع بہم پہنچے ہیں، وہ

یقیناً کسی حکیم کی فکر اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کے دانشمندانہ ارادے کا نتیجہ ہیں۔ اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کے لیے بڑی ہٹ دھرمی درکار ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، حاشیہ: ۹)

اس کرّہ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر آدمی غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم و دانا قادرِ مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہ ہو سکتی تھیں۔ یہ کرّہ فضائے بسیط میں معلق ہے، کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب اور اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا، جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آجانے سے بہ آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں، تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔ یہ کرہ باقاعدگی کے ساتھ سورج کے سامنے آتا ہے اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی کیوں کہ ایک رخ کو سردی اور بے نوری نباتات اور حیوانات کی پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیاہ اور غیر آباد بنا دیتی۔ اس کرہ پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف رڈا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بم باری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب، جو ۳۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں، یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان، حیوان یا درخت جیتا نہ رہ سکتا تھا۔ یہی ہوا درجۂ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے، یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گیسیں فراہم کرتی ہے، یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن سکتی۔ اس کرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیاوی اجزا بڑے پیمانے پر فراہم کر دیے گئے ہیں جو نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطلوب ہیں، جس جگہ بھی یہ سروسامان مفقود ہوتا ہے وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی۔ اس کرے پر سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، چشموں اور زیر زمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے، اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا امکان نہ تھا۔ پھر اس پانی، ہوا اور تمام ان اشیاء کو جو زمین پر پائی جاتی ہیں، سمیٹے رکھنے کے لیے اس کرے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے۔ یہ کشش اگر کم ہوتی تو ہوا اور پانی، دونوں کو نہ روک سکتی اور درجۂ حرارت اتنا زیادہ ہوتا کہ زندگی یہاں دشوار ہو جاتی۔ یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہو جاتی، اس کا دباؤ بہت بڑھ جاتا، بخارات آبی کا اٹھنا مشکل ہوتا اور بارشیں نہ ہو سکتیں، سردی زیادہ ہوتی، زمین کے بہت کم رقبے آبادی کے قابل ہوتے، بلکہ کشش ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوانات کی جسامت بہت کم ہوتی اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت بھی ان کے لیے مشکل ہوتی۔ علاوہ بریں، اس کرے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لیے مناسب ترین۔ اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سورج سے اس کو حرارت کم ملتی، سردی بہت زیادہ ہوتی، موسم بہت لمبے ہوتے اور مشکل ہی سے یہ آبادی کے قابل ہوتا۔ اور اگر فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی چیزیں مل جل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل نہ رہنے دیتیں۔

یہ صرف چند وہ مناسبتیں ہیں جن کی بدولت زمین اپنی موجودہ آبادی کے لیے جائے قرار بنی ہے۔ کوئی شخص عقل

رکھتا ہو اور ان امور کو نگاہ میں رکھ کر سوچے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ یہ تصور کر سکتا ہے کہ کسی خالق حکیم کی منصوبہ سازی کے بغیر یہ مناسبتیں محض ایک حادثہ کے نتیجے میں خود بخود قائم ہو گئی ہیں، اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس عظیم الشان تخلیقی منصوبے کو بنانے اور روبعمل لانے میں کسی دیوی، دیوتا، یا جنّ، یا نبی، ولی یا فرشتے کا کوئی دخل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، حاشیہ: ۷۴)

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تدبیروں میں سے ایک ہے کہ اس نے بحری اور بری سفروں میں انسان کی رہنمائی کے لیے وہ ذرائع پیدا کر دیے ہیں جن سے وہ اپنی سمت سفر اور منزل مقصود کی طرف اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع و غروب کی سمتیں اسکی مدد کرتی ہیں اور تاریک راتوں میں تارے اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، حاشیہ: ۷۸)

اللہ نے اس کائنات میں کہیں بھی یکسانی نہیں رکھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے، مگر اس کے قطعے اپنے اپنے رنگوں، شکلوں اور خاصیتوں میں جدا ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی ہے مگر اس سے طرح طرح کے غلے اور پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک ہی درخت ہے اور اس کا ہر پھل دوسرے پھل سے نوعیت میں متحد ہونے کے باوجود شکل اور جسامت اور دوسری خصوصیات میں مختلف ہے ایک ہی جڑ ہے اور اس سے دو الگ تنے نکلتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی الگ انفرادی خصوصیت رکھتا ہے۔ ان باتوں پر جو شخص غور کرے گا وہ کبھی یہ دیکھ کر پریشان نہ ہو گا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا، مگر جس حکمت پر اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، حاشیہ: ۱۱)

۲۹- اَلشَّاکِرُ : بڑا قدردان

شکر کے اصل معنی اعتراف نعمت یا احسان مندی کے ہیں۔ ایک محسن کے مقابلہ میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے اور اس شکر کا اقتضاء یہ ہے کہ اوّلاً آدمی احسان کو اسی کی طرف منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے، کسی دوسرے کو احسان کے شکریہ اور نعمت کے اعتراف میں اس کا حصہ دار نہ بنائے۔ ثانیاً آدمی کا دل اپنے محسن کے لیے محبت اور وفاداری کے جذبہ سے لبریز ہو اور اس کے مخالفوں سے محبت و اخلاص اور وفاداری کا ذرہ برابر تعلق بھی نہ رکھے۔ ثالثاً وہ اپنے محسن کا مطیع و فرماں بردار ہو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منشاء کے خلاف استعمال نہ کرے۔

شکر جب اللہ کی طرف سے بندے کی جانب ہو تو اس کے معنی اعتراف خدمت یا قدردانی کے ہوں گے، اور جب بندے کی طرف سے اللہ کی جانب ہو تو اس کو اعتراف نعمت یا احسان مندی کے معنی میں لیا جائے گا۔ اللہ کی طرف سے بندوں کا شکریہ ادا کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ناقدرشناس نہیں ہے، جتنی اور جیسی خدمات بھی بندے اس کی راہ میں بجا لائیں، اللہ کے ہاں ان کی قدر کی جاتی ہے۔ کسی کی خدمات صلہ و انعام سے محروم نہیں رہتیں، بلکہ وہ نہایت فیاضی کے ساتھ ہر شخص کو اس کی خدمت سے زیادہ صلہ دیتا ہے۔ بندوں کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے کیا اس کی قدر کم کرتے ہیں اور جو کچھ نہ کیا اس

پر گرفت کرنے میں بڑی سختی دکھاتے ہیں لیکن اللہ کا حال یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے نہیں کیا اس پر محاسبہ کرنے میں وہ بہت نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے، اور جو کچھ کیا ہے اس کی قدر اس کے مرتبے سے بڑھ کر کرتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۱، النساء، حاشیہ: ۱۷۵-۱۷۶)

جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والے مجرمین کے برعکس، نیکی کی کوشش کرنے والے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ (۱) جتنی کچھ اپنی طرف سے وہ نیک بننے کی سعی کرتے ہیں، اللہ ان کو اس سے زیادہ نیک بنا دیتا ہے۔ (۲) ان کے کام میں جو کوتاہیاں رہ جاتی ہیں، یا نیک بننے کی کوشش کے باوجود جو گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں، اللہ ان سے چشم پوشی کرتا ہے، اور (۳) جو تھوڑی سی نیک عمل کی پونجی وہ لے کر آتے ہیں اللہ اس پر ان کی قدر افزائی کرتا ہے اور انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ ۴۲)

۳۰- اَلْعَلِیْمُ :سب کچھ جاننے والا

(۱) ایک انسان کے بس میں یہ ہے ہی نہیں کہ ان تمام حقائق کا احاطہ کر لے جن کا جاننا ایک صحیح راہ حیات متعین کرنے کیلیے ضروری ہے۔ یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہی سمیع وعلیم ہے، اس لیے وہی یہ بتا سکتا ہے کہ انسان کے لیے ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا، حق کیا ہے اور باطل کیا، خیر کیا ہے اور شر کیا؟ (تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، حاشیہ: ۵)

(۲) یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ کون فی الواقع ایک اعلیٰ درجہ کا انسان ہے اور کون اوصاف کے لحاظ سے ادنیٰ درجے کا ہے۔ لوگوں نے بطور خود اعلیٰ اور ادنیٰ کے جو معیار بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں چلنے والے نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جس کو دنیا میں بہت بلند مرتبے کا آدمی سمجھا گیا ہو وہ اللہ کے آخری فیصلے میں کم ترین خلائق قرار پائے، اور ہوسکتا ہے کہ جو یہاں بہت حقیر سمجھا گیا ہو وہ وہاں بڑا اونچا مرتبہ پائے۔ اصل اہمیت دنیا کی عزت وذلت کی نہیں بلکہ اس ذلّت وعزت کی ہے جو خدا کے ہاں کسی کو نصیب ہو۔ اس لیے انسان کو ساری فکر اس امر کی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اندر وہ حقیقی اوصاف پیدا کرے جو اسے اللہ کی نگاہ میں عزت کے لائق بنا سکتے ہوں۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات، حاشیہ: ۲۹)

(۳) خدا اندھا، بہرا، بے خبر خدا نہیں ہے بلکہ دانا و بینا ہے۔ اس کی خدائی میں اندھا دھند کام نہیں ہو رہا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، انفال، حاشیہ: ۳۵)

(۴) آخر کار معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اس لیے بالفرض اگر کوئی شخص دنیا میں اپنے نفاق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائے اور انسان جن جن معیاروں پر کسی کے ایمان واخلاص کو پرکھ سکتے ہیں ان سب پر بھی پورا اتر جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ نفاق کی سزا سے بچ نکلا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، التوبة، حاشیہ: ۱۰۰)

(۵) اور اس کا علم سب پر اس طرح حاوی ہے کہ کوئی متنفس اس سے چھوٹ نہیں سکتا، بلکہ کسی اگلے پچھلے انسان کی خاک کا کوئی ذرہ بھی اس سے گم نہیں ہوسکتا، اس لیے جو شخص حیات اخروی کو مستبعد سمجھتا ہے وہ خدا کی صفت حکمت سے بے خبر ہے، اور جو شخص حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ ''جب مرنے کے بعد ہماری خاک کا ذرہ ذرہ منتشر ہو جائے گا تو ہم

کیسے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے؟'' وہ خدا کی صفت علم کو نہیں جانتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، حاشیہ:۱۶)

(۶) وہ جانتا ہے کہ کس نے فی الحقیقت اسی کی راہ میں گھر بار چھوڑا ہے اور وہ کس انعام کا مستحق ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۰۳)

(۷) اللہ کی یہ مشیت کہ وہ کسے پاکیزگی بخشے، اندھا دھند نہیں ہے بلکہ علم کی بنا پر ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس میں بھلائی کی طلب موجود ہے اور کون برائی کی رغبت رکھتا ہے۔ ہر شخص اپنی خلوتوں میں جو باتیں کرتا ہے انھیں اللہ سن رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے دل میں بھی جو کچھ سوچا کرتا ہے، اللہ اس سے بے خبر نہیں رہتا۔ اسی براہ راست علم کی بنا پر اللہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسے پاکیزگی بخشے اور کسے نہ بخشے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النور، حاشیہ:۱۹)

(۸) سورہ احزاب کی آیت میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا یعنی حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے کہ ہمارے دین کی مصلحت کس چیز میں ہے اور کس میں نہیں ہے، اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ کس وقت کیا کام کرنا چاہیے اور کون سا کام خلاف مصلحت ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، حاشیہ:۲)

(۹) وہ انسان کے صرف ان اعمال ہی سے واقف نہیں ہے جو لوگوں کے علم میں آجاتے ہیں بلکہ ان اعمال کو بھی جانتا ہے جو سب سے مخفی رہ جاتے ہیں۔ مزید براں وہ محض اعمال کی ظاہری شکل ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کے پیچھے کیا ارادہ اور کیا مقصد کارفرما تھا اور جو کچھ اس نے کیا کس نیت سے کیا اور کیا سمجھتے ہوئے کیا۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ:۹)

(۱۰) جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں، انسان ان کے متعلق بھی کوئی علم نہیں رکھتا، پھر بھلا یہ جاننا اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔ تمھاری خوشحالی و بدحالی کا بڑا انحصار بارش پر ہے مگر اس کا سررشتہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب، جہاں، جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں، کس وقت، کتنی بارش ہوگی اور کون سی زمین اس سے محروم رہ جائے گی، یا کس زمین پر بارش الٹی نقصان دہ ہو جائے گی۔ تمھاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمھارے اپنے نطفے سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمھاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ کیا چیز اس پیٹ میں پرورش پا رہی ہے اور کس شکل میں کن بھلائیوں اور برائیوں کو لیے ہوئے وہ برآمد ہوگی۔ تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمھارے ساتھ کیا کچھ پیش آنا ہے۔ ایک اچانک حادثہ تمھاری تقدیر بدل سکتا ہے، مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمھاری اس زندگی کا خاتمہ آخرکار کہاں کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے ہی پاس رکھی ہیں اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جسے تم چاہتے ہو کہ پہلے سے تمھیں اس کا علم ہو جائے تو کچھ اس کے لیے پیش بندی کر سکو۔ لیکن تمھارے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے اختتام کی ساعت کے معاملے میں بھی اللہ کے فیصلے پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا گیا ہے نہ دیا جا سکتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ:۶۳)

(۱۱) وہ ''سب کچھ جاننے والا'' ہے یعنی وہ قیاس وگمان کی بنا پر کوئی بات نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کا براہ راست علم رکھتا ہے، اس لیے ماورائے حس وادراک حقیقتوں کے متعلق جو معلومات وہ دے رہا ہے، صرف وہی صحیح ہو سکتی ہیں، اور ان کو نہ ماننے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خواہ مخواہ جہالت کی پیروی کرے۔ اسی طرح وہ جانتا ہے کہ انسان کی فلاح کس چیز میں ہے اور کون سے اصول وقوانین اور احکام اس کی بہتری کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی ہر تعلیم حکمت اور علم صحیح پر مبنی ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی ہدایات کو قبول نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خود اپنی تباہی کے راستے پر جانا چاہتا ہے۔ پھر انسانوں کی حرکات وسکنات میں سے کوئی چیز اس سے چھپی نہیں رہ سکتی، حتیٰ کہ وہ ان نیتوں اور ارادوں تک کو جانتا ہے جو انسانی افعال کے اصل محرک ہوتے ہیں۔ اس لیے انسان کسی بہانے اس کی سزا سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۱)

(۱۲) مخالفتوں کے طوفان میں جو چیز مومن کے دل میں صبر وسکون اور اطمینان کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے وہ یہی یقین ہے کہ اللہ بے خبر نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ ہماری اور ہمارے مخالفین کی ساری باتیں وہ سن رہا ہے اور دونوں کا طرز عمل جیسا کچھ بھی ہے اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اسی اعتماد پر بندۂ مومن اپنا اور دشمنان حق کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ: ۴۱)

(۱۳) اگر کبھی تم نے اللہ اور اس کے رسول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور خیال کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمہارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات، حاشیہ: ۲)

(۱۴) وہ محض کلیات ہی کا عالم نہیں ہے بلکہ جزئیات کا علم بھی رکھتا ہے۔ ایک ایک دانہ جو زمین کی تہوں میں جاتا ہے، ایک ایک پتی اور کونپل جو زمین سے پھوٹتی ہے۔ بارش کا ایک ایک قطرہ جو آسمان سے گرتا ہے، اور بخارات کی ہر مقدار جو سمندروں اور جھیلوں سے اٹھ کر آسمان کی طرف جاتی ہے، اس کی نگاہ میں ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کون سا دانہ زمین میں کس جگہ پڑا ہے۔ تبھی تو وہ اسے پھاڑ کر اس میں سے کونپل نکالتا ہے اور اسے پرورش کر کے بڑھاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ بخارات کی کتنی کتنی مقدار کہاں کہاں سے اٹھی ہے اور کہاں کہاں پہنچی ہے، تبھی تو وہ ان سب کو جمع کر کے بادل بناتا ہے اور زمین کے مختلف حصوں پر بانٹ کر ہر جگہ ایک حساب سے بارش برساتا ہے۔ اسی پر ان دوسری تمام چیزوں کی تفصیلات کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو زمین میں جاتی اور اس سے نکلتی ہیں اور آسمان کی طرف چڑھتی اور اس سے نازل ہوتی ہیں۔ ان سب پر اللہ کا علم حاوی نہ ہو تو ہر چیز کی علاحدہ علاحدہ تدبیر اور ہر ایک کا انتہائی حکیمانہ طریقہ سے انتظام کیسے ممکن ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۵)

(۱۵) اللہ کو معلوم ہے کہ کون شخص واقعی ایمان رکھتا ہے اور کس شان کا ایمان رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے علم کی بناء پر اسی قلب کو ہدایت بخشتا ہے جس میں ایمان ہو، اور اسی شان کی ہدایت بخشتا ہے جس شان کا ایمان اس میں ہو۔ اپنے مومن بندوں کے حالات سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔ اس نے ایمان کی دعوت دے کر، اور اس ایمان کے ساتھ دنیا

کی شدید آزمائشوں میں ڈال کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ نہیں دیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مومن پر دنیا میں کیا کچھ گزر رہی ہے اور وہ کن حالات میں اپنے ایمان کے تقاضے کس طرح پورے کر رہا ہے۔ اس لیے اطمینان رکھو کہ جو مصیبت بھی اللہ کے اذن سے تم پر نازل ہوتی ہے، اللہ کے علم میں ضرور اس کی کوئی عظیم مصلحت ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی بڑی خیر پوشیدہ ہوتی ہے، کیوں کہ اللہ اپنے مومن بندوں کا خیر خواہ ہے۔ بلا وجہ انھیں مصائب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۲۶)

(۱۶) کسی جگہ بھی تم اس کے علم، اس کی قدرت، اس کی فرماں روائی اور اس کے تدبیر و انتظام سے باہر نہیں ہو۔ زمین میں، ہوا میں، پانی میں، یا کسی گوشۂ تنہائی میں، جہاں بھی تم ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو۔ وہاں تمھارا زندہ ہونا بجائے خود اس کی علامت ہے کہ اللہ اسی جگہ تمھاری زندگی کا سامان کر رہا ہے۔ تمھارا دل اگر دھڑک رہا ہے، تمھارے پھیپھڑے اگر سانس لے رہے ہیں، تمھاری سماعت اور بینائی اگر کام کر رہی ہے تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے انتظام سے تمھارے جسم کے سب کل پُرزے چل رہے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ بھی تمھیں موت آتی ہے تو اسی وجہ سے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے بقا کا انتظام ختم کر کے تمھیں واپس بلا لینے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۶)

(۱۷) اللہ نے جو طریقے اور قوانین مقرر کیے ہیں وہ سب علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ جس چیز کو حلال کیا ہے علم و حکمت کی بنا پر حلال کیا ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے بھی علم و حکمت کی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ یہ کوئی الل ٹپ کام نہیں ہے کہ جسے چاہا حلال کر دیا اور جسے چاہا حرام ٹھیرا دیا۔ لہٰذا جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ علیم و حکیم ہم نہیں ہیں بلکہ اللہ ہے اور ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اس کے دیے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔
(تفہیم القرآن، ج ۶، التحریم، حاشیہ: ۵)

(۱۸) مومن (کو) دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے ہر وقت یہ احساس اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہیے کہ اس کے کھلے اور چھپے اقوال و اعمال ہی نہیں، اس کی نیتیں اور اس کے خیالات تک اللہ سے مخفی نہیں ہیں اور کافر اپنی جگہ خدا سے بے خوف ہو کر جو کچھ چاہے کرتا رہے، اس کی کوئی بات اللہ کی گرفت سے چھوٹی نہیں رہ سکتی۔
(تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، حاشیہ: ۲۰)

(۱۹) کسی دوسرے کے پاس وہ علم ہی نہیں ہے جس سے وہ نظامِ کائنات اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہو۔ انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسری مخلوقات سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔ کائنات کی تمام حقیقتوں پر کسی کی نظر بھی محیط نہیں۔ پھر اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے جز میں بھی کسی بندے کی آزادانہ مداخلت یا اٹل سفارش چل سکے تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ نظامِ عالم تو درکنار بندے تو خود اپنی ذاتی مصلحتوں کو بھی سمجھنے کے اہل نہیں ہیں۔ ان کی مصلحتوں کو بھی خداوندِ عالم ہی پوری طرح جانتا ہے اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس خدا کی ہدایت و رہنمائی پر اعتماد کریں، جو علم کا اصلی سرچشمہ ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، البقرہ، حاشیہ: ۲۸۲)

۳۱-اَلْغَنِیُّ: ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز

غنی سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہے، کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔(وہ) ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف اور شکر کا استحقاق پہنچتا ہے کیوں کہ وہ تمام موجوداتِ عالم کی حاجتیں پوری کر رہا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۴، فاطر، حاشیہ:۳۷)

تمہارے کفر سے اس کی خدائی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی۔تم مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔اس کی فرماں روائی اپنے زور پر چل رہی ہے۔تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا۔

وہ ان حاجتوں سے بھی بے نیاز ہے جن کی وجہ سے فانی انسانوں کو اولاد کی یا بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۶۸)

وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے۔اس کی خدائی میں کسی کی شکر گزاری سے نہ ذرہ برابر کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری واحسان فراموشی سے یک سرِ مُو کوئی کمی آتی ہے۔وہ آپ اپنے ہی بل بوتے پر خدائی کر رہا ہے، بندوں کے ماننے یا نہ ماننے پر اس کی خدائی منحصر نہیں ہے۔یہی بات قرآن مجید میں ایک جگہ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے نقل کی گئی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ (ابراہیم:۸)

”اگر تم اور ساری دنیا والے مل کر بھی کفر کریں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔“

اسے اپنی ذات کے لیے تم سے لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔اگر وہ اپنی راہ میں تم سے کچھ خرچ کرنے کے لیے کہتا ہے تو وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمہاری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، محمد، حاشیہ:۴۳)

اللہ کو ایسے ایمان لانے والوں کی کوئی حاجت نہیں ہے جو اس کے دین کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں اور پھر اس کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھیں۔وہ بے نیاز ہے۔اس کی خدائی اس کی محتاج نہیں ہے کہ یہ لوگ اسے خدا مانیں۔
(تفہیم القرآن، ج۵، الممتحنہ، حاشیہ:۱۰)

اللہ کی کوئی غرض تو ان سے اٹکی ہوئی نہ تھی کہ وہ اسے خدا مانیں گے تو وہ خدا رہے گا ورنہ خدائی کا تخت اس سے چھن جائے گا۔وہ نہ ان کی عبادات کا محتاج تھا، نہ ان کی حمد وثنا کا۔ (تفہیم القرآن، ج۵، التغابن، حاشیہ:۱۳)

اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ خدا تمہارا محتاج ہے، تم اسے خدا نہ مانو گے تو اس کی خدائی نہ چلے گی، اور تم اس کی بندگی و عبادت نہ کرو گے تو اس کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ تم اس کے محتاج ہو۔تمہاری زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی اگر وہ تمہیں زندہ نہ رکھے اور وہ اسباب تمہارے لیے فراہم نہ کرے جن کی بدولت تم دنیا میں زندہ رہتے ہو اور کام کر سکتے ہو۔لہٰذا تمہیں اس کی اطاعت وعبادت اختیار کرنے کی جو تاکید کی جاتی ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ خدا کو اس کی احتیاج ہے بلکہ اس لیے کہ اسی پر تمہاری اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کا انحصار ہے۔ایسا نہ کرو گے تو اپنا ہی سب کچھ بگاڑ لو گے، خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الفاطر، حاشیہ:۳۶)

اس کی کوئی غرض تم سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، اس کا کوئی مفاد تم سے وابستہ نہیں ہے کہ تمہاری نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑ جاتا ہو، یا تمہاری فرماں برداری سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہو۔ تم سب مل کر سخت نافرمان بن جاؤ تو اس کی بادشاہی میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے اور سب کے سب مل کر اس کے مطیع فرمان اور عبادت گزار بن جاؤ تو اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ نہ تمہاری سلامیوں کا محتاج ہے اور نہ تمہاری نذر و نیاز کا، اپنے بے شمار خزانے تم پر لٹا رہا ہے بغیر اس کے کہ ان کے بدلے میں اپنے لیے تم سے کچھ چاہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۱۰۱)

۳۲- اَلْکَرِیْمُ : بڑا بزرگ، بہترین، عمدہ، اپنی ذات میں آپ بزرگ

سورۂ انفطار میں ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّاشَآءَ رَكَّبَكَ۔ (ایات: ۶-۸)

”اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔“

اوّل تو اس محسن پروردگار کے احسان و کرم کا تقاضا یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرماں بردار بنتا اور اس کی نافرمانی کرتے ہوئے تجھے شرم آتی، مگر تو اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور یہ خیال تجھے کبھی نہ آیا کہ اس وجود کے بخشنے والے کا احسان مانے۔ دوسرے، تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں جو کچھ تو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ جونہی تجھ سے کوئی خطا سرزد ہو وہ تجھ پر فالج گرا دے، یا تیری آنکھیں اندھی کر دے، یا تجھ پر بجلی گرا دے۔ لیکن تو نے اس کریمی کو کمزوری سمجھ لیا اور اس دھوکے میں پڑ گیا کہ تیرے خدا کی خدائی میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں۔
(تفہیم القرآن، ج۶، الانفطار، حاشیہ:۴)

کوئی معقول وجہ اس دھوکے میں پڑنے کی نہیں ہے، تیرا وجود خود بتا رہا ہے کہ تو خود نہیں بن گیا ہے، تیرے ماں باپ نے بھی تجھے نہیں بنایا ہے۔ عناصر کے آپ سے آپ جڑ جانے سے بھی اتفاقاً تو انسان بن کر پیدا نہیں ہو گیا ہے، بلکہ ایک خدائے حکیم و توانا نے تجھے اس مکمل انسانی شکل میں ترکیب دیا ہے۔ تیرے سامنے ہر قسم کے جانور موجود ہیں جن کے مقابلے میں تیری بہترین ساخت اور تیری افضل و اشرف قوتیں صاف نمایاں ہیں۔ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو دیکھ کر تیرا سر بارِ احسان سے جھک جاتا اور اس رب کریم کے مقابلے میں تو کبھی نافرمانی کی جرأت نہ کرتا۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ تیرا رب صرف رحیم و کریم ہی نہیں ہے، جبار و قہار بھی ہے۔ جب اس کی طرف سے کوئی زلزلہ یا طوفان یا سیلاب آ جاتا ہے تو تیری ساری تدبیریں اس کے مقابلہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تیرا رب جاہل و نادان نہیں بلکہ حکیم و دانا ہے، اور حکمت و دانائی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اسے اس کے اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھیرایا جائے، جسے اختیارات دیے جائیں اس سے حساب بھی لیا جائے کہ اس نے اپنے اختیارات کو کیسے استعمال کیا، اور جسے اپنی ذمہ داری پر نیکی اور بدی کرنے کی طاقت دی جائے اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا بھی دی جائے۔ یہ سب حقیقتیں تیرے سامنے روز روشن کی طرح

عیاں ہیں، اس لیے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے ربِّ کریم کی طرف سے جس دھوکے میں تو پڑ گیا ہے اس کی کوئی معقول وجہ موجود ہے۔ تو خود جب کسی کا افسر ہوتا ہے تو اپنے اس ماتحت کو کمینہ سمجھتا ہے جو تیری شرافت اور نرم دلی کو کمزوری سمجھ کر تیرے سر چڑھ جائے۔ اس لیے تیری اپنی فطرت یہ گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ مالک کا کرم ہرگز اس کا موجب نہ ہونا چاہیے کہ بندہ اس کے مقابلے میں جری ہو جائے اور اس غلط فہمی میں پڑ جائے کہ میں جو کچھ چاہوں کروں، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

(تفہیم القرآن، ج ۶، الانفطار، حاشیہ: ۵)

یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ آدمی اگر اس کے بخشے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے، بشرطیکہ وہ قرض حسن (اچھا قرض) ہو یعنی خالص نیت کے ساتھ کسی ذاتی غرض کے بغیر دیا جائے، کسی قسم کی ریاکاری اور شہرت و ناموری کی طلب اس میں شامل نہ ہو، اسے دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے، اس کا دینے والا صرف اللہ کی رضا کے لیے دے اور اس کے سوا کسی کے اجر اور کسی کی خوشنودی پر نگاہ نہ رکھے۔ اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس دے گا، دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا فرمائے گا۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۱۶)

۳۳- اَلْعَفُوُّ: معاف کرنے والا، نرمی سے کام لینے والا

سورۂ الحج: ۶۰ میں ارشاد ہے:

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔

''اللہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔''

سورۂ المجادلہ: ۳ میں ارشاد ہے:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔

''یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

سورۂ نساء: ۴۳ میں ہے:

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔

''اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا بخشش فرمانے والا ہے۔''

سورۂ نساء: ۹۹ میں ہے:

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔

''بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کردے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

سورۂ نساء: ۱۴۹ میں ہے:

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا۔

''اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ، یا کم از کم برائی سے درگزر کرو، تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو ایک نہایت بلند درجہ کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ منافق اور یہودی اور بت پرست سب کے سب اس وقت ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے اور اس کی پیروی قبول کرنے والوں کو ستانے اور پریشان کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کوئی بدتر سے بدتر تدبیر ایسی نہ تھی جو وہ اس نئی تحریک کے خلاف استعمال نہ کر رہے ہوں۔ اس پر مسلمانوں کے اندر نفرت اور غصہ کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس قسم کے جذبات کا طوفان اٹھتے دیکھ کر فرمایا کہ بدگوئی پر زبان کھولنا تمہارے خدا کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تم مظلوم ہو اور اگر مظلوم ظالم کے خلاف بدگوئی پر زبان کھولے تو اسے حق پہنچتا ہے۔ لیکن پھر بھی افضل یہی ہے کہ خفیہ ہو یا علانیہ ہر حال میں بھلائی کیے جاؤ اور برائیوں سے درگزر کرو، کیونکہ تم کو اپنے اخلاق میں خدا کے اخلاق سے قریب تر ہونا چاہیے۔ جس خدا کا قرب تم چاہتے ہو اس کی شان یہ ہے کہ نہایت حلیم اور بردبار ہے۔ سخت سے سخت مجرموں تک کو رزق دیتا ہے اور بڑے سے بڑے قصوروں پر بھی درگزر کیے چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے قریب تر ہونے کے لیے تم بھی عالی حوصلہ اور وسیع الظرف بنو۔ (تفہیم القرآن، ج۱، النساء، حاشیہ:۱۷۷)

اللہ جس کے تم بندے ہو، عفوو درگزر کرنے والا ہے، اس لیے تم کو بھی جہاں تک بھی تمہارے بس میں ہو، عفوو درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اہل ایمان کے اخلاق کا زیور یہی ہے کہ وہ حلیم اور عالی ظرف اور متحمل ہوں۔ بدلہ لینے کا حق انھیں ضرور حاصل ہے مگر بالکل منتقمانہ ذہنیت اپنے اوپر طاری کر لینا ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الحج، حاشیہ:۱۰۵)

(سورۃ المجادلۃ :۲ میں ہے) تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔

یہ حرکت تو ایسی ہے کہ اس پر آدمی کو بہت ہی سخت سزا ملنی چاہیے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے اول تو ظہار کے معاملہ میں جاہلیت کے قانون کو منسوخ کر کے تمہاری خانگی زندگی کو تباہی سے بچالیا، دوسرے اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے وہ سزا تجویز کی جو اس جرم کی ہلکی سے ہلکی سزا ہو سکتی تھی، اور سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ سزا کسی ضرب یا قید کی شکل میں نہیں بلکہ چند ایسی عبادات اور نیکیوں کی شکل میں تجویز کی جو تمہارے نفس کی اصلاح کرنے والی اور تمہارے معاشرے میں بھلائی پھیلانے والی ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۵، المجادلہ، حاشیہ:۶)

۳۴-اَلْقَدِیْرُ : کامل قدرت رکھنے والا، بڑی ہی قدرت والا

سورہ بقرہ: ۲۰ میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

نیز بقرہ آیات ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۴۸، ۲۵۹، ۲۸۴۔ اور آلِ عمران آیات ۲۶، ۲۹، ۱۶۵، ۱۸۹۔ اور المائدہ آیات ۱۷، ۱۹، ۴۰، ۱۲۰۔ اور الانعام آیت ۱۷۔ الانفال آیت ۴۱۔ التوبہ آیت ۳۹۔ ہود آیت ۴۔ النحل آیات ۷۰، ۷۷۔ الحج آیات ۶، ۳۹۔ النور آیت ۴۵۔ العنکبوت آیت ۲۰۔ الروم آیات ۵۰، ۵۴۔ فاطر آیت ۱۔ فصّلت آیت ۳۹۔ الشوریٰ آیات ۹، ۲۹، ۵۰۔ الاحقاف آیت ۳۳۔ الحدید آیت ۲۔ الحشر آیت ۶۔ الممتحنة آیت ۷۔ التغابن آیت ۱۔ الطلاق آیت ۱۲۔ التحریم آیت ۸۔ الملک آیت ۱۔

تمام نظام کائنات پر وہی حاکم ہے اور گردش لیل و نہار اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جو خدا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نکال لاتا ہے اور چمکتے ہوئے دن پر رات کی ظلمت طاری کر دیتا ہے، وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے ان کے زوال و غروب کا منظر بھی دنیا کو جلدی ہی دکھا دے، اور کفر و جہالت کی جو تاریکی اس وقت حق و صداقت کی فجر کا راستہ روک رہی ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے حکم سے چھٹ جائے اور وہ دن نکل آئے جس میں راستی اور علم و معرفت کے نور سے دنیا روشن ہو جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۱۰۷)

بچپن، جوانی، اور بڑھاپا، یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ اسی کی مشیّت پر موقوف ہے کہ جسے چاہے کمزور پیدا کرے اور جس کو چاہے طاقت ور بنائے، جسے چاہے بچپن سے جوانی تک نہ پہنچنے دے اور جس کو چاہے جوانا مرگ کر دے، جسے چاہے لمبی عمر دے کر بھی تندرست و توانا رکھے اور جس کو چاہے شاندار جوانی کے بعد بڑھاپے میں اس طرح ایڑیاں رگڑوائے کہ دنیا اسے دیکھ کر عبرت کرنے لگے۔ انسان اپنی جگہ جس گھمنڈ میں چاہے مبتلا ہوتا رہے مگر خدا کے قبضۂ قدرت میں وہ اس طرح بے بس ہے کہ جو حالت بھی خدا اس پر طاری کر دے اسے وہ اپنی تدبیر سے نہیں بدل سکتا۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۷۹)

مغرور بندے اس غلط فہمی میں ہیں کہ زمین اور اس کے بسنے والوں کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والے وہ خود ہیں۔ مگر جو طاقت ایک ذرا سے بیج کو ایک تناور درخت بنا دیتی ہے اور ایک تناور درخت کو ہیزم سوختنی میں تبدیل کر دیتی ہے، اسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جن کے دبدبے کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہوں کہ بھلا ان کو کون ہلا سکے گا انھیں ایسا گرائے کہ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن جائیں، اور جنھیں دیکھ کر کوئی گمان بھی نہ کر سکتا ہو کہ یہ بھی کبھی اٹھ سکیں گے انھیں ایسا سربلند کرے کہ دنیا میں ان کی عظمت و بزرگی کے ڈنکے بج جائیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۸۶)

کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے۔ جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحم مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختار کل ہونے کا زعم کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۷۷)

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ساری کائنات کو چھوڑ کر صرف اپنی اسی زمین کو لے لیجیے، اور زمین کے بھی تمام حقائق و واقعات کو چھوڑ کر صرف انسان اور نباتات ہی کی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھ لیجیے۔ یہاں اس کی قدرت کے جو کرشمے آپ کو نظر آتے ہیں کیا انھیں دیکھ کر کوئی صاحب عقل آدمی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا بس وہی کچھ کر سکتا ہے جو آج ہم اسے کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور کل اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا؟ خدا تو خیر بہت بلند و برتر ہستی ہے، انسان کے متعلق پچھلی صدی تک لوگوں کے یہ اندازے تھے کہ یہ صرف زمین ہی پر چلنے والی گاڑیاں بنا سکتا ہے۔ ہوا پر اڑنے والی گاڑیاں بنانا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ مگر آج کے ہوائی جہازوں نے بتا دیا کہ انسان کے ''امکانات'' کی حدیں تجویز کرنے میں ان کے اندازے کتنے غلط تھے۔ اب اگر کوئی شخص خدا کے لیے اس کے صرف آج کے کام دیکھ کر امکانات کی کچھ حدیں تجویز کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا، تو وہ صرف اپنے ہی ذہن کی تنگی کا ثبوت دیتا ہے، خدا کی قدرت بہر حال اس کی بندھی ہوئی حدوں میں بند نہیں ہو سکتی۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۹)

(اللہ مختار مطلق ہے) اس کو کسی قانون نے باندھ نہیں رکھا ہے کہ اس کے مطابق عمل کرنے پر وہ مجبور ہو، بلکہ وہ مالکِ مختار ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، البقرۃ، حاشیہ: ۳۳۶)

وہ قادر مطلق ہے جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی طاقت اس کی قدرت کو محدود کرنے والی نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۴)

مسیح علیہ السلام کی اعجازی پیدائش اور ان کے اخلاقی کمالات اور محسوس معجزات کو دیکھ کر جو لوگ اس دھوکہ میں پڑ گئے کہ مسیح ہی خدا ہے وہ درحقیقت نہایت نادان ہیں۔ مسیح تو اللہ کے بے شمار عجائب تخلیق میں سے محض ایک نمونہ ہے جسے دیکھ کر ان ضعیف البصر لوگوں کی نگاہیں چوندھیا گئیں۔ اگر ان لوگوں کی نگاہ کچھ وسیع ہوتی تو انھیں نظر آتا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کے اس سے بھی حیرت انگیز نمونے پیش کیے ہیں اور اس کی قدرت کسی حد کے اندر محدود نہیں ہے۔ پس یہ بڑی بے دانشی ہے کہ مخلوق کے کمالات کو دیکھ کر اسی پر خالق ہونے کا گمان کر لیا جائے۔ دانش مند وہ ہیں جو مخلوق کے کمالات میں خالق کی عظیم الشان قدرت کے نشانات دیکھتے ہیں اور ان سے ایمان کا نور حاصل کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، المائدہ، حاشیہ: ۴۰)

۳۵- اَللَّطِیفُ: غیر محسوس طریقوں سے اپنے ارادے پورے کرنے والا۔ پوشیدہ حقائق جاننے والا مہربان

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ لطیف جس کا پورا مفہوم ''مہربان'' سے ادا نہیں ہوتا۔ اس لفظ میں دو مفہوم شامل ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت و عنایت رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑی باریک بینی کے ساتھ ان کی دقیق ترین ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے جن تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی، اور انھیں اس طرح پورا کرتا ہے کہ وہ خود بھی محسوس نہیں کرتے کہ ہماری کون سی ضرورت کب کس نے پوری کر دی۔ پھر بندوں سے مراد محض اہل ایمان نہیں، بلکہ تمام بندے ہیں یعنی اللہ کا یہ لطف اس کے سب بندوں پر عام ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۳۴)

اس کی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ ان کے آغاز میں کبھی ان کے انجام کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ لاکھوں بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، کون جان سکتا ہے کہ ان میں سے کون ابراہیم علیہ السلام ہے جو تین چوتھائی دنیا کا روحانی پیشوا ہوگا۔ اور

کون چنگیز ہے جو ایشیا اور یورپ کو تہ و بالا کر ڈالے گا۔ خورد بین جب ایجاد ہوئی تھی اس وقت کون تصور کر سکتا تھا کہ یہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک نوبت پہنچائے گی۔ کولمبس جب سفر کو نکل رہا تھا تو کسے معلوم تھا کہ یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بنا ڈالی جا رہی ہے۔ غرض خدا کے منصوبے ایسے ایسے دقیق اور ناقابل ادراک طریقوں سے پورے ہوتے ہیں کہ جب تک وہ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس چیز کے لیے کام ہو رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۱۱۱)

سورہ انعام آیت ۱۰۳ میں ہے:

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

''وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔''

سورہ یوسف آیت ۱۰۰ میں ہے:

اِنَّ رَبِّیْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

''واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے۔ بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔''

سورہ الحج آیت ۶۳ میں ہے:

فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۔

''اور اس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف و خبیر ہے۔''

سورہ لقمان آیت ۱۶ میں ہے:

اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْفِی السَّمٰوٰتِ اَوْفِی الْاَرْضِ يَاْتِ بِهِ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۔

''کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی، اللہ اسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بیں اور باخبر ہے۔''

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۹ میں ہے:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ۔

''اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔''

سورۃ الملک آیت ۱۴ میں ہے:

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ باریک بیں اور باخبر ہے۔''

سورۃ الاحزاب آیت ۳۴ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا۔

''بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔''

مخفی سے مخفی باتوں تک اس کا علم پہنچ جاتا ہے۔اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔
(تفہیم القرآن، ج۴،الاحزاب، حاشیہ:۵۲)

۳۶-اَلْخَبِیْرُ :نہایت باخبر ہستی

وہ اپنی دنیا کے حالات، مصالح اور ضروریات سے باخبر ہے، اور جانتا ہے کہ اپنی خدائی کا کام کس طرح کرے۔ اسے اپنی ہر مخلوق کے متعلق پورا علم ہے کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے، کیا اس کی ضروریات ہیں، کیا کچھ اس کی مصلحت کے لیے مناسب ہے، کیا اس نے اب تک کیا ہے اور آگے کیا اس سے صادر ہونے والا ہے، وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا سے بے خبر نہیں ہے بلکہ اسے ذرّے ذرّے کی حالت پوری طرح معلوم ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴،سبا، حاشیہ:۳)

اللہ اندھا اور بہرا نہیں ہے کہ کسی شاہ بے خبر کی طرح اندھادھند کام کرے اور اپنی عطاو بخشش میں بھلے اور برے کے درمیان کوئی تمیز نہ کرے۔وہ پوری باخبری کے ساتھ اپنی اس کائنات پر فرماں روائی کررہا ہے۔ ہر ایک کے ظرف اور حوصلے پر اس کی نگاہ ہے۔ ہر ایک کے اوصاف کو وہ جانتا ہے۔اسے خوب معلوم ہے کہ تم میں سے کون کس راہ میں اپنی محنتیں اور کوششیں صرف کررہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱،النساء، حاشیہ:۱۶۳)

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق اپنی مخلوق سے بے خبر ہو؟ مخلوق خود اپنے آپ سے بے خبر ہوسکتی ہے، مگر خالق اس سے بے خبر نہیں ہوسکتا۔ تمہاری رگ رگ اس نے بنائی ہے۔تمہارے دل و دماغ کا ایک ایک ریشہ اس کا بنایا ہوا ہے۔تمہارا ہر سانس اس کے جاری رکھنے سے جاری ہے۔تمہارا ہر عضو اس کی تدبیر سے کام کررہا ہے۔اس سے تمہاری کوئی بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے؟ (تفہیم القرآن، ج۶،الملک، حاشیہ:۲۱)

سورہ بقرہ آیات ۲۳۴ اور ۲۷۱ میں ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔

سورہ آل عمران آیت ۱۵۳ میں ہے: وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔

المائدہ آیت ۸۔الانعام آیت ۱۸، ۷۳، ۱۰۳۔التوبہ آیت ۱۶۔ ہود آیت ۱، ۱۱۱۔الحج آیت ۶۳۔النور آیت ۳۰، ۵۳۔النمل آیت ۸۸۔لقمان آیت ۱۶، ۲۹، ۳۴۔سبا آیت ۱۔فاطر آیت ۱۴، ۳۱۔الشوریٰ آیت ۲۷۔الحجرات آیت ۱۳۔ الحدید آیت ۱۰۔المجادلہ آیت ۳، ۱۱، ۱۳۔الحشر آیت ۱۸۔المنافقون: ۱۱، التغابن آیت ۸۔التحریم آیت ۳۔الملک آیت ۱۴۔ العادیات آیت ۱۱ میں بیان ہوا ہے۔

علاوہ ازیں النساء آیت ۳۵، ۹۴، ۱۲۸، ۱۳۵۔الاسراء آیات ۱۷، ۳۰، ۹۶۔الفرقان آیت ۵۸، ۵۹۔الاحزاب آیت ۲، ۳۴۔الفتح آیت ۱۱ میں خَبِیْرًا استعمال ہوا ہے۔

بندوں کے لیے خیر کس چیز میں ہے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کیا اصول موزوں ہیں اور کون سے ضابطے ٹھیک ان کی مصلحت کے مطابق ہیں، ان امور کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، کیوں کہ بندوں کی فطرت اور اس کے

تقاضوں سے وہی باخبر ہے، اور ان کے حقیقی مصالح پر وہی نگاہ رکھتا ہے۔ بندے خود اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتے جتنا ان کا خالق ان کو جانتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ: ۵۴)

اگر کبھی تم نے اللہ اور اس کے رسول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور خیال کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمہارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات، حاشیہ: ۲)

اللہ جس کو جو اجر اور مرتبہ دیتا ہے یہ دیکھ کر دیتا ہے کہ کس نے کن حالات میں کس جذبے کے ساتھ کیا عمل کیا ہے۔ اس کی بانٹ اندھی بانٹ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کا درجہ اور اس کے عمل کا اجر پوری باخبری کے ساتھ متعین کرتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الحدید، حاشیہ: ۱۵)

(مثلاً) اگر آدمی گھر میں چپکے سے بیوی کے ساتھ ظہار کر بیٹھے اور پھر کفارہ ادا کیے بغیر میاں اور بیوی کے درمیان حسب سابق زوجیت کے تعلقات چلتے رہیں، تو چاہے دنیا میں کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہو، اللہ کو تو بہر حال اس کی خبر ہوگی۔ اللہ کے مواخذہ سے بچ نکلنا ان کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، حاشیہ: ۱۰)

اگر انسان کو یہ یاد رہے کہ وہ آزاد نہیں ہے بلکہ خدا کا بندہ ہے، اور وہ خدا اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اور اس کے سامنے جا کر ایک دن اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو وہ کبھی کسی گمراہی و بدعملی میں مبتلا نہ ہو، اور بشری کمزوری سے اس کا قدم اگر کسی وقت پھسل بھی جائے تو ہوش آتے ہی وہ فوراً سنبھل جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، المنافقون، حاشیہ: ۱۸)

۳۷-اَلسَّمِیْعُ : سب کچھ سننے والا

سورہ بقرہ کی آیات ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۸۱، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۵۶ میں یہ اسم مبارک آیا ہے۔

آل عمران: ۳۴، ۳۵، ۳۸، ۱۲۱ میں بھی۔

المائدہ: ۷۶۔ الانعام: ۱۳، ۱۱۵ میں۔ الاعراف: ۲۰۰۔ الانفال: ۱۷، ۴۲، ۵۳، ۶۱ میں۔ التوبہ: ۹۸، ۱۰۳۔ یونس: ۶۵۔ ہود: ۲۴۔ یوسف: ۳۴۔ ابراہیم: ۳۹۔ بنی اسرائیل: ۱۔ الانبیاء: ۴۔ الحج: ۶۱، ۷۵۔ النور: ۲۱، ۶۰۔ الشعراء: ۲۲۰۔ العنکبوت: ۵، ۶۰۔ لقمان: ۲۸۔ سبا: ۵۰۔ حٰم السجدہ: ۲۰، ۵۶۔ المومن: ۳۶۔ الشوریٰ: ۱۱۔ الدخان: ۶۔ الحجرات: ۱۔ المجادلہ: ۱۔

خدا اندھا، بہرا اور بے خبر خدا نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، حاشیہ: ۷)

(لوگوں) کو اس غلط فہمی میں بھی نہ رہنا چاہیے کہ ان کا سابقہ کسی شہ بے خبر سے ہے۔ جس خدا کے سامنے انھیں جواب دہی کے لیے حاضر ہونا ہے وہ بے خبر نہیں بلکہ سمیع و علیم خدا ہے، ان کی کوئی بات بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

وہ بیک وقت ساری کائنات کی آوازیں الگ الگ سن رہا ہے اور کوئی آواز اس کی سماعت کو اس طرح مشغول نہیں کرتی کہ اسے سنتے ہوئے وہ دوسری چیزیں نہ سن سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ: ۴۹)

ایک انسان تو کیا، سارے انسان مل کر بھی اگر اپنے لیے کوئی راہِ حیات متعین کریں تو اس کے حق ہونے کی کوئی

ضمانت نہیں، کیوں کہ پوری نوعِ انسانی یک جا ہو کر بھی ایک سمیع و علیم نہیں بنتی۔ اس کے بس میں یہ ہے ہی نہیں کہ ان تمام حقائق کا احاطہ کرے جن کا جاننا ایک صحیح راہِ حیات متعین کرنے کے لیے ضروری ہے، یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے، وہی سمیع و علیم ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الدخان، حاشیہ:۵)

تم لوگ جو کچھ باتیں بناتے ہو سب خدا سنتا اور جانتا ہے، خواہ زور سے کہو، خواہ چپکے چپکے کانوں میں پھونکو۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الانبیاء، حاشیہ:۶)

ہر شخص اپنی خلوتوں میں جو باتیں کرتا ہے انھیں اللہ سن رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے دل میں بھی جو کچھ سوچا کرتا ہے، اللہ اس سے بے خبر نہیں رہتا۔ اسی براہِ راست علم کی بنا پر اللہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسے پاکیزگی بخشے اور کسے نہ بخشے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، النور، حاشیہ:۱۹)

تمہارے معبودوں کی طرح وہ کوئی اندھا بہرا خدا نہیں ہے جسے کچھ پتہ نہ ہو کہ جس آدمی کے معاملے کا وہ فیصلہ کر رہا ہے اس کے کیا کرتوت تھے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، المومن، حاشیہ:۳۳)

سورۃ الشعراء آیت ۲۱۹، ۲۲۰ میں نبی ﷺ کو مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

”تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو، اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“

اس سے کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ جب نماز باجماعت میں اپنے مقتدیوں کے ساتھ اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع و سجود کرتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ دوسرے جب راتوں کو اٹھ کر آپؐ اپنے ساتھیوں کو جن کے لیے ”سجدہ گزار“ کا لفظ امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے، دیکھتے پھرتے ہیں کہ وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں، اس وقت آپ اللہ کی نگاہ میں پوشیدہ نہیں ہوتے، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس تمام دوڑ دھوپ اور تگ و دَو سے واقف ہے جو آپؐ اپنے سجدہ گزار ساتھیوں کی معیت میں اس کے بندوں کی اصلاح کے لیے کر رہے ہیں۔ چوتھے یہ کہ سجدہ گزار لوگوں کے گروہ میں آپؐ کے تمام تصرفات اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کس طرح ان کی تربیت کر رہے ہیں، کیسا کچھ تزکیہ آپؐ نے کیا ہے اور کس طرح مسِ خام کو کندن بنا کر رکھ دیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الشعراء، حاشیہ:۱۳۹)

حٰمٓ السجدہ: ۳۶ میں ارشاد ہے:

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

”اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

مخالفتوں کے طوفان میں اللہ کی پناہ مانگ لینے کے بعد جو چیز مومن کے دل میں صبر و سکون اور اطمینان کی ٹھنڈک پیدا کرتی ہے۔ وہ یہی یقین ہے کہ اللہ بے خبر نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ہمارے ساتھ کیا

جارہا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ ہماری اور ہمارے مخالفین کی ساری باتیں وہ سن رہا ہے اور دونوں کا طرزِ عمل جیسا کچھ بھی ہے اسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اسی اعتماد پر بندۂ مومن اپنا اور دشمنانِ حق کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدۃ، حاشیہ:۴۱)

۳۸- اَلْمَوْلٰی : آقا سرپرست، حامی وناصر، خبرگیری کرنے والا

مولیٰ عربی زبان میں ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی تعلق کی بنا پر دوسرے شخص کی حمایت کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ رشتہ داری کا تعلق ہو یا دوستی کا یا کسی اور قسم کا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، حاشیہ:۳۶)

جنگ احد میں جب نبی ﷺ زخمی ہو کر چند صحابہؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں ٹھیرے ہوئے تھے اس وقت ابوسفیان نے نعرہ لگایا تھا لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ''ہمارے پاس عزّیٰ ہے اور تمہارا عزّیٰ نہیں ہے۔''

اس پر نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اسے جواب دو اَللّٰہُ مَوْلٰینَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ ''ہمارا حامی وناصر اللہ ہے اور تمہارا حامی وناصر کوئی نہیں۔''

حضور ﷺ کا یہ جواب سورۂ محمد کی آیت ۱۱ یعنی ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس لیے کہ ایمان والوں کا حامی وناصر اللہ ہے اور کافروں کا حامی وناصر کوئی نہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، محمد، حاشیہ:۱۶)

سورہ تحریم آیت ۲ میں ارشاد ہے وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ ''اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔'' یعنی اللہ تمہارا آقا اور تمہارے معاملات کا متولی ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اس نے دیے ہیں سراسر حکمت کی بنا پر دیے ہیں۔ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے ہو اور وہ تمہارا آقا ہے، اس لیے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں ردو بدل کرنے کا اختیار تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تمہارے لیے حق یہی ہے کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے بس اس کی اطاعت کرتے رہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، التحریم، حاشیہ:۵)

سورہ آلِ عمران آیت ۱۵۰ میں ارشاد ربانی ہے:

بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ۔

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی ومددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔''

سورہ الانفال آیت ۴۰ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰکُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

''اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی ومددگار ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۷۸ میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

''اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت اچھا ہے وہ مددگار۔''

سورۃ التحریم آیت ۲ میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

''اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہی علیم و حکیم ہے۔''

لہٰذا اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ہدایت اور قانون زندگی بھی اسی سے لو، اطاعت بھی اسی کی کرو، مدد کے لیے بھی اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اپنے توکل واعتماد کا سہارا بھی اسی کی ذات کو بناؤ۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۳۴)

(کیوں کہ) تنہا اللہ ہی قادرِ مطلق ہے اور وہی تمام اختیارات کا مالک اور تمہاری بھلائی اور برائی کا مختارِ کل ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمہاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ:۴۱)

۳۹-اَلنَّصِیْرُ: بہترین مدد کرنے والا، بہترین حامی و مددگار

احمق لوگ سمجھ رہے ہیں کہ یہ معبود دنیا اور آخرت میں ان کے مددگار ہیں، حالانکہ حقیقت میں ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔ نہ یہ معبود، کیوں کہ ان کے پاس مدد کی کوئی طاقت نہیں، اور نہ اللہ، کیوں کہ اس سے یہ بغاوت اختیار کر چکے ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۲۱)

سورہ عنکبوت آیت ۲۲ میں ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔

''اور اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔''

یعنی نہ تمہارا اپنا زور اتنا ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ، اور نہ تمہارا کوئی مددگار ایسا زور آور ہے کہ خدا کے مقابلے میں تمہیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذہ سے تمہیں بچا لے۔ ساری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے، جنھوں نے احکام خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے، جنھوں نے جرأت و جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم و فساد کے طوفان اٹھائے ہیں، ان کا حمایتی بن کر اٹھے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے، یا خدا کی عدالت میں یہ کہنے کی ہمت کر سکے کہ یہ میرے ہیں اس لیے جو کچھ بھی انھوں نے کیا ہے اسے معاف کر دیا جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، حاشیہ:۳۵)

انسان خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، خود اپنے بل بوتے پر باطل کے اِن طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ:۸۸)

مدد سے مراد ہر قسم کی مدد ہے۔ حق اور باطل کی کش مکش میں جتنے محاذ بھی کھلیں، ہر ایک پر اہل حق کی تائید میں کمک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ دلیل کی لڑائی ہو تو وہی باطل پرستوں کے دل پھاڑتا ہے اور اہل حق کے دل جوڑتا ہے۔ انسانی طاقت کا مقابلہ ہو تو وہی ہر مرحلے پر مناسب اور موزوں اشخاص اور گروہوں کو لا لا کر اہل حق کی جمعیت بڑھاتا ہے۔ مادی وسائل کی

ضرورت ہو، تو وہی اہل حق کے تھوڑے مال واسباب میں وہ برکت دیتا ہے کہ اہل باطل کے وسائل کی فراوانی ان کے مقابلے میں محض دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوتی ہے۔ غرض کوئی پہلو مدد اور راہ نمائی کا ایسا نہیں ہے جس میں اہل حق کے لیے اللہ کافی نہ ہو اور انھیں کسی دوسرے سہارے کی ضرورت ہو، بشرطیکہ وہ اللہ کی کفایت پر ایمان و اعتقاد رکھیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہیں بلکہ سرگرمی کے ساتھ باطل کے مقابلے میں حق کی سربلندی کے لیے جانیں لڑائیں۔

ایمان دل میں ہو تو اس سے بڑھ کر ہمت دلانے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوندِ عالم آپ کی مدد اور راہ نمائی کا ذمہ لے رہا ہے۔ اس کے بعد تو صرف ایک کم اعتقاد و بزدل ہی آگے بڑھنے سے ہچکچا سکتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۴۳)

۴۰، ۴۱- اَلْقَرِیْبُ، اَلْمُجِیْبُ: بہت قریب، دعاؤں کا سننے اور جواب دینے والا

سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الخ۔

''اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انھیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔''

اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں، نہیں میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے، حتّٰی کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں، فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے الٰہ اور رب قرار دے رکھا ہے، ان کے پاس تو تمھیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمھاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمھاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائناتِ بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں، اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، اور مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت میں آجاؤ۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، البقرۃ، حاشیہ: ۱۸۸)

سورہ ہود آیت ۶۱ میں ارشاد ہے:

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔

''لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے اور وہ دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔''

مشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی جو بالعموم ان سب میں پائی جاتی ہے اور ان اہم اسباب میں سے ایک ہے جنھوں نے ہر زمانہ میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے (یہ ہے کہ) یہ لوگ اللہ کو راجوں، مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس

کرتے ہیں جو رعیت سے دور اپنے محلوں میں دادِ عیش دیا کرتے ہیں، جن کے دربار تک عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی، جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہوتو مقربین بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور پھر اگر خوش قسمتی سے کسی کی درخواست آستانہ بلند پر پہنچ بھی جاتی ہے تو ان کا پندارِ خدائی یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس کا جواب دیں، بلکہ جواب دینے کا کام مقربین ہی میں سے کسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس غلط گمان کی وجہ سے یہ لوگ ایسا سمجھتے ہیں اور ہوشیار لوگوں نے ان کو ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوند عالم کا آستانہ قدس عام انسانوں کی دسترس سے بہت ہی دور ہے۔ اس کے دربار تک بھلا کسی عام کی پہنچ کیسے ہوسکتی ہے۔ وہاں تک دعاؤں کا پہنچنا اور پھر ان کا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور مذہبی منصب داروں کی خدمات نہ حاصل کی جائیں جو اوپر تک نذریں، نیازیں اور عرضیاں پہنچانے کے ڈھب جانتے ہیں۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جس نے بندے اور خدا کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا اور اس کے ساتھ مہنت گری کا وہ نظام پیدا کیا جس کے توسط کے بغیر جاہلی مذاہب کے پیرو پیدائش سے لے کر موت تک اپنی کوئی مذہبی رسم بھی انجام نہیں دے سکتے۔

(قرآن مجید) نے جاہلیت کے اس پورے طلسم کو صرف دو لفظوں سے توڑ کر (پھینک دیا ہے) ایک یہ کہ اللہ قریب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مجیب ہے۔ یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تم براہ راست اس کو پکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ اگرچہ بہت بالا و برتر ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ایک ایک شخص اپنے پاس ہی اس کو پاسکتا ہے۔ اس سے سرگوشی کرسکتا ہے۔ خلوت اور جلوت دونوں میں علانیہ بھی اور صیغۂ راز میں بھی اپنی عرضیاں خود اس کے حضور پیش کرسکتا ہے۔ اور پھر وہ براہ راست اپنے ہر بندے کی دعاؤں کا جواب خود دیتا ہے۔ پس جب سلطانِ کائنات کا دربارِ عام ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا ہے اور ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو یہ تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ اس کے لیے واسطے اور وسیلے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ہود، حاشیہ: ۶۹)

سورہ ق آیت ۱۶ میں مذکور ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔

''ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''

یعنی ہماری قدرت اور ہمارے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی رگِ گردن بھی اس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا ہمارا علم اور ہماری قدرت اس سے قریب ہے۔ اس کی بات سننے کے لیے ہمیں کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا، اس کے دل میں آنے والے خیالات تک ہم براہ راست جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو ہم کہیں سے آکر اس کو نہیں پکڑیں گے، وہ جہاں بھی ہے ہر وقت ہماری گرفت میں ہے جب چاہیں گے اسے دھر لیں گے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، ق، حاشیہ: ۲۰)

سورہ سبا آیت ۵۰ میں ارشاد ہے:

قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفۡسِیۡ۔ وَاِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ۔

''کہو اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب میرے اوپر نازل کرتا ہے وہ سب کچھ سنتا ہے اور قریب ہی ہے۔''

میرا رب قریب ہی موجود ہے اور وہ سب کچھ سن رہا ہے، اسے معلوم ہے کہ میں گمراہ ہوں یا اس کی طرف سے ہدایت یافتہ۔ (تفہیم القرآن، ج۴، سبا، حاشیہ:۷۱)

۴۲-اَلرَّقِیْبُ: ہر چیز پر نگراں

سورہ مائدہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے:

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔

''جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو آپ ان پر نگراں تھے۔''

سورہ ہود میں ارشاد ہے:

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔''

سورہ قٓ آیت ۱۸ میں ارشاد ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔''

ایک طرف تو (اللہ تعالیٰ) خود براہ راست انسان کی حرکات وسکنات اور اس کے خیالات کو جانتا ہے، دوسری طرف ہر انسان پر دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول وفعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کیا کر کے آیا ہے، اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔ یہ دستاویزی ثبوت کس نوعیت کا ہوگا، اس کا ٹھیک ٹھیک تصور کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے۔ مگر جو حقائق آج ہمارے سامنے آ رہے ہیں انھیں دیکھ کر یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس فضا میں انسان رہتا اور کام کرتا ہے اس میں ہر طرف اس کی آوازیں، اس کی تصویریں، اور اس کی حرکات وسکنات کے نقوش ذرّے ذرّے پر ثبت ہو رہے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کو بعینہ انہی شکلوں اور آوازوں میں دوبارہ اسی طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ انسان یہ کام نہایت ہی محدود پیمانے پر آلات کی مدد سے کر رہا ہے۔ لیکن خدا کے فرشتے نہ ان آلات کے محتاج ہیں نہ ان قیود سے مقید۔ انسان کا اپنا جسم اور اس کے گرد وپیش کی ہر چیز ان کی ٹیپ اور ان کی فلم ہے جس پر وہ ہر آواز اور ہر تصویر کو اس کی نازک ترین تفصیلات کے ساتھ جوں کی توں ثبت کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز آدمی کو اس کے اپنے کانوں سے اس کی اپنی آواز میں اس کی وہ باتیں سنوا سکتے ہیں جو وہ دنیا میں کرتا تھا، اور اس کی اپنی آنکھوں سے اس کے تمام کرتوتوں کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا سکتے ہیں جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کر کے اس کو سزا دے گا۔ اسی لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے تاکہ اس کی کارگزاریوں کا پورا ثبوت ناقابلِ انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، سورہ قٓ، حاشیہ: ۲۱)

۴۳- اَلْحَسِیْبُ : محاسب، حساب لینے والا

سورۃ النساء آیت ۶ میں ہے:

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔

''پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو، اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔''

سورہ نساء آیت ۸۶ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا۔

''اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

سورۃ الاحزاب آیت ۳۹ میں ہے:

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔

''ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبہ کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔''

اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر خوف اور خطرے کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کسی اور کی بازپرس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، حاشیہ: ۷۶)

ہر انسان فرداً فرداً اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ جس پادشاہ زمین و آسمان کے سامنے جوابدہ ہے وہ غیب و شہادت کا علم رکھنے والا ہے، حتّٰی کہ دلوں کے چھپے ہوئے ارادے اور خیالات تک اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۱، البقرۃ، حاشیہ: ۳۳۵)

جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا یعنی اس سے سخت حساب فہمی نہ کی جائے گی۔ اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں کام تو نے کیوں کیے تھے اور تیرے پاس ان کاموں کے لیے کیا عذر ہے۔ اس کی بھلائیوں کے ساتھ اس کی برائیاں بھی اس کے نامۂ اعمال میں موجود ضرور ہوں گی، مگر بس یہ دیکھ کر کہ بھلائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہے، اس کے قصوروں سے درگزر کیا جائے گا اور اسے معاف کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں بداعمال لوگوں سے سخت حساب فہمی کے لیے سوء الحساب (بری طرح حساب لینے) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (الرعد: ۱۸)۔ اور نیک لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہتر اعمال قبول کر لیں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے'' (الاحقاف: ۱۶)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جو تشریح فرمائی ہے اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، حاکم، ابن جریر، عبد بن حمید اور ابن مردویہ نے مختلف الفاظ میں حضرت عائشہؓ

سے نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''جس سے بھی حساب لیا گیا مارا گیا۔'' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا رسولؐ اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ''جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟'' حضورؐ نے جواب دیا، ''وہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے، لیکن جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا۔'' ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ ''خدایا مجھ سے ہلکا حساب لے۔'' آپؐ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''ہلکے حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اس سے درگزر کیا جائے گا۔ اے عائشہؓ! اس روز جس سے حساب فہمی کی گئی وہ مارا گیا۔''

(تفہیم القرآن، ج۶، الانشقاق، حاشیہ:۶)

۴۴-اَلْقَوِیُّ: بڑی قوت رکھنے والا، نہایت طاقتور، زور آور

سورۃ الانفال آیت ۵۲ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔

''اللہ قوت رکھتا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔''

سورہ ہود آیت ۶۶ میں ہے:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۔

''بے شک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالا دست ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۴۰ میں ارشاد ہے:

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔

''اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۷۴ میں ارشاد ہے:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔

''ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو بس اللہ ہی ہے۔''

اس کی عطا و بخشش کا نظام اس کے اپنے زور پر قائم ہے۔ کسی کا یہ بل بوتا نہیں ہے کہ اسے بدل سکے، یا زبردستی اس سے کچھ لے سکے، یا کسی کو دینے سے اس کو روک سکے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ:۳۶)

اللہ تو ہر وقت یہ قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے اپنے ایک اشارے سے تمام کافروں کو مغلوب کر دے اور اپنے رسولوں کو ان پر غلبہ و تسلّط عطا فرما دے۔ مگر اس میں پھر رسولوں پر ایمان لانے والوں کا کیا کمال ہوگا جس کی بنا پر وہ کسی انعام کے مستحق ہوں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کام کو اپنی غالب قدرت سے انجام دینے کے بجائے طریق کار یہ اختیار فرمایا کہ اپنے رسولوں کو بینات اور کتاب اور میزان دے کر انسانوں کے درمیان مبعوث کر دیا۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الحدید، حاشیہ:۴۷)

۴۵-اَلشَّهِیدُ :نگراں، دیکھنے والا، گواہ

شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرز عمل سے شہادت دے۔اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہیں کیا۔ایسے راستباز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابل اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ا، النساء، حاشیہ:۹۹)

کیا لوگوں کو انجام بد سے ڈرانے کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ اس دعوت حق کو جھٹلانے اور زک پہنچانے کے لیے جو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ ان کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدۃ، حاشیہ:۷۱)

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ شہید قرآن مجید کی کئی سورتوں میں مذکور ہے، مثلاً:

سورہ نساء آیت ۳۳ میں مذکور ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا۔

''یقیناً اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔''

آیت ۷۹ میں ارشاد ہے:

وَاَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا۔

''اے محمدؐ! ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔''

سورہ نساء آیت ۱۶۶ میں ارشاد ہے:

اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ یَشۡہَدُوۡنَ۔وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا۔

''اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں اگرچہ اللہ کا گواہ ہونا بالکل کفایت کرتا ہے۔''

سورہ مائدہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے:

وَکُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ۔ وَاَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ۔

''اسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگراں تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں۔''

سورہ یونس آیت ۲۹ میں ارشاد ہے:

فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًاۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ۔

''ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔''

یعنی وہ تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پوجا گیا، اور وہ تمام جنّ، ارواح، اسلاف، اجداد، انبیاء، اولیاء، شہداء وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھیرا کر وہ حقوق انھیں ادا کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو، تمہاری کوئی دعا، کوئی التجا، کوئی پکار اور فریاد، کوئی نذر و نیاز، کوئی چڑھاوے کی چیز، کوئی تعریف و مدح اور ہمارے نام کی جاپ، اور کوئی سجدہ ریزی اور آستانہ بوسی و درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۳۷)

سورہ رعد آیت ۴۳ میں ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۔

یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہو ''میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۶ میں ہے:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ، اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا۔

اے محمدؐ، ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان بس ایک اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔''

اسی طرح سورہ عنکبوت آیت ۵۲ میں ہے:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا۔

(اے نبیؐ) کہو کہ ''میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔''

سورہ احزاب آیت ۵۵ میں ہے:

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدًا۔

(اے عورتوں) تمہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنی چاہیے۔ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔''

خواتین کو یہ روش ہرگز نہ اختیار کرنی چاہیے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں تو پردے کی پابندی کریں مگر جب وہ موجود نہ ہو تو غیر محرم مردوں کے سامنے پردہ اٹھا دیں۔ ان کا یہ فعل چاہے ان کے شوہر سے چھپا رہ جائے خدا سے تو نہیں چھپ سکتا۔
(تفہیم القرآن، ج۴، الاحزاب، حاشیہ:۱۰۵)

سورہ احقاف آیت ۸ میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِىْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا هُوَاَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ۔ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ۔

''ان سے کہو، ''اگر میں نے اسے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کی پکڑ سے کچھ بھی نہ بچا سکو گے، جو باتیں تم بناتے ہو اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان وہی گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔''

مشرکین کے الزام کا محض بے اصل اور سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی ہونا بالکل ظاہر تھا اس لیے اس کی تردید میں دلائل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ پس یہ کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ اگر واقعی میں نے خود ایک کلام تصنیف کر کے اللہ کی طرف منسوب کرنے کا جرم عظیم کیا ہے، جیسا کہ تم الزام رکھتے ہو، تو مجھے خدا کی پکڑ سے بچانے کے لیے تم نہ آؤ گے، لیکن اگر یہ خدا ہی کا کلام ہے اور تم جھوٹے الزامات رکھ رکھ کر اسے رد کر رہے ہو تو اللہ تم سے نمٹ لے گا۔ حقیقت اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور جھوٹ سچ کا فیصلہ کرنے کے لیے وہ بالکل کافی ہے۔ ساری دنیا اگر کسی کو جھوٹا کہے اور اللہ کے علم میں وہ سچا ہو تو آخری فیصلہ لازماً اسی کے حق میں ہوگا۔ اور ساری دنیا اگر کسی کو سچا کہہ دے، مگر اللہ کے علم میں وہ جھوٹا ہو، تو آخر کار وہ جھوٹا ہی قرار پائے گا۔ لہٰذا الٹی سیدھی باتیں بنانے کے بجائے اپنے انجام کی فکر کرو۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الاحقاف، حاشیہ:۱۰)

سورہ فتح آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

هُوَالَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ۔ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

حدیبیہ میں جب معاہدہ صلح لکھا جانے لگا تھا اس وقت کفارِ مکہ نے حضورؐ کے اسم گرامی کے ساتھ رسولؐ اللہ کے الفاظ لکھنے پر اعتراض کیا تھا اور ان کے اصرار پر حضورؐ نے خود معاہدے کی تحریر میں سے یہ الفاظ مٹا دیے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ''ہمارے رسول کا رسول ہونا تو ایک حقیقت ہے جس میں کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کو اگر کچھ لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ اس کے حقیقت ہونے پر ہماری شہادت کافی ہے۔ ان کے انکار کر دینے سے یہ حقیقت بدل نہیں جائے گی، بلکہ ان کے علی الرَّغم اس ہدایت اور اس دین کو پوری جنس دین پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا جسے لے کر یہ رسول ہماری طرف سے آیا ہے، خواہ یہ منکرین اسے روکنے کے لیے کتنا ہی زور مار کر دیکھ لیں۔''
(تفہیم القرآن، ج۵، الفتح، حاشیہ:۵۱)

اللہ جو کائنات کی تمام حقیقتوں کا براہ راست علم رکھتا ہے، جو تمام موجودات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے، جس کی نگاہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، یہ اس کی شہادت ہے —— اور اس سے بڑھ کر معتبر عینی شہادت اور کس کی ہوگی —— کہ پورے عالم وجود میں اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے، جو خدائی صفات سے متصف ہو، خدائی کے اقتدار کی مالک ہو، اور خدائی کے حقوق کی مستحق ہو۔ (تفہیم القرآن، ج۱، آل عمران، حاشیہ:۱۴)

۴۶-اَلۡحَمِیۡدُ: اپنی ذات میں آپ محمود، ستودہ صفات

سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۷ میں ارشاد ہے:

وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّآ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ۔

''اورتم ہرگز اسے لینا گوارانہ کرو گے اِلّا یہ کہ اس کوقبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہےاور بہترین صفات سے متصف ہے۔''

سورہ ہود آیت ۷۳ میں ارشاد ہے:

رَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ۔

''ابراہیم کے گھر والو! تم لوگوں پرتو اللہ کی رحمت اوراس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔''

سورہ ابراہیم آیت ۸ میں ارشاد ہے:

وَقَالَ مُوۡسٰىٓ اِنۡ تَكۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيۡدٌ۔

''اورموسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ''اگرتم کفرکرواورز مین کے سارے رہنے والے بھی کافر ہوجائیں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۶۴ میں ارشاد ہے:

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ۔

''اسی کا ہے جوکچھ آسمانوں میں ہےاور جوکچھ زمین میں ہے بے شک وہی غنی وحمید ہے۔''

سورہ لقمان آیت ۱۲ میں ارشاد ہے:

وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ۔

''جوکوئی شکر کرے اس کا شکراس کے اپنے ہی لیے مفید ہےاور جوکفر کرےتو حقیقت میں اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔''

سورہ فاطر آیت ۱۵ میں ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ۔

''لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہواور اللہ تو غنی وحمید ہے۔''

سورہ فصلت آیت ۴۲ میں ارشاد ہے:

لَا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ۔

''باطل نہ سامنے سے اس پرآ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔''

سورہ شوریٰ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَيَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ وَهُوَ الۡوَلِىُّ الۡحَمِيۡدُ۔

''وہی ہے جولوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہےاوراپنی رحمت پھیلا دیتا ہےاوروہی قابل تعریف ولی ہے۔''

سورۃ الحدید آیت ۲۴ میں ہے:

وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔

''اب کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔''

سورۃ التغابن آیت ۶ میں ہے:

فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰہُ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔

''اس طرح انھوں نے ماننے سے انکار کردیا اور منہ پھیرلیا، تب اللہ بھی اُن سے بے پرواہوگیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود۔''

سورۃ البروج آیت ۸ میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۔

''اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔''

سورہ نساء آیت ۱۳۱ میں ہے:

فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا۔

''آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا مستحق ہے۔''

حمید سے مراد یہ ہے کہ وہ آپ سے آپ محمود ہے، کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے مگر حمد (شکروتعریف) کا استحقاق اسی کو پہنچتا ہے۔ ان دونوں کو (سورہ فاطر: ۱۵) میں ایک ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ محض غنی تو وہ بھی ہوسکتا ہے جو اپنی دولت مندی سے کسی کو نفع پہنچائے اس صورت میں وہ غنی تو ہوگا مگر حمید نہ ہوگا۔ حمید وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ وہ کسی سے خود تو فائدہ نہ اٹھائے مگر اپنی دولت کے خزانوں سے دوسروں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ان دونوں صفات میں کامل ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ محض غنی نہیں ہے بلکہ ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف اور شکر کا استحقاق پہنچتا ہے کیوں کہ وہ تمہاری اور تمام موجودات عالم کی حاجتیں پوری کررہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، حاشیہ: ۳۷)

کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے کمال و جمال اور اس کی خلاقی اور رزاقی پر شہادت دے رہا ہے اور ہر مخلوق زبان حال سے اس کی حمد بجالارہی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ: ۱۹)

۴۷، ۴۸- اَلْمَاجِدُ :اور اَلْمَجِیْدُ :بلند پایہ، بڑی شان والا، بزرگ و برتر

سورہ ہود آیت ۷۳ میں ارشاد ہے:

اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

''یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔''

مجید کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ایک بلند مرتبہ، باعظمت، بزرگ اور صاحب عزت و شرف دوسرے کریم، کثیر العطاء، بہت نفع پہنچانے والا۔

بزرگ و برتر کہہ کر انسان کو اس کمینہ پن پر متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایسی ہستی کے مقابلہ میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے (جو بلند پایہ، بڑی شان والی اور بزرگ و برتر ہے)۔ (تفہیم القرآن، ج٦، البروج، حاشیہ:٧)

۴۹-اَلْمُحِیْطُ :احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا، ہر چیز پر محیط

وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکٰفِرِیْنَ۔ (البقرة: ١٩)

''اور اللہ منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔''

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔ (آلِ عمران : ١٢٠)

''جو کچھ یہ کر رہے اللہ اس پر حاوی ہے۔''

وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۔ (النساء : ١٢٦)

''اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔''

وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔ (الانفال : ٤٧)

''اور وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، جو کچھ وہ کر رہے وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔''

اللہ کی قدرت اور اس کے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی رگ گردن بھی اس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا اس کا علم اور اس کی قدرت اس سے قریب ہے۔اس کی بات سننے کے لیے اسے کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا، انسان کے دل میں آنے والے خیالات تک کو وہ براہ راست جانتا ہے۔اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو وہ کہیں سے آ کر اس کو نہیں پکڑے گا، وہ جہاں بھی ہے ہمہ وقت اس کی گرفت میں ہے، جب چاہے گا اسے دھر لے گا۔[1]
(تفہیم القرآن، ج۵، ق، حاشیہ:١٠)

رسول پر بھی اور فرشتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس قدر محیط ہے کہ اگر بال برابر بھی وہ اس کی مرضی کے خلاف جنبش کریں تو فوراً گرفت میں آ جائیں۔جو پیغامات اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اس کا حرف حرف گنا ہوا ہے، رسولوں اور فرشتوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ان میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی کر سکیں۔ (تفہیم القرآن، ج٦، الجن، حاشیہ:٣٠)

انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسری مخلوقات سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔کائنات کی تمام حقیقتوں پر کسی کی نظر بھی محیط نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج١، البقرة، حاشیہ:٢٨٢)

اگر انسان اللہ کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے اور سرکشی سے باز نہ آئے تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا، اللہ کی قدرت اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ (تفہیم القرآن، ج١، النساء، حاشیہ:١٥١)

یہ بات کہ اللہ نے مخالفین کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور نبی کی دعوت اللہ کی حفاظت میں ہے، مکے کے ابتدائی دور

---

[1] اس پیرے میں ضمیریں بدلی گئی ہیں۔

کی سورتوں میں متعدد جگہ ارشاد ہوئی ہے۔مثلاً سورہ بروج میں فرمایا:

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔

''مگر یہ کافر جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں،اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔''

(تفہیم القرآن،ج ۲،بنی اسرائیل،حاشیہ:۷۰)

۵۰-اَلْحَفِيْظُ: ہر چیز پر نگراں، پاسبان، حفاظت کرنے والا

سورہ ہود آیت ۵۷ میں ارشاد ہے:

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ۔

''یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔''

سورہ شوریٰ آیت ۶ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ۔

''جن لوگوں نے اس کو چھوڑ کر اپنے کچھ دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں،اللہ ہی ان پر نگراں ہے۔''

سورہ سبا آیت ۲۱ میں ہے:

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ۔

''تیرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔''

سورۃ الشوریٰ میں اَللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ''اللہ ہی ان پر نگراں ہے۔''یعنی وہ ان کے سارے افعال دیکھ رہا ہے۔ اور ان کا نامہ اعمال تیار کر رہا ہے۔ان کا محاسبہ اور مواخذہ کرنا اسی کا کام ہے۔''تم ان کے حوالہ دار نہیں ہو۔'' یہ خطاب نبی ﷺ سے ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کی قسمت تمہارے حوالہ نہیں کر دی گئی ہے جو تمہاری بات نہ مانے گا اسے تم جلا کر خاک کر دو گے، یا اس کا تختہ الٹ دو گے، یا اسے تہس نہس کر کے رکھ دو گے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ نبی ﷺ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے تھے اور آپ کی غلط فہمی یا بر خود غلطی کو رفع کرنے کے لیے یہ بات ارشاد ہوئی ہے۔ بلکہ اس سے مقصود کفار کو سنانا ہے۔اگرچہ بظاہر مخاطب حضورؐ ہی ہیں، لیکن اصل مدعا کفار کو یہ بتانا ہے کہ اللہ کا نبی اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدا رسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً تمہارے ہاں کیا کرتے ہیں۔ جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ''حضرت'' قسم کے لوگ ہر اس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے۔ بلکہ مر جانے کے بعد ان کی قبر کی بھی کوئی توہین کر گزرے، یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی برا خیال ہی دل میں لے آئے تو وہ اس کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر ''حضرتوں'' کا اپنا پھیلایا ہوا ہوتا ہے اور نیک لوگ جو خود ایسی باتیں نہیں کرتے، ان کے نام اور ان کی ہڈیوں کو اپنے کاروبار کا سرمایہ بنانے کے لیے کچھ دوسرے ہوشیار لوگ ان کے متعلق اس خیال کو پھیلاتے ہیں۔ بہر حال عوام میں اسے روحانیت و خدا رسیدگی کا لازمہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کو قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے اختیارات حاصل ہوں۔اسی فریب کا طلسم توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کفار کو سناتے ہوئے اپنے رسول

پاک سے فرما رہا ہے کہ بلاشبہ تم ہمارے پیغمبر ہو اور ہم نے اپنی وحی سے تمہیں سرفراز کیا ہے، مگر تمہارا کام صرف لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ ان کی قسمتیں تمہارے حوالہ نہیں کر دی گئی ہیں۔ وہ ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہیں۔ بندوں کے اعمال کو دیکھنا اور ان کو عذاب دینا یا نہ دینا ہمارا اپنا کام ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۷)

اس زمین پر تمہاری بقا اور تمہاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اپنے بل بوتے پر تم یہاں مزے سے نہیں دندنا رہے ہو۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے، اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کی رہین منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آ سکتا ہے کہ یہی زمین تمہارے لیے آغوش مادر کی بجائے قبر کا گڑھا بن جائے، یا ہوا کا ایسا طوفان آ سکتا ہے جو تمہاری بستیوں کو غارت کر کے رکھ دے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، حاشیہ: ۲۶)

(جب کسی شخص کو حفیظ کہیں گے) تو ایسے شخص کو کہیں گے، جو اللہ کے حدود اور اس کے فرائض اور اس کی حرمتوں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتوں کی حفاظت کرے، جو ان حقوق کی نگہداشت کرے جو اللہ کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں، جو اس عہد و پیمان کی نگہداشت کرے جو ایمان لا کر اس نے اپنے رب سے کیا ہے، جو اپنے اوقات اور اپنی قوتوں اور محنتوں اور کوششوں کی پاسبانی کرے کہ ان میں سے کوئی چیز غلط کاموں میں ضائع نہ ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، حاشیہ: ۴۱)

۵۱- اَلْحَقُّ : سچا

سورہ انعام آیت ۶۲ میں ارشاد ہے:

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ۔

’’پھر سب کے سب اللہ، اپنے حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جاتے ہیں۔‘‘

اسی طرح سورہ یونس آیت ۳۰ میں ہے:

وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ۔

’’سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیے جائیں گے۔‘‘

پھر آیت ۳۲ میں بھی ہے:

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔

’’تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟‘‘

تمہارا حقیقی پروردگار، مالک، آقا اور تمہاری بندگی و عبادت کا حق دار اللہ ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۳۸)

سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۴ میں ارشاد ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔

’’پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی۔‘‘

سورہ حج آیت ۶ میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى۔

’’یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔‘‘

اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو۔ وہ نرا فلسفیوں کے خیال کا آفریدہ، واجب الوجود اور علّت العلل (First Cause) ہی نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی فاعل مختار ہے جو ہر آن اپنی قدرت، اپنے ارادے، اپنے علم اور اپنی حکمت سے پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ کھلنڈرا نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے کھلونے بنائے اور پھر یونہی توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دے۔ وہ حق ہے اس کے سب کام سنجیدہ اور بامقصد اور پرحکمت ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۸)

پورے نظام کائنات کو چھوڑ کر آدمی صرف اپنی ہی پیدائش پر غور کرے تو معلوم ہو جائے کہ ایک ایک انسان کی ہستی میں اللہ کی حقیقی اور واقعی تدبیر ہر وقت بالفعل کارفرما ہے اور ہر ایک کے وجود اور نشو ونما کا ایک ایک مرحلہ اس کے ارادی فیصلے پر ہی طے ہوتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے قانون پر ہو رہا ہے جس کو ایک اندھی بہری بے علم و بے ارادہ فطرت چلا رہی ہے۔ لیکن وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ ایک ایک فرد انسانی جس طرح وجود میں آتا ہے اور پھر جس طرح وہ وجود کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اس میں ایک حکیم و قادر مطلق ہستی کا ارادی فیصلہ کس شان سے کام کر رہا ہے۔ آدمی جو غذا کھاتا ہے اس میں کہیں انسانی تخم موجود نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو نفس انسانی کے خواص پیدا کرتی ہو۔ یہ غذا جسم میں جا کر کہیں بال، کہیں گوشت اور کہیں ہڈی بنتی ہے، اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہی اس نطفے میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے اندر انسان بننے کی استعداد رکھنے والے تخم موجود ہوتے ہیں۔ ان تخموں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ ایک وقت میں ایک مرد سے جتنا نطفہ خارج ہوتا ہے اس کے اندر کئی کروڑ تخم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بیضۂ انثیٰ سے مل کر انسان بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر یہ کسی حکیم و قدیر اور حاکم مطلق کا فیصلہ ہے جو ان بے شمار امیدواروں میں سے کسی ایک کو کسی خاص وقت پر چھانٹ کر بیضۂ انثیٰ سے ملنے کا موقع دیتا ہے اور اس طرح استقرار حمل رونما ہوتا ہے۔ پھر استقرار کے وقت مرد کے تخم اور عورت کے بیضی خلیے (Egg Cell) کے ملنے سے جو چیز ابتداءً بنتی ہے وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خوردبین کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔ یہ حقیر سی چیز ۹ مہینے اور چند روز میں رحم کے اندر پرورش پا کر جن بے شمار مرحلوں سے گزرتی ہوئی ایک جیتے جاگتے انسان کی شکل اختیار کرتی ہے۔ ان میں سے ہر مرحلے پر غور کرو تو تمہارا دل گواہی دے گا کہ یہاں ہر آن ایک حکیم فعال کا ارادی فیصلہ کام کرتا رہا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے تکمیل کو پہنچانا ہے اور کسے خون کے لوتھڑے یا گوشت کی بوٹی، یا ناتمام بچے کی شکل میں ساقط کر دینا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو زندہ نکالنا ہے اور اس کو مردہ۔ کس کو معمولی انسان کی صورت وہیئت میں نکالنا ہے اور کسے ان گنت غیر معمولی صورتوں میں سے کوئی صورت دے دینی ہے۔ کس کو صحیح و سالم نکالنا ہے اور کسے اندھا، بہرا، گونگا یا ٹنڈا یا لنجا بنا کر پھینک دینا ہے۔ کس کو خوبصورت بنانا ہے اور کسے بدصورت۔ کس کو مرد بنانا ہے اور کس کو عورت۔ کس کو اعلیٰ درجے کی قوتیں اور صلاحیتیں دے کر بھیجنا ہے اور کسے کودن اور کند ذہن پیدا کرنا ہے۔ یہ تخلیق وتشکیل کا عمل، جو ہر روز کروڑوں عورتوں کے رحموں میں ہو رہا ہے، اس کے دوران میں کسی وقت

کسی مرحلے پر بھی ایک خدا کے سوا دنیا کی کوئی طاقت ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہوسکتی، بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس پیٹ میں کیا چیز بن رہی ہے اور کیا بن کر نکلنے والی ہے۔ حالانکہ انسانی آبادیوں کی قسمت کے کم از کم ۹۰ فی صد فیصلے انہی مراحل میں ہو جاتے ہیں اور یہیں افراد ہی کے نہیں، قوموں کے، بلکہ پوری نوع انسانی کے مستقبل کی شکل بنائی اور بگاڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو بچے دنیا میں آتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ کسے زندگی کا پہلا سانس لیتے ہی ختم ہو جانا ہے، کسے بڑھ کر جوان ہونا ہے، اور کس کو قیامت کے بوریے سمیٹنے ہیں؟ یہاں بھی ایک غالب ارادہ کارفرما نظر آتا ہے اور غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی کارفرمائی کس عالمگیر تدبیر و حکمت پر مبنی ہے جس کے مطابق وہ افراد ہی کی نہیں، قوموں اور ملکوں کی قسمت کے بھی فیصلے کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کسی کو اس امر میں شک ہے کہ اللہ ''حق'' ہے اور صرف اللہ ہی ''حق'' ہے تو بے شک وہ عقل کا اندھا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الحج، حاشیہ:۹)

حقیقی اختیارات کا مالک اور واقعی رب وہی ہے، اس لیے اس کی بندگی کرنے والے خائب و خاسر نہیں رہ سکتے۔ اور دوسرے تمام معبود سراسر بے حقیقت ہیں، ان کو جن صفات اور اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا ہے ان کی سرے سے کوئی اصلیت نہیں ہے، اس لیے خدا سے منہ موڑ کر ان کے اعتماد پر جینے والے کبھی فلاح و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتے۔

(تفہیم القرآن، ج۳، الحج، حاشیہ:۱۰۹)

سارے بناوٹی خدا بیچارے خود اپنے بندوں کے محتاج ہیں۔ صرف ایک خداوند عالم ہی وہ حقیقی خدا ہے جس کی خدائی آپ اپنے بل بوتے پر قائم ہے اور جو کسی کی مدد کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۱۰)

سورہ لقمان آیت ۳۰ میں ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۔

''یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔''

حقیقی فاعل مختار ہے۔ خلق و تدبیر کے اختیارات کا اصل مالک ہے۔ باقی سب (گمراہ انسانوں) کے تخیلات کے آفریدہ خدا ہیں جو فرض کر لیے گئے ہیں کہ فلاں صاحب خدائی میں کوئی دخل رکھنے والا ہے اور فلاں حضرت کو مشکل کشائی و حاجت روائی کے اختیارات حاصل ہیں۔ حالانکہ فی الواقع ان میں سے کوئی صاحب بھی کچھ نہیں بنا سکتے۔

(تفہیم القرآن، ج۴، لقمان، حاشیہ:۵۲-۵۳)

۵۲-اَلْمُبِیْنُ: صاف صاف، کھول کر بیان کرنے والا، واضح کرنے والا

سورۃ النور آیت ۲۵ میں ارشاد ہے:

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔

''اس دن اللہ وہ بدلہ انھیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا ہے۔''

اپنے احکام، اپنی تعلیمات اور ہدایات کو بالکل واضح طریقے سے بیان کرنے والا، حق اور باطل کا فرق نمایاں طریقے سے کھول دینے والا۔(ضمائر میں قدرے ردّوبدل کے ساتھ)۔ (تفہیم القرآن، ج۳، النمل، حاشیہ:۱)

۵۳-اَلْغَفَّارُ: درگزر کرنے والا

سورہ طٰہٰ آیت ۸۲ میں ہے:

وَاِنِّی لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔

”البتہ جوتوبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔“

سورہ زمر آیت ۵ میں ہے:

اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ۔

”جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔“

سورۃ المومن آیت ۴۲ میں ہے:

وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ۔

”حالانکہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔“

سورہ ص آیت ۶۶ میں ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ۔

”آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک جو ان کے درمیان ہیں، زبردست اور درگزر کرنے والا۔“

سورہ نوح آیت ۱۰ میں ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔

”میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔“

زبردست ایسا ہے کہ اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کرسکتی۔ مگر یہ اس کا کرم ہے کہ تم یہ کچھ گستاخیاں کررہے ہو اور پھر بھی وہ تم کو فوراً پکڑ نہیں لیتا بلکہ مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے: اس مقام پر عقوبت میں تعجیل نہ کرنے اور مہلت دینے کو مغفرت (درگزر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الزمر، حاشیہ:۱۱)

مغفرت کے لیے چار شرطیں ہیں۔ اوّل توبہ، یعنی سرکشی و نافرمانی یا شرک و کفر سے باز آجانا۔ دوسرے ایمان یعنی اللہ اور رسول اور کتاب اور آخرت کو صدق دل سے مان لینا۔ تیسرے عمل صالح، یعنی اللہ اور رسول کی ہدایات کے مطابق نیک عمل کرنا، چوتھے اہتداء، یعنی راہ راست پر ثابت قدم رہنا اور پھر غلط راستے پر نہ جا پڑنا۔ (تفہیم القرآن، ج۳، طٰہٰ، حاشیہ:۶۰)

صغائر کے مرتکب کا معاف کردیا جانا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ صغیرہ گناہ، گناہ نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تنگ نظری اور خوردہ گیری کا معاملہ نہیں فرماتا۔ بندے اگر نیکی اختیار کریں اور کبائر و فواحش

سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہ فرمائے گا اور اپنی رحمت بے پایاں کی وجہ سے ان کو ویسے ہی معاف کر دے گا۔ (تفہیم القرآن، ج۵، النجم، حاشیہ:۳۳)

۵۴-اَلْقَهَّارُ: سب پر غالب

سورہ یوسف آیت ۳۹ میں ہے:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

''بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک الٰہ جو سب پر غالب ہے۔''

سورہ الرعد آیت ۱۶ میں ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

''کہو! ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے سب پر غالب۔''

سورہ ابراہیم آیت ۴۸ میں ہے:

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔''

سورہ صٓ آیت ۶۵ میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

(اے نبیؐ) ان سے کہو! ''میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں۔ کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ، جو یکتا ہے، سب پر غالب۔''

سورہ زمر آیت ۴ میں ہے:

سُبْحَانَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

''پاک ہے وہ اس سے (کہ کوئی اس کا بیٹا ہو) وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب۔''

سورہ مومن آیت ۱۶ میں ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

---

[1] اب رہا یہ سوال کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق کیا ہے اور کس قسم کے گناہ صغیرہ اور کس قسم کے کبیرہ ہیں، تو اس معاملہ میں جس بات پر ہمارا اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ ''ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے کتاب وسنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہو، یا اس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ نے دنیا میں کوئی سزا مقرر کی ہو، یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو، یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہو، یا اس کے مرتکبین پر نزول عذاب کی خبر دی ہو۔'' اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں۔ اسی طرح کبیرہ، محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں بلکہ صغیرہ ہے۔ حتّٰی کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کرنا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گزرے۔ البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے جب کہ وہ دین کے استخفاف اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں استکبار کے جذبہ سے کیا جائے، اور اس کا مرتکب اس شریعت کو کسی اعتناء کے لائق نہ سمجھے جس نے اسے ایک برائی قرار دیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، النجم، حاشیہ:۳۲)

''(اس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔''

وہ ہستی جو اپنے زور سے سب پر حکم چلائے اور سب کو مغلوب کر کے رکھے۔ یہ بات کہ ''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے'' مشرکین کی اپنی ہی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انھیں کبھی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ ''وہ یکتا اور قہار ہے۔'' اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی نتیجہ ہے جس سے انکار کرنا، پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد کسی صاحب عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامحالہ یکتا و یگانہ ہے، کیونکہ دوسری جو چیز بھی ہے وہ اسی کی مخلوق ہے، پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات، یا صفات یا اختیارات، یا حقوق میں اس کی شریک ہو؟ اسی طرح وہ لامحالہ قہار بھی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے مغلوب ہو کر رہنا عین تصور مخلوقیت میں شامل ہے، غلبہ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کرسکتا ہے۔ پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہو اس کے لیے ان دو خالص عقلی و منطقی نتیجوں سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات سراسر غیر معقول ٹھیرتی ہے کہ کوئی شخص خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی کرے۔ اور غالب کو چھوڑ کر مغلوب کو مشکل کشائی کے لیے پکارے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، حاشیہ: ۳۰)

دنیا میں جو چیز بھی ہے اس سے مغلوب اور اس کی قاہرانہ گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں کوئی کسی درجے میں بھی اس سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جس کی بنا پر اس کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، حاشیہ: ۹)

معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہی ہے، کیوں کہ وہ سب پر غالب ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے، اور کائنات کی ہر چیز اس کی ملک ہے۔ اس کے ماسوا اس کائنات میں جن ہستیوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کوئی ہستی بھی ایسی نہیں ہے جو اس سے مغلوب اور اس کی مملوک نہ ہو۔ یہ مغلوب اور مملوک ہستیاں اس غالب اور مالک کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہوسکتی ہیں اور آخر کس حق کی بنا پر انھیں معبود قرار دیا جاسکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، صٓ، حاشیہ: ۵۸)

دنیا میں تو بہت سے بر خود غلط لوگ اپنی بادشاہی و جباری کے ڈنکے پیٹتے رہے، اور بہت سے احمق ان کی بادشاہیاں اور کبریائیاں مانتے رہے، (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا) اب بتاؤ کہ بادشاہی فی الواقع کس کی ہے؟ اختیارات کا اصل مالک کون ہے؟ اور حکم کس کا چلتا ہے۔ یہ ایسا مضمون ہے جسے اگر کوئی شخص گوش ہوش سے سنے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا بادشاہ یا آمر مطلق بنا بیٹھا ہو، اس کا زہرہ آب ہو جائے اور ساری جباریت کی ہوا اس کے دماغ سے نکل جائے۔ اس موقع پر تاریخ کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ سامانی خاندان کا فرماں روا نصر بن احمد (۳۰۱-۳۳۱ھ) جب نیشاپور میں داخل ہوا تو اس نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمائش کی کہ کارروائی کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت سے ہو۔ یہ سن کر ایک بزرگ آگے بڑھے اور انھوں نے یہی رکوع تلاوت کیا۔ جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے تو نصر پر ہیبت طاری ہوگئی۔ لرزتا ہوا تخت سے اترا، تاج سر سے اتار کر سجدے میں گر گیا اور بولا اے رب، بادشاہی تیری ہی ہے نہ کہ میری۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۲۷)

۵۵-اَلْخَلَّاقُ :ماہر

سورۃ الحجر آیت ۸۶ میں ارشادگرامی ہے:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۔

''یقیناً تمہارارب سب کا خالق ہے۔''

سورہ یٰسین آیت ۸۱ میں ارشادگرامی ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۔

''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔''

خالق ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مخلوق پر کامل غلبہ وتسلّط رکھتا ہے، کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی گرفت سے بچ سکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، حاشیہ: ۴۸)

خدا کی پیدا کردہ کائنات میں کہیں بھی یک رنگی و یکسانی نہیں ہے۔ ہر طرف تنوع ہی تنوع ہے۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی سے طرح طرح کے درخت نکل رہے ہیں اور ایک درخت کے دو پھل تک اپنے رنگ، اپنی ساخت اور سبزے میں یکساں نہیں ہیں۔ ایک ہی پہاڑ کو دیکھو تو اس میں کئی کئی رنگ تمہیں نظر آئیں گے اور اس کے مختلف حصوں کی مادّی ترکیب میں بڑا فرق پایا جائے گا۔ انسانوں اور جانوروں میں ایک ماں باپ کے دو بچے تک یکساں نہ ملیں گے۔ اس کائنات میں اگر کوئی مزاجوں اور طبیعتوں اور ذہنوں کی یکسانی ڈھونڈے اور وہ اختلافات دیکھ کر گھبرا اٹھے تو اس کے اپنے فہم کی کوتاہی ہے۔ یہی تنوع اور اختلاف تو پتہ دے رہا ہے کہ اس کائنات کو کسی زبردست حکیم نے بے شمار حکمتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کا بنانے والا کوئی بے نظیر خلاّق اور بے مثل صناع ہے جو ہر چیز کا کوئی ایک ہی نمونہ لے کر نہیں بیٹھ گیا ہے، بلکہ اس کے پاس ہر شے کے لیے نئے سے نئے ڈیزائن اور بے حدوحساب ڈیزائن ہیں۔ پھر خاص طور پر انسانی طبائع اور اذہان کے اختلاف پر کوئی شخص غور کرے تو اسے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت حکمت تخلیق کا شاہکار ہے۔ اگر تمام انسان پیدائشی طور پر افتادطبع اور اپنی خواہشات، جذبات، میلانات اور طرز فکر کے لحاظ سے یکساں بنادیے جاتے اور کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رکھی جاتی تو دنیا میں انسان کی قسم کی ایک نئی مخلوق پیدا کرنا ہی سرے سے لاحاصل ہوجاتا۔ خالق نے جب اس زمین پر ایک ذمہ دار مخلوق اور اختیارات کی حامل مخلوق وجود میں لانے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے کی نوعیت کا لازمی تقاضا یہی تھا کہ اس کی ساخت میں ہر قسم کے اختلافات کی گنجائش رکھی جاتی۔ یہ چیز اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ انسان کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم الشان منصوبے کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ حکیمانہ منصوبہ جہاں بھی پایا جائے گا وہاں لازماً اس کے پیچھے ایک حکیم ہستی کارفرما ہوگی۔ حکیم کے بغیر حکمت کا وجود صرف ایک احمق ہی فرض کرسکتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر حاشیہ: ۴۸)

خالق کا کمال حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صنف نہیں بنائی۔ بلکہ دوصنفوں (Sexes) کی شکل

میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہیں۔ جن کی بناوٹ کا فارمولا بھی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت، مختلف ذہنی و نفسی اوصاف اور مختلف جذبات و داعیات لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ اور ان کے درمیان یہ حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے، ہر ایک کا جسم اور اس کے نفسیات و داعیات دوسرے کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید براں وہ خالق حکیم ان دونوں صنفوں کے افراد کو آغاز آفرینش سے برابر اس تناسب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطۂ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے ہوں، یا کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرہ برابر بھی نہ اس معاملہ میں اثر انداز ہوسکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زنانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہوں اور نہ اس معاملہ میں اس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدائش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے۔ ہزار ہا سال سے کروڑوں اور اربوں انسانوں کی پیدائش میں اس تدبیر و انتظام کا اتنے متناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہوسکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ چیز صریحاً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالق حکیم اور ایک ہی خالق حکیم نے اپنی غالب حکمت و قدرت سے ابتداءً مرد اور عورت کا ایک موزوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد و حساب مرد اور بے حد و حساب عورتیں اپنی اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات لیے ہوئے دنیا بھر میں ایک تناسب کے ساتھ پیدا ہوں۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۲۸)

انسان کا مایۂ تخلیق اس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادّے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کچھ کاربن، کچھ کیلشیم، کچھ سوڈیم اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انہی کو ترکیب دے کر وہ حیرت انگیز ہستی بنا کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات، شعور، تعقّل اور تخیّل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا منبع بھی اس کے عناصر ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہوا ہو بلکہ اس کے اندر وہ عجیب تولیدی قوت بھی پیدا کر دی گئی جس کی بدولت کروڑوں اور اربوں انسان وہی ساخت اور وہی صلاحیتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے حد و حساب انفرادی خصوصیات کے حامل نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا عقل اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خلقت کسی صانع حکیم کی تخلیق کے بغیر آپ سے آپ ہوگئی ہے؟ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۳۷)

۵۶-اَلْفَتَّاحُ : زبردست حاکم، ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا

سورہ سبا آیت ۲۶ میں ارشاد ربانی ہے:

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَھُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ۔

”کہو ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا۔ وہ زبردست حاکم ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔“

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ ہمیں اور تمہیں دونوں ہی کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور رب وہ ہے جو حقیقت کو بھی جانتا ہے اور ہم دونوں گروہوں کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ وہاں جا کر نہ صرف اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ ہم میں اور تم میں سے حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔ بلکہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہم نے تم پر حق واضح کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اور تم نے باطل پرستی کی ضد میں آ کر ہماری مخالفت کس کس طرح کی۔

(تفہیم القرآن، ج۴، سبا، حاشیہ:۴۵)

اللہ تعالیٰ کے فیصلے تمہاری خواہشات کے تابع نہیں ہیں کہ کسی کام کے لیے جو وقت تم مقرر کرو اسی وقت پر وہ اس کام کو کرنے کا پابند ہو۔ اپنے معاملات کو وہ اپنی ہی صوابدید کے مطابق انجام دیتا ہے۔ تم اسے کیا سمجھ سکتے ہو کہ اللہ کی اسکیم میں نوع انسانی کو کب تک اس دنیا کے اندر کام کرنے کا موقع ملنا ہے، کتنے اشخاص اور کتنی قوموں کی کس کس طرح آزمائش ہونی ہے، اور کون سا وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ اس دفتر کو لپیٹ دیا جائے اور تمام اولین و آخرین کو محاسبہ کے لیے طلب کر لیا جائے۔

(تفہیم القرآن، ج۴، سبا، حاشیہ:۴۹)

۵۷-الوَدُودُ : بہت محبت رکھنے والا

سورہ ہود آیت ۹۰ میں ہے:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۔

''دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔''

سورہ بروج آیت ۱۴ میں ہے:

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔

''وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سنگ دل اور بے رحم نہیں ہے۔ اس کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ سزا دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر ہی خوش ہو۔ تم لوگ اپنی سرکشیوں میں جب حد سے گزر جاتے ہو اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز ہی نہیں آتے تب وہ بادل نخواستہ سزا دیتا ہے۔ ورنہ اس کا حال تو یہ ہے کہ تم خواہ کتنے ہی قصور کر چکے ہو، جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اس کی طرف پلٹو گے اس کے دامن رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔ کیونکہ اپنی پیدا کی ہوئی وسیع مخلوق سے وہ بے پایاں محبت رکھتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج۲، ہود، حاشیہ:۱۰۱)

۵۸-الغَفُورُ : بہت ہی درگزر فرمانے والا

سورہ توبہ آیات ۲۷، ۹۱، ۹۹، ۱۰۲۔ یونس آیت ۱۰۷۔ ہود آیت ۴۱۔ یوسف آیات ۵۳، ۹۸۔ ابراہیم آیت ۳۶۔ الحجر آیت ۴۹۔ النحل آیات ۱۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۹۔ الکہف ۵۸۔ الحج آیت ۶۰۔ النور آیات ۵، ۲۲، ۳۳، ۶۲۔ النمل آیات ۱۱۔

القصص آیات ۱۶۔ سبا آیات ۲، ۱۵۔ فاطر آیات ۲۸، ۳۰، ۳۴۔ الزمر آیت ۵۳۔ حٰم سجدہ آیت ۳۲۔ الشوریٰ آیات ۵، ۲۳۔ الاحقاف آیت ۸۔ الحجرات آیات ۵، ۱۴۔ الحدید آیت ۲۸۔ المجادلہ آیات ۲، ۱۲۔ الممتحنہ آیات ۷، ۱۲۔ التغابن آیت ۱۴۔ التحریم آیت ۱۔ الملک آیت ۲۔ المزمل آیت ۲۰۔ البروج آیت ۱۴ میں یہ اسم الٰہی بیان ہوا ہے۔

"غَفُوْرًا" سورہ نساء آیات ۲۳، ۴۳، ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۲۹، ۱۵۲۔ سورۃ الاسراء آیات ۲۵، ۴۴۔ الفرقان آیات ۶، ۷۰۔ الاحزاب آیات ۵، ۲۴، ۵۰، ۵۹، ۷۳۔ فاطر آیت ۴۱۔ الفتح آیت ۱۴ آیات حٰم السجدہ و بنی اسرائیل میں بیان ہوا ہے۔

وہ بے انتہا زبردست اور سب پر پوری طرح غالب ہونے کے باوجود اپنی مخلوق کے حق میں رحیم وغفور ہے، ظالم اور سخت گیر نہیں ہے، برے عمل کرنے والوں کو سزا دینے کی وہ پوری قدرت رکھتا ہے، کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی سزا سے بچ سکے۔ مگر جو نادم ہو کر برائی سے باز آ جائے اور معافی مانگ لے اس کے ساتھ وہ درگزر کا معاملہ کرنے والا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، حاشیہ: ۵)

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت کسی سے قصور سرزد ہو اسی وقت پکڑ کر اسے سزا دے ڈالے۔ یہ اس کی شان رحیمی کا تقاضا ہے کہ مجرموں کو پکڑنے میں وہ جلد بازی سے کام نہیں لیتا اور مدتوں ان کو سنبھلنے کا موقع دیتا رہتا ہے۔ مگر سخت نادان ہیں وہ لوگ جو اس ڈھیل کو غلط معنی میں لیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ خواہ کچھ ہی کرتے رہیں، ان سے کبھی باز پرس ہوگی ہی نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ: ۵۵)

قصور کرنے والا اگر توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لے اور برے عمل کے بجائے نیک عمل کرنے لگے تو اس کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھلا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، حاشیہ: ۱۵)

۵۹- الرَّؤُفُ : بڑی شفقت اور مہربانی فرمانے والا، خیر خواہ، نرم خو

سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

"اللہ تمہارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، یقین جانو کہ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔"

سورہ بقرہ آیت ۲۰۷ میں ہے:

وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

"اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔"

سورہ آل عمران آیت ۳۰ میں ارشاد ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

"اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔"

سورہ توبہ آیت ۱۱۷ میں ہے:

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''اللہ نے انھیں معاف کردیا، بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کا ہے۔''

سورہ نحل آیت ۷ میں ہے:

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''وہ تمہارے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔''

سورہ نحل آیت ۴۷ میں ہے:

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''یا ایسی حالت میں انھیں پکڑے جب کہ انھیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی نرم خو اور رحیم ہے۔''

سورہ حج آیت ۶۵ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا ہی شفیق اور رحیم ہے۔''

سورہ نور آیت ۲۰ میں ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق ورحیم ہے۔'' (تو یہ چیز جو ابھی تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج دکھا دیتی)۔

سورہ حدید آیت ۹ میں ارشاد ہے:

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

سورہ حشر آیت ۱۰ میں آیا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔''

یہ اس کی انتہائی خیر خواہی ہے کہ وہ تمھیں قبل از وقت ایسے اعمال پر متنبہ کر رہا ہے جو تمہارے انجام کی خرابی کے موجب ہو سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، اٰل عمران، حاشیہ: ۲۷)

۶۰-اَلشَّکُوْرُ: قدردان

سورہ فاطر آیت ۳۰ میں آیا ہے:

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ۔

''تاکہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔''

سورہ فاطر آیت ۳۴ میں ہے:

إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ۔

''یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔''

سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳ میں ہے:

وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ۔

''جو کوئی بھلائی کمائے گا ہم اس کے لیے اس بھلائی میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے۔ بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدردان ہے۔''

سورۃ التغابن آیت ۱۷ میں ہے:

وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ۔

''اللہ بڑا قدردان اور بردبار ہے۔''

مخلص اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس تنگ دل آقا کا سا نہیں ہے جو بات بات پر گرفت کرتا ہو اور ایک ذرا سی خطا پر اپنے ملازم کی ساری خدمتوں اور وفاداریوں پر پانی پھیر دیتا ہو۔ وہ فیاض اور کریم آقا ہے۔ جو بندہ اس کا وفادار ہو اس کی خطاؤں پر چشم پوشی سے کام لیتا ہے اور جو کچھ بھی خدمت اس سے بن آئی ہو اس کی قدر فرماتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، فاطر، حاشیہ: ۵۲)

جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والے مجرمین کے برعکس، نیکی کی کوشش کرنے والے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ (۱) جتنی کچھ اپنی طرف سے نیک بننے کی سعی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس سے زیادہ نیک بنا دیتا ہے۔ (۲) ان کے کام میں جو کوتاہیاں رہ جاتی ہیں، یا نیک بننے کی کوشش کے باوجود جو گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے چشم پوشی کرتا ہے، اور (۳) جو تھوڑی سی نیک عمل کی پونجی وہ لے کر آتے ہیں اللہ ان پر ان کی قدر افزائی کرتا ہے اور انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۴۲)

۶۱-اَلْبَصِیْرُ : سب کچھ دیکھنے والا

یہ اسم گرامی قرآن مجید کی بہت سی سورتوں میں آیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ آیات ۹۶، ۱۱۰، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۶۵۔ آل عمران آیات ۱۵، ۲۰، ۱۵۶، ۱۶۳۔ المائدہ آیت ۷۱۔ الانفال آیات ۳۹، ۷۲۔ المومن آیت ۱۱۲۔ بنی اسرائیل آیت ۱۔ الحج آیات ۶۱، ۷۵۔ لقمان آیت ۲۸۔ سبا آیت ۱۱۔ فاطر آیت ۳۱۔ المومن آیات ۲۰، ۴۴، ۵۶۔ حٰم السجدہ آیت ۴۰۔ الشوریٰ آیات ۱۱، ۲۷۔ الحجرات آیت ۱۸۔ الحدید آیت ۴۔ المجادلہ آیت ۱۔ الممتحنہ آیت ۳۔ التغابن آیت ۲۔ الملک آیت ۱۹۔

وہ بیک وقت ساری کائنات کو اس کی ایک ایک چیز اور ایک ایک واقعہ کی تفصیل کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور کسی چیز کے دیکھنے میں اس کی بینائی اس طرح مشغول نہیں ہوتی کہ اسے دیکھتے ہوئے وہ دوسری چیزیں نہ دیکھ سکے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ: ۴۹)

جو کچھ وہ کر رہا ہے دیکھ کر ہی کر رہا ہے۔ اس کی نگری اندھیر نگری نہیں ہے۔

سورہ فرقان آیت ۲۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا۔ ''تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔''
جس خلوص اور راست بازی کے ساتھ اس کٹھن خدمت کو تم انجام دے رہے ہو وہ بھی تمہارے رب کی نگاہ میں ہے۔ اور تمہاری مساعی خیر کا مقابلہ جن زیادتیوں اور بے ایمانیوں سے کیا جا رہا ہے وہ بھی اس سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا پورا اطمینان رکھو کہ نہ تم اپنی خدمات کی قدر سے محروم رہو گے اور نہ ہی وہ اپنی زیادتیوں کے وبال سے بچے رہ جائیں گے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۳۲)

جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی ہر شے کے لیے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لیے درکار ہیں، اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے کہ اس کی پیدا کردہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات بہم پہنچیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، حاشیہ: ۳۰)

سورۃ التغابن آیت ۲ میں ارشاد ربانی ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ ''اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔''

اس فقرے میں ''دیکھنے'' کا مطلب محض دیکھنا ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جیسے تمہارے اعمال ہیں ان کے مطابق تم کو جزا یا سزا دی جائے گی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی حاکم اگر کسی شخص کو اپنی ملازمت میں لے کر یہ کہے کہ ''میں دیکھتا ہوں تم کس طرح کام کرتے ہو'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹھیک طرح کام کرو گے تو تمہیں انعام اور ترقی سے نوازوں گا، ورنہ تم سے سخت مواخذہ کروں گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۶)

سورہ آل عمران آیت ۱۵ میں آیا ہے: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ م بِالْعِبَادِ۔ ''اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔''
اللہ غلط بخش نہیں ہے اور نہ سرسری اور سطحی طور پر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے اعمال و افعال اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں میں سے کون اس کے انعام کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۱، آل عمران، حاشیہ: ۱۲)

کیوں کہ بندوں کی فطرت اور اس کے تقاضوں سے وہی باخبر ہے اور ان کے حقیقی مصالح پر وہی نگاہ رکھتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ: ۵۴)

سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۴۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

''کرتے رہو جو کچھ تم چاہو، تمہاری ساری حرکتوں کو اللہ دیکھ رہا ہے۔''

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱ میں ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ۔

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

سورۃ الشوریٰ آیت ۲۷ میں ارشاد الٰہی ہے:

وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَلٰـكِنۡ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرٌۢ بَصِيۡرٌ۔

''اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔''

سورۃ الحجرات آیت ۱۸ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔

''اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔''

سورۃ الحدید آیت ۴ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔''

سورۃ المجادلۃ آیت ۱ میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَسۡمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ۔

''اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

سورۃ الممتحنۃ آیت ۳ میں ارشاد ربانی ہے:

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۛۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

''اس روز (قیامت کے روز) اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔''

سورۃ التغابن آیت ۲ میں ارشادباری تعالیٰ ہے:

فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

''پھرتم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔''

سورۃ الملک آیت ۱۹ میں ہے:

مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ ۢ بَصِيۡرٌ۔

''رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو انھیں تھامے ہوئے ہو۔ وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

(گم کردہ راہ لوگوں کے خودساختہ) معبودوں کی طرح وہ کوئی اندھا بہرہ خدا نہیں ہے جسے کچھ پتہ نہ ہو کہ جس آدمی کے معاملے کا وہ فیصلہ کررہا ہے اس کے کیا کرتوت تھے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ:۳۳)

۶۲-اَلۡمُتَعَالُ :ہرحال میں بالاتر رہنے والا

سورہ رعد آیت ۹ میں ارشادربانی ہے:

عَالِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ۔

''وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔''

۶۳-اَلۡمُقِيۡتُ :قدرت رکھنے والا، نگہبان، روزی دینے والا، گواہ

سورۃ النساء آیت ۸۵ میں ارشاد ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا۔

''اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔''

ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک جس جس قسم کی جتنی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا تھا، ہر ایک کی مانگ اور حاجت کے ٹھیک مطابق غذا کا پورا سامان حساب لگا کر اس نے زمین کے اندر رکھ دیا۔ نباتات کی بے شمار اقسام خشکی اور تری میں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی غذائی ضروریات دوسری اقسام سے مختلف ہیں۔ جاندار مخلوقات کی بے شمار انواع ہوا اور خشکی اور تری میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور ہر نوع ایک الگ قسم کی غذا مانگتی ہے۔ پھر ان سب سے جدا، ایک اور مخلوق انسان ہے جس کو محض جسم کی پرورش ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے بھی طرح طرح کی خوراکیں درکار ہیں۔ اللہ کے سوا کون جان سکتا تھا کہ اس کرۂ خاکی پر زندگی کا آغاز ہونے سے لے کر اس کے اختتام تک کس کس قسم کی مخلوقات کے افراد کہاں کہاں اور کب کب وجود میں آئیں گے اور ان کو پالنے کے لیے کیسی اور کتنی غذا درکار ہوگی۔ اپنی تخلیقی اسکیم میں جس طرح اس نے غذا طلب کرنے والی ان مخلوقات کو پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اسی طرح اس نے ان کی طلب کو پورا کرنے کے لیے خوراک کا بھی مکمل انتظام کردیا۔

موجودہ زمانے میں مارکسی تصوراشتراکیت کے ماننے والوں کا نظریہ ہے کہ اللہ نے زمین میں سب لوگوں کے لیے

برابر خوراک رکھی ہے لہٰذا ریاست کا ایک ایسا نظام درکار ہے جو سب کو غذا کا مساوی راشن دے، کیوں کہ انفرادی ملکیت کے نظام میں وہ مساوات قائم نہیں ہوسکتی ـــــ یہ حضرات یہ بات بھول جاتے ہیں کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ مختلف اقسام کی سب مخلوقات ہیں جنھیں زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا واقعی ان سب کے درمیان، یا ایک ایک قسم کی مخلوقات کے تمام افراد کے درمیان خدا نے سامان پرورش میں مساوات رکھی ہے؟ کیا فطرت کے اس پورے نظام میں کہیں آپ کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ اگر واقعہ یہ نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی دنیا میں، جہاں انسانی ریاست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ریاست براہ راست تقسیم رزق کا انتظام کر رہی ہے۔ اللہ میاں خود اپنے اس قرآنی قانون کی خلاف ورزی ـــــ بلکہ معاذ اللہ، بے انصافی ـــــ فرما رہے ہیں۔ پھر وہ یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ حیوانات بھی ہیں جنھیں انسان پالتا ہے اور جن کی خوراک کا انتظام انسان ہی کے ذمہ ہے۔ مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ وغیرہ۔ تو کیا وہ ریاست انسان اور ان حیوانات کے درمیان بھی معاشی مساوات قائم کرے گی؟

(تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ: ۱۲)

۶۴-اَلْمُسْتَعَانُ :فریادرس، جس سے مدد مانگی جائے، مدد کا سہارا

سورہ یوسف آیت ۱۸ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَاتَصِفُوْنَ۔

''جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔''

سورۃ الانبیاء آیت ۱۱۲ میں ارشاد ہے:

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔

''ان کے مقابلے میں ہمارا ربِّ رحمٰن ہی ہمارے لیے مدد کا سہارا ہے۔''

سورہ فاتحہ میں ارشاد ہے:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

یعنی تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب تو ہی ہے، اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں، اور ساری نعمتوں کا تو ہی اکیلا مالک ہے، اس لیے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں، تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے اور تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، الفاتحہ، حاشیہ: ۷)

۶۵-اَلْوَھَّابُ :اصل داتا، فیاض حقیقی

سورہ آل عمران آیت ۸ میں ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

''پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔''

سورہ ص آیت ۹ میں ارشاد ہے:

اَمۡ عِنۡدَ هُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ رَبِّكَ الۡعَزِيۡزِ الۡوَهَّابِ۔

''کیا تیرے داتا اور غالب پروردگار کی رحمت کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں۔''

سورہ ص آیت ۳۵ میں ہے:

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡلِىۡ وَهَبۡ لِىۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ۔

''اے میرے رب! مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو ہی اصل داتا ہے۔''

بندے کے لیے صحیح رویہ قصور کر کے اکڑنا نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ جس وقت بھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اسی وقت وہ عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے آگے جھک جائے۔ اس رویہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف ہی نہیں کرتا بلکہ زیادہ الطاف وعنایات سے نوازتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص، حاشیہ: ۳۶)

اللہ تعالیٰ کو بندے کی اکڑ جتنی مبغوض ہے، اس کی عاجزی کی ادا اتنی ہی محبوب ہے۔ بندہ اگر قصور کرے اور تنبیہ کرنے پر الٹا اور زیادہ اکڑ جائے تو انجام وہ ہوتا ہے (جو ابلیس کا ہوا) اس کے برعکس ذرا لغزش بھی اگر بندے سے ہو جائے اور وہ توبہ کر کے عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے سامنے جھک جائے تو اس پر وہ نوازشات فرمائی جاتی ہیں جو داؤد و سلیمان علیہما السلام پر فرمائی گئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے استغفار کے بعد جو دعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ بلفظ پورا کیا اور ان کو فی الواقع ایسی بادشاہی دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملی تھی، نہ ان کے بعد آج تک کسی کو عطا کی گئی۔ ہواؤں پر تصرف اور جنوں پر حکمرانی ایک ایسی غیر معمولی طاقت ہے جو انسانی تاریخ میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو بخشی گئی ہے، کوئی دوسرا اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص، حاشیہ: ۴۰)

اللہ کے نیک بندے جب مصائب وشدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے شکوہ سنج نہیں ہوتے بلکہ صبر کے ساتھ اس کی ڈالی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ کچھ مدت تک خدا سے دعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اس سے مایوس ہو کر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیں۔ بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا ہے اللہ ہی کے ہاں سے ملنا ہے۔ اس لیے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اسی کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان الطاف وعنایات سے سرفراز ہوتے ہیں جن کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص، حاشیہ: ۴۷)

۶۶-اَلْحَفِیُّ: بڑا ہی مہربان

سورہ مریم آیت ۴۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِيًّا۔

''ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے، میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔''

۶۷-اَلْوَارِثُ: حقیقی وارث

سورۃ الحجر آیت ۲۳ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ۔

''زندگی اور موت ہم دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔''

یعنی تمہارے بعد ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ تمہیں جو کچھ بھی ملا ہوا ہے محض عارضی استعمال کے لیے ملا ہوا ہے۔ آخر کار ہماری دی ہوئی ہر چیز کو یونہی چھوڑ کر تم خالی ہاتھ رخصت ہو جاؤ گے اور یہ سب چیزیں جوں کی توں ہمارے خزانے میں رہ جائیں گی۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الحجر، حاشیہ: ۱۵)

سورہ انبیاء آیت ۸۹ میں ارشاد ہوا ہے:

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔

''اور زکریا کو، جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ''اے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ، اور بہترین وارث تو تو ہی ہے۔''

یعنی تو اولاد نہ بھی دے تو غم نہیں، تیری ذات پاک وارث ہونے کے لیے کافی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، حاشیہ: ۸۶)

زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ دراصل اللہ کی ملک ہے اور اس پر مخلوق کا قبضہ وتصرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقبوضات سے بہرحال بے دخل ہونا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، آل عمران، حاشیہ: ۱۲۷)

یہ مال تمہارے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ایک دن تمہیں لازماً اسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اللہ ہی اس کا وارث ہونے والا ہے۔ پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں اسے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تاکہ اللہ کے ہاں اس کا اجر تمہارے لیے ثابت ہو جائے۔ نہ خرچ کرو گے تب بھی یہ اللہ ہی کے پاس واپس جا کر رہے گا، البتہ فرق یہ ہوگا کہ اس پر تم کسی اجر کے مستحق نہ ہوگے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تم کو کسی فقر اور تنگ دستی کا اندیشہ لاحق نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ جس خدا کی خاطر تم اسے خرچ کرو گے وہ زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے، اس کے پاس تمہیں دینے کو بس اتنا ہی کچھ نہ تھا جو اس نے آج تمہیں دے رکھا ہے، بلکہ کل وہ تمہیں اس سے زیادہ دے سکتا ہے۔ (جیسا کہ سورہ سبا آیت ۳۹ میں ارشاد ہے):

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ لَہٗ، وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَھُوَ یُخۡلِفُہٗ وَھُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ۔ (سبا: ۳۹)

''اے نبیؐ! ان سے کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی مزید رزق تمہیں دیتا ہے اور وہ بہترین رزّاق ہے۔''

سورۃ القصص آیت ۵ میں ہے:

وَنَجۡعَلَھُمۡ اَئِمَّۃً وَّنَجۡعَلَھُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ۔

''اور انھیں پیشوا بنادیں اور انھیں کو وارث بنائیں۔''

سورۃ القصص آیت ۵۸ میں ہے:

وَکُنَّا نَحۡنُ الۡوٰرِثِیۡنَ۔

''آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے۔''

سورہ مریم آیت ۴۰ میں ارشاد ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَیۡھَا وَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ۔

''آخر کار ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔''

بڑی سے بڑی دولت بھی جو دنیا میں کسی شخص کو ملی ہے، ایک تھوڑی سی مدت ہی کے لیے ملی ہے۔ چند سال وہ اس کو برت لیتا ہے اور پھر سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دولت بھی چاہے بہی کھاتوں میں کتنی ہی بڑی ہو، عملاً اس کا ایک قلیل سا حصہ ہی آدمی کے اپنے استعمال میں آتا ہے۔ اس مال پر اترانا کسی ایسے انسان کا کام نہیں ہے جو اپنی اور اس مال و دولت کی اور خود اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۵۵)

۶۸-اَلۡوَلِیُّ: حامی، ساتھی، دوست، سرپرست

ولی سے مراد وہ ہستی ہے جو اپنی پیدا کردہ ساری مخلوق کے معاملات کی متولی ہے، جس نے بندوں کی حاجات و ضروریات پوری کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۴۹)

ولایت کوئی من سمجھوتے کی چیز نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں اپنا ولی بنا بیٹھیں اور وہ حقیقت میں بھی آپ کا سچا اور اصلی ولی بن جائے اور ولایت کا حق ادا کر دے۔ یہ تو ایک امر واقعی ہے جو لوگوں کی خواہشات کے ساتھ بنتا اور بدلتا نہیں چلا جاتا، بلکہ جو حقیقت میں ولی ہے وہی ولی ہے، خواہ آپ اسے ولی نہ سمجھیں اور نہ مانیں، اور جو حقیقت میں ولی نہیں ہے وہ ولی نہیں ہے، خواہ آپ مرتے دم تک اسے ولی سمجھتے اور مانتے چلے جائیں۔ اب رہا یہ سوال کہ صرف اللہ ہی کے ولی حقیقی ہونے اور دوسرے کسی کے نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا حقیقی ولی وہی ہو سکتا ہے جو موت کو حیات میں تبدیل کرتا ہے، جس نے بے جان مادوں میں جان ڈال کر جیتا جاگتا انسان پیدا کیا ہے، اور جو حق ولایت ادا کرنے کی

قدرت اور اختیارات بھی رکھتا ہے۔ وہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہو تو اسے ولی بناؤ، اور اگر وہ صرف اللہ ہی ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنا لینا جہالت وحماقت اور خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۱۲)

سورہ عنکبوت آیت ۲۲ میں ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔

''اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔''

یعنی نہ تمہارا اپنا زور اتنا ہے کہ خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ، اور نہ تمہارا کوئی ولی وسرپرست یا مددگار ایسا زورآور ہے کہ خدا کے مقابلے میں تمہیں پناہ دے سکے اور اس کے مواخذہ سے تمہیں بچالے۔ ساری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کیا ہے، جنھوں نے احکام خداوندی کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے، جنھوں نے جرأت و جسارت کے ساتھ خدا کی نافرمانیاں کی ہیں اور اس کی زمین میں ظلم وفساد کے طوفان اٹھائے ہیں، ان کا حمایتی بن کر اٹھ سکے اور خدا کے فیصلۂ عذاب کو ان پر نافذ ہونے سے روک سکے، یا خدا کی عدالت میں یہ کہنے کی ہمت کر سکے کہ یہ میرے ہیں اس لیے جو کچھ بھی انھوں نے کیا ہے اسے معاف کر دیا جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، حاشیہ: ۳۵)

جو ظالم اللہ ہی سے منہ موڑ لے اور اس کے بجائے دوسروں کو اپنا ولی بنا بیٹھے، اللہ کو کچھ ضرورت نہیں پڑی ہے کہ خواہ مخواہ زبردستی اس کا ولی بنے، اور دوسرے جن کو وہ ولی بناتا ہے، سرے سے کوئی علم، کوئی طاقت اور کسی قسم کے اختیارات ہی نہیں رکھتے کہ اس کی ولایت کا حق ادا کر کے اسے کامیاب کرا دیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۱۱)

یہ اللہ تعالیٰ کے مالک کائنات اور ولی حقیقی ہونے کا فطری اور منطقی تقاضا ہے (کہ) جب بادشاہی اور ولایت اسی کی ہے تو لامحالہ پھر حاکم بھی وہی ہے اور انسانوں کے باہمی تنازعات اور اختلافات کا فیصلہ کرنا بھی اسی کا کام ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ حاشیہ: ۱۴)

(ولی بمعنی سنبھالنے والا) سورہ شوریٰ آیت ۴۴ میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ۔

''جس کو اللہ ہی گمراہی میں پھینک دے اس کا کوئی سنبھالنے والا اللہ کے بعد نہیں ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن جیسی بہترین کتاب ان لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی جو نہایت معقول اور نہایت مؤثر ودل نشین طریقہ سے ان کو حقیقت کا علم دے رہی ہے اور زندگی کا صحیح راستہ بتا رہی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ جیسا نبی ان کی رہنمائی کے لیے بھیجا جن سے بہتر سیرت وکردار کا آدمی کبھی ان کی نگاہوں نے نہ دیکھا تھا۔ اور اس کتاب اور اس رسول کی تعلیم وتربیت کے نتائج بھی اللہ نے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں انھیں آنکھوں سے دکھا دیے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہدایت سے منہ موڑتا ہے تو اللہ پھر اسی گمراہی میں اسے پھینک دیتا ہے جس سے نکلنے کا وہ خواہش مند نہیں ہے اور جب اللہ ہی نے اسے اپنے دروازے سے دھتکار دیا تو اب کون یہ ذمہ لے سکتا ہے کہ اسے راہ راست پر لے آئے گا۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۶۹)

(ولی بمعنی ساتھی) سورہ جاثیہ آیت ۱۹ میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ۔

''ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔''

قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ''ولی'' کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:

۱- جس کے کہنے پر آدمی چلے، جس کی ہدایات پر عمل کرے اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے۔ (النساء: ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ الاعراف: ۳، ۲۷ تا ۳۰)

۲- جس کی رہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷۔ بنی اسرائیل: ۹۷۔ الکہف: ۱۷، ۵۰۔ الجاثیہ: ۱۹)

۳- جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اس کے برے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اس کے عذاب سے بچالے گا۔

(النساء: ۱۲۳، ۱۷۳۔ الانعام ۵۱۔ الرعد: ۳۷۔ العنکبوت: ۲۲۔ الاحزاب: ۶۵۔ الزمر: ۳)

۴- جس شخص کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے۔ آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے۔ اولاد دیتا ہے، مرادیں برلاتا ہے اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (ہود: ۲۰۔ الرعد: ۱۶۔ العنکبوت: ۴۱)

بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اس کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۶)

انسان کا اور ساری مخلوقات کا ولی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے، دوسرے نہ حقیقت میں ولی ہیں، نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ ولایت کا حق ادا کرسکیں، انسان کی کامیابی کا مدار اسی پر ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے اختیار سے ولی کا انتخاب کرنے میں غلطی نہ کرے اور اسی کو اپنا ولی بنائے جو درحقیقت ولی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الشوریٰ: دیباچہ)

۶۹-اَلۡقَادِرُ: پوری قدرت رکھنے والا

سورۃ الانعام آیت ۳۷ میں ارشاد ربانی ہے:

قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً۔

''کہو! اللہ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھائے جانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم اس کو دکھانے سے عاجز ہیں، بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جسے یہ لوگ محض اپنی نادانی سے نہیں سمجھتے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۲۶)

دوسرے مقام پر الانعام کی آیت ۶۵ میں ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔

''کہو! وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھوادے۔''

جو لوگ عذاب الٰہی کو اپنے سے دور پاکر حق دشمنی میں جرأت پر جرأت (دکھاتے ہیں) انھیں متنبہ کیا جارہا ہے کہ اللہ کے عذاب کو آتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ہوا کا ایک طوفان تمہیں اچانک برباد کرسکتا ہے۔ زلزلے کا ایک جھٹکا تمہاری بستیوں کو پیوند خاک کردینے کے لیے کافی ہے۔ قبیلوں اور قوموں اور ملکوں کی عداوتوں کے میگزین میں ایک چنگاری وہ تباہی پھیلا سکتی ہے کہ سالہا سال تک خونریزی و بدامنی سے نجات نہ ملے۔ پس اگر عذاب نہیں آرہا ہے تو یہ تمہارے لیے غفلت و مدہوشی کی پینک نہ بن جائے کہ مطمئن ہوکر صحیح و غلط کا امتیاز کیے بغیر اندھوں کی طرح زندگی کے راستے پر چلتے رہو۔ غنیمت سمجھو کہ اللہ تمہیں مہلت دے رہا ہے اور وہ نشانیاں تمہارے سامنے پیش کررہا ہے جن سے تم حق کو پہچان کر صحیح راستہ اختیار کرسکو۔
(تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ:۴۲)

سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۹ میں ارشاد ربانی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔

''کیا ان کو یہ نہ سوجھا کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا وہ ان جیسوں کو پیدا کرنے کی ضرور قدرت رکھتا ہے۔''

سورہ یٰسٓ آیت ۸۱ میں ارشاد ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔

''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرسکے۔''

سورہ احقاف آیت ۳۳ میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى۔

''اور کیا ان لوگوں کو یہ سجھائی نہیں دیتا کہ جس خدا نے یہ زمین اور آسمان پیدا کیے ہیں اور ان کے بناتے ہوئے جو نہ تھکا، وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے۔''

سورہ قیامہ آیت ۴۰ میں ارشاد ہے:

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى۔

''کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کردے؟''

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی نطفے سے تخلیق کا آغاز کرکے پورا انسان بنادینے تک کا

سارا فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے۔ان کے لیے تو فی الحقیقت اس دلیل کا کوئی جواب ہے ہی نہیں، کیوں کہ وہ خواہ کتنی ہی ڈھٹائی برتیں، ان کی عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتی کہ جو خدا اس طرح انسان کو دنیا میں پیدا کرتا ہے وہ دوبارہ بھی اسی انسان کو وجود میں لے آنے پر قادر ہے۔رہے وہ لوگ جو اس صریح حکیمانہ فعل کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، وہ اگر ہٹ دھرمی پر تلے ہوئے نہیں ہیں تو آخر ان کے پاس اس بات کی کیا توجیہ ہے کہ آغاز آفرینش سے آج تک دنیا کے ہر حصے اور ہر قوم میں کس طرح ایک ہی نوعیت کے تخلیقی فعل کے نتیجے میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش مسلسل اسی تناسب سے ہوتی چلی جارہی ہے کہ کہیں کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسانی آبادی میں صرف لڑکے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی چلی جائیں اور آئندہ اس کی نسل چلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے؟ کیا یہ بھی اتفاقاً ہی ہوئے چلا جارہا ہے؟ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے آدمی کو کم از کم اتنا بے شرم ہونا چاہیے کہ وہ اٹھ کر بے تکلف یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ لندن اور نیویارک، ماسکو اور پیکنگ اتفاقاً آپ سے آپ بن گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، القیامہ: حاشیہ: ۲۵)

سورہ طارق آیت ۸ میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ۔

”یقیناً وہ (خالق) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔“

جس طرح وہ انسان کو وجود میں لاتا ہے اور استقرارِ حمل کے وقت سے مرتے دم تک اس کی نگہبانی کرتا ہے، یہی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹا کر پھر وجود میں لاسکتا ہے۔اگر وہ پہلی چیز پر قادر تھا اور اسی قدرت کی بدولت انسان دنیا میں زندہ موجود ہے، تو آخر کیا معقول دلیل یہ گمان کرنے کے لیے پیش کی جاسکتی ہے کہ دوسری چیز پر وہ قادر نہیں ہے۔اس قدرت کا انکار کرنے کے لیے آدمی کو سرے سے اس بات ہی کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے، اور جو شخص اس کا انکار کرے اس سے کچھ بعید نہیں کہ ایک روز اس کے دماغ کی خرابی اس سے یہ دعویٰ بھی کرادے کہ دنیا کی تمام کتابیں ایک حادثے کے طور پر چھپ گئی ہیں، دنیا کے تمام شہر ایک حادثہ کے طور پر بن گئے ہیں، اور زمین پر کوئی اتفاقی حادثہ ایسا ہوگیا تھا جس سے تمام کارخانے بن کر خود بخود چلنے لگے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے باقی رہنا ان تمام کاموں سے بدرجہا زیادہ پیچیدہ عمل ہے جو انسان کے ہاتھوں دنیا میں ہوئے اور ہورہے ہیں۔اتنا بڑا پیچیدہ عمل اس حکمت اور تناسب اور تنظیم کے ساتھ اگر اتفاقی حادثہ کے طور پر ہوسکتا ہو تو پھر کون سی چیز ہے جسے ایک دماغی مریض حادثہ نہ کہہ سکے؟

(تفہیم القرآن، ج ۶، الطارق، حاشیہ: ۴)

۷۰-اَلۡغَالِبُ: غلبہ پانے والا

سورہ یوسف آیت ۲۱ میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔

”اللہ اپنا کام کرکے رہتا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

زمین پر ہر طرف ایک غالب طاقت کی کارفرمائی کے یہ آثار نظر آتے ہیں کہ اچانک کبھی قحط کی شکل میں، کبھی وبا کی شکل میں، کبھی سیلاب کی شکل میں، کبھی زلزلے کی شکل میں، کبھی سردی یا گرمی کی شکل میں، اور کبھی کسی اور شکل میں کوئی بلا ایسی آجاتی ہے جو انسان کے سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے، ہزاروں لاکھوں آدمی مرجاتے ہیں۔ بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں، لہلہاتی کھیتیاں غارت ہوجاتی ہیں، پیداوار گھٹ جاتی ہے۔ تجارتوں میں کساد بازاری آنے لگتی ہے۔ غرض انسان کے وسائل زندگی میں کبھی کسی طرف سے کمی واقع ہوجاتی ہے اور کبھی کسی طرف سے۔ اور انسان اپنا سارا زور لگا کر بھی ان نقصانات کو نہیں روک سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الانبیاء، حاشیہ:۴۵)

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالکل بخیرت ہی نہیں رکھا ہے کہ پورے آرام وسکون سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے کہ اس سے بالاتر کوئی طاقت نہیں ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد پر بھی اور قوموں اور ملکوں پر بھی ایسی آفات بھیجتا رہتا ہے جو اسے اپنی بے بسی کا اور اپنے سے بالاتر ایک ہمہ گیر سلطنت کی فرماں روائی کا احساس دلاتی ہیں۔ یہ آفات ایک ایک شخص کو، ایک ایک گروہ کو اور ایک ایک قوم کو یہ یاد دلاتی ہیں کہ اوپر تمہاری قسمتوں کو کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ سب کچھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے دیا گیا ہے۔ اصل طاقت اسی کارفرما اقتدار کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی طرف سے جب کوئی آفت تمہارے اوپر آئے تو نہ تمہاری کوئی تدبیر اسے دفع کر سکتی ہے، اور نہ کسی جن، یا روح یا دیوی اور دیوتا، یا نبی اور ولی سے مدد مانگ کر تم اس کو روک سکتے ہو۔
(تفہیم القرآن، ج۴، السجدہ، حاشیہ:۳۳)

جب کہ ان کے تمام وسائل زندگی ہمارے ہاتھ میں ہیں، جس چیز کو چاہیں گھٹا دیں اور جسے چاہیں روک لیں، تو کیا یہ اتنا بل بوتا رکھتے ہیں کہ ہمارے مقابلے میں غالب آجائیں اور ہماری پکڑ سے بچ نکلیں؟ کیا یہ آثار ان کو یہی اطمینان دلا رہے ہیں کہ تمہاری طاقت لازوال اور تمہارا عیش غیر فانی ہے اور کوئی تمہیں پکڑنے والا نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۳، الانبیاء، حاشیہ:۴۶)

جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں انسان کو خدا بھولا اور دنیا کی زندگی پر پھولا رہتا ہے۔ جہاں اسباب نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سہارے جن کے بل پر وہ جی رہا تھا ٹوٹ گئے، پھر کٹے سے کٹے مشرک اور سخت سے سخت دہریے کے قلب سے بھی یہ شہادت ابلنی شروع ہوجاتی ہے کہ اس سارے عالم اسباب پر کوئی خدا کارفرما ہے اور وہ ایک ہی خدائے غالب وتوانا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۳۱)

۷۱- اَلْقَاهِرُ : کامل اختیارات رکھنے والا، پوری قدرت رکھنے والا

سورۃ الانعام آیت ۱۸ میں ارشاد ربانی ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ۔

''وہ اپنے بندوں پر کامل اختیار رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔''

اسی طرح آیت ۶۱ میں بھی ارشاد ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً۔

’’اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے۔‘‘

یہ حقیقت ہے کہ تنہا اللہ ہی قادر مطلق ہے، اور وہی تمام اختیارات کا مالک اور تمہاری بھلائی اور برائی کا مختار کل ہے، اور اسی کے ہاتھ میں تمہاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے، اس کی شہادت تو تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے۔ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے سر رشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اسی کی طرف رجوع کرتے ہو۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۴۱)

۷۲- اَلْبَرُّ: بڑا ہی محسن

سورہ طور آیت ۲۸ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ۔

’’وہ واقعی بڑا ہی محسن اور رحیم ہے۔‘‘

سورہ ابراہیم ۳۲ تا ۳۴ میں ارشاد ہے:

’’اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔‘‘

یعنی تمہاری فطرت کی ہر مانگ پوری کی، تمہاری زندگی کے لیے جو جو کچھ مطلوب تھا مہیا کیا، تمہارے بقا اور ارتقا کے لیے جن جن وسائل کی ضرورت تھی سب فراہم کر دیے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، حاشیہ: ۴۵)

سورۃ النحل آیات ۴ تا ۱۶ میں ارشاد ہے: اس نے انسان کو ایک ذراسی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔ اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جان فشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے، جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔ اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، ان میں بھی ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو۔تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

(سورۃ النحل آیات ۷۸ تا ۸۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے) اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔اس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔ اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کیے جنھیں تم سفر اور قیام، دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔اس نے جانوروں کے صوف اور اُون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں۔اس نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔

بندہ جو اپنے رب کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہے اپنے نزدیک یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نعمتیں کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ اسے مل گئی ہیں، یا یہ کہ یہ نعمتیں خدا کا عطیہ نہیں بلکہ اس کی اپنی قابلیت یا خوش نصیبی کا ثمرہ ہیں، یا یہ کہ یہ ہیں تو خدا کا عطیہ مگر اس خدا کا اپنے بندے پر کوئی حق نہیں ہے، یا یہ کہ خدا نے خود یہ مہربانیاں اس پر نہیں کی ہیں بلکہ یہ کسی دوسری ہستی نے اس سے کروادی ہیں۔یہی وہ غلط تصورات ہیں جن کی بنا پر آدمی خدا سے بے نیاز اور اس کی اطاعت و بندگی سے آزاد ہو کر دنیا میں وہ افعال کرتا ہے جن سے خدا نے منع کیا ہے اور وہ افعال نہیں کرتا جن کا اس نے حکم دیا ہے۔اس لحاظ سے ہر جرم اور ہر گناہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی تکذیب ہے قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص زبان سے ان کا انکار کرتا ہو یا اقرار۔مگر جو شخص فی الواقع تکذیب کا ارادہ نہیں رکھتا، بلکہ اس کے ذہن کی گہرائیوں میں تصدیق موجود ہوتی ہے، وہ احیاناً کسی بشری کمزوری سے کوئی قصور کر بیٹھے تو اس پر استغفار کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔یہ چیز اسے مکذبین میں شامل ہونے سے بچالیتی ہے۔اس کے سوا باقی تمام مجرم درحقیقت اللہ کی نعمتوں کے مکذب اور اس کے احسانات کے منکر

ہیں۔سورۃ الرحمٰن آیت ۳۹ میں ہے کہ جب تم لوگ مجرم کی حیثیت سے گرفتار ہو جاؤ گے اس وقت ہم دیکھیں گے کہ تم ہمارے کس کس احسان کا انکار کرتے ہو۔ سورہ تکاثر میں یہی بات اس طرح فرمائی گئی ہے کہ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ اس روز ضرور تم سے ان نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو تمہیں دی گئی تھیں۔یعنی پوچھا جائے گا کہ یہ نعمتیں ہم نے تمہیں دی تھیں یا نہیں؟ اور انھیں پاکر تم نے اپنے محسن کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا؟ اور اس کی نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا؟

(تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۳۷)

ساری نعمتیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ساری مخلوقات کا حقیقی محسن اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔دوسری کسی ہستی کے کسی احسان کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں تو اس بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی نعمت اس کے ہاتھوں ہم تک پہنچائی، ورنہ وہ خود نہ اس نعمت کا خالق ہے، نہ اس کی توفیق کے بغیر وہ اس نعمت کو ہم تک پہنچا سکتا تھا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، التغابن، حاشیہ: ۳)

۳۷-اَلْحَافِظُ : نگہبان

سورۃ الطارق کی آیت ۴ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔

''کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو۔''

نگہبان سے مراد خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی دیکھ بھال اور حفاظت کر رہی ہے، جس کے وجود میں لانے سے ہر شے وجود میں آتی ہے، جس کے باقی رکھنے سے ہر شے باقی ہے، جس کے سنبھالنے سے ہر شے اپنی جگہ سنبھلی ہوئی ہے، اور جس نے ہر چیز کو اس کی ضروریات بہم پہنچانے اور اسے ایک مدت مقررہ تک آفات سے بچانے کا ذمہ لے رکھا ہے۔

رات کو آسمان میں یہ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا وجود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ کوئی ہے جس نے اسے بنایا ہے، روشن کیا ہے، فضا میں معلق رکھ چھوڑا ہے، اور اس طرح اس کی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ نہ وہ اپنے مقام سے گرتا ہے، نہ بے شمار تاروں کی گردش کے دوران میں وہ کسی سے ٹکراتا ہے اور نہ کوئی دوسرا تارا اس سے ٹکراتا ہے۔

انسان خود ذرا اپنی ہستی ہی پر غور کرلے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟ کون ہے جو باپ کے جسم سے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومے اور ماں کے اندر سے نکلنے والے بکثرت بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب کر کے دونوں کو کسی وقت جوڑ دیتا ہے اور اس سے ایک خاص انسان کا استقرار حمل واقع ہو جاتا ہے؟ پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد سے ماں کے پیٹ میں درجہ بدرجہ اسے نشوونما دے کر اسے ایک حد کو پہنچاتا ہے کہ وہ ایک زندہ بچے کی شکل میں پیدا ہو؟ پھر کون ہے جو رحم مادر ہی میں اس کے جسم کی ساخت اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کا تناسب قائم کرتا ہے؟ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت تک اس کی مسلسل نگہبانی کرتا رہتا ہے؟ اسے بیماریوں سے بچاتا ہے، حادثات سے بچاتا ہے۔طرح طرح کی آفات سے بچاتا ہے۔اس کے لیے زندگی کے اتنے ذرائع بہم پہنچاتا ہے جن کا شمار

نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے لیے ہر قدم پر دنیا میں باقی رہنے کے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن میں سے اکثر کا اسے شعور تک نہیں ہوتا کجا وہ انھیں خود فراہم کرنے پر قادر ہو۔ کیا یہ سب کچھ ایک خدا کی تدبیر اور نگہبانی کے بغیر ہو رہا ہے؟
(تفہیم القرآن، ج۶، الطارق، حاشیہ:۱-۲)

قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر:۹)

''رہا یہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔''

کفار سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''یہ ذکر'' جس کے لانے والے کو تم مجنوں کہہ رہے ہو، ہمارا نازل کیا ہوا ہے، اس نے خود نہیں گھڑا ہے۔ یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ تم اس ''ذکر'' کا کچھ بگاڑ سکو گے۔ یہ براہ راست ہماری حفاظت میں ہے۔ نہ تمہارے مٹائے مٹ سکے گا، نہ تمہارے دبائے دب سکے گا، نہ تمہارے طعنوں اور اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمہارے روکے اس کی دعوت رک سکے گی، نہ اس میں تحریف اور ردوبدل کرنے کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔ (تفہیم القرآن، ج۲، الحجر، حاشیہ:۶)

۴۷- اَلۡاَحَدُ : یکتا و یگانہ

سورۃ الاخلاص آیت:۱ میں ارشاد ہے: قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ ''کہو، وہ اللہ ہے یکتا۔''

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ اَحَد جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں اس لفظ کا غیر معمولی استعمال ہے، معمولاً یہ لفظ یا تو مضاف یا مضاف الیہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جیسے یَوۡمُ الۡاَحَدِ ہفتے کا دن، اور فَابۡعَثُوۡا اَحَدَكُمۡ، ''اپنے کسی آدمی کو بھیجو۔'' یا نفی عام کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے مَاجَآءَ نِیۡ اَحَدٌ، ''میرے پاس کوئی نہیں آیا۔'' یا عمومیت کا پہلو لیے ہوئے سوالیہ فقرہ میں بولا جاتا ہے، هَلۡ عِنۡدَكَ اَحَدٌ؟ ''کیا تمہارے پاس کوئی ہے؟'' یا اسی عمومیت کے پہلو سے شرطیہ جملہ میں بولا جاتا ہے، جیسے اِنۡ جَآءَكَ اَحَدٌ، ''اگر تمہارے پاس کوئی آئے۔'' یا گنتی میں بولا جاتا ہے، جیسے اَحَدٌ، اِثۡنَان ، اَحَدَ عَشَرَ ایک، دو، گیارہ۔ ان استعمالات کے سوا نزول قرآن سے پہلے کی عربی زبان میں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محض لفظ اَحَدُ وصف کے طور پر کسی شخص یا چیز کے لیے بولا گیا ہو، اور نزول قرآن کے بعد یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، دوسرے کسی کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ اس غیر معمولی طرزِ بیان سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے کہ یکتا و یگانہ ہونا اللہ کی خاص صفت ہے، موجودات میں سے کوئی دوسرا اس صفت سے متصف نہیں ہے۔ وہ ایک ہے، کوئی اس کا ثانی نہیں۔

مشرکین اور اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے رب کے بارے میں جو سوالات کیے تھے ان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دیکھیے کہ هُوَ اللّٰهُ کہنے کے بعد اَحَدٌ کہہ کر ان کا جواب کس طرح دیا گیا ہے: اوّلاً، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی اکیلا رب ہے، کسی دوسرے کا ربوبیت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور چونکہ الٰہ (معبود) وہی ہوسکتا ہے جو رب (مالک و پروردگار) ہو، اس لیے الوہیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔

ثانیاً: اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہی تنہا کائنات کا خالق ہے، تخلیق کے اس کام میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہے۔ وہی اکیلا مالک الملک ہے، نظامِ عالم کا مدبر و منتظم ہے، اپنی مخلوقات کا رزق رساں ہے، اور آڑے وقت میں مدد کرنے والا فریادرس ہے۔ خدائی کے ان کاموں میں، جن کو تم خود مانتے ہو، کہ یہ اللہ کے کام ہیں، کسی دوسرے کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔

ثالثاً، چونکہ انھوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ اس کا نسب کیا ہے؟ وہ کس جنس سے ہے؟ کس سے اس نے دنیا کی میراث پائی ہے؟ اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا؟ اس لیے ان کے ان سارے سوالات کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ایک لفظ اَحَد بول کر دے دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ:

۱- وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا، نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا۔

۲- خداؤں کی کوئی جنس نہیں ہے جس کا وہ فرد ہو، بلکہ وہ اکیلا خدا ہے اور کوئی اس کا ہم جنس نہیں۔

۳- اس کی ذات محض واحد نہیں بلکہ اَحَد ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ اجزاء سے مرکب وجود نہیں ہے جو قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو، جو کوئی شکل اور صورت رکھتا ہو، جو کسی جگہ میں رہتا ہو یا کوئی چیز اس کے اندر جگہ پاتی ہو، جس کا کوئی رنگ ہو، جس کے کچھ اعضاء ہوں، جس کی سمت اور جہت ہو، اور جس کے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوتا ہو، تمام اقسام کی کثرتوں سے بالکل پاک اور منزہ وہ ایک ہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے اَحَد ہے۔

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ عربی زبان میں واحد کا لفظ بالکل اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ہم اردو میں ''ایک'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بڑی سے بڑی کثرتوں پر مشتمل کسی مجموعہ کو بھی اس کے مجموعی حیثیت کے لحاظ سے واحد یا ایک کہا جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی، ایک قوم، ایک ملک، ایک دنیا، حتیٰ کہ ایک کائنات۔ اور کسی مجموعہ کے ہر جز کو الگ الگ بھی ایک ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن اَحَد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الٰہ واحد، ایک ہی معبود، یَا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ، اکیلا اللہ جو سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا ہے کہا گیا ہے، محض واحد کہیں نہیں کہا گیا، کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں۔ بخلاف اس کے اللہ کے لیے اور صرف اللہ کے لیے اَحَد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے، جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الاخلاص، حاشیہ: ۳)

۷۵- اَلصَّمَدُ: سب سے بے نیاز

سورہ اخلاص آیت ۲ میں ارشاد ہے: اَللّٰہُ الصَّمَدُ جس کا مادہ (ص م د) ہے۔ عربی زبان میں اس مادے سے جو الفاظ نکلے ہیں ان پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے معانی کی وسعت کس قدر ہے۔

اَلصَّمَدُ: قصد کرنا، بلند مقام جو بڑی ضخامت رکھتا ہو، سطح مرتفع، وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو۔

الصَّمَدُ : ہر چیز کا بلند حصہ، وہ شخص جس سے بالاتر کوئی دوسرا شخص نہ ہو، وہ سردار جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور اس کے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کیا جاتا ہو، وہ سردار جس کی طرف حاجت مند لوگ رجوع کرتے ہوں۔ دائم، بلند مرتبہ ٹھوس جس میں کوئی خول یا جھول نہ ہو اور جس سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو نہ اس میں داخل ہوسکتی ہو، وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو۔

اَلْمُصْمَدُ: ٹھوس چیز جس کا کوئی جوف نہ ہو۔

اَلْمَصْمُوْدُ: مقصود جس کی طرف جانے کا قصد کیا جائے۔ سخت چیز جس میں کوئی کمزوری نہ ہو۔

بَیْتٌ مُصَمَّدٌ: وہ گھر جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو۔

بِنَآءٌ مُصْمَدٌ : بلند عمارت۔

صَمَدَہٗ و صَمَدَ اِلَیْہِ صَمْدًا: اس شخص کی طرف جانے کا قصد کیا۔

اَصْمَدَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ: اس کے سپرد معاملہ کر دیا، اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا۔ اس کے اوپر معاملہ میں اعتماد کیا۔

(صحاح، قاموس، لسان العرب)

ان لغوی معنوں کی بنا پر آیت اَللّٰہُ الصَّمَدُ میں لفظ الصَّمَدَ کی جو تفسیریں صحابہ و تابعین اور بعد کے اہل علم سے منقول ہیں انھیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ، عکرمہ اور کعب احبار: ''صَمَدُ، وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباس، اور ابو وائل شقیق بن سلمہ: ''وہ سردار جس کی سیادت کامل ہو اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔''

ابن عباسؓ کا دوسرا قول: ''صمد وہ ہے جس کی طرف لوگ کسی بلا یا مصیبت کے نازل ہونے پر مدد کے لیے رجوع کریں۔''

ان کا ایک اور قول: ''وہ سردار جو اپنی سیادت میں، اپنے شرف میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم اور بردباری میں، اپنے علم میں اور اپنی حکمت میں کامل ہو۔''

حضرت ابوہریرہؓ: ''وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔''

عکرمہ کے دوسرے اقوال: ''وہ جس میں سے نہ کوئی چیز کبھی نکلی ہو نہ نکلتی ہو۔'' ''جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو۔'' اسی کے ہم معنی اقوال شعبی اور محمد بن کعب القرظی سے بھی منقول ہیں۔

سدّی: ''مطلوب چیزیں حاصل کرنے کے لیے لوگ جس کا قصد کریں اور مصائب میں مدد کے لیے جس کی طرف رجوع کریں۔''

سعید بن جبیر: ''وہ جو اپنی تمام صفات اور اعمال میں کامل ہو۔''

ربیع بن انس: ''وہ جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو۔''

مقاتل بن حیان: ''وہ جو بے عیب ہو۔''

ابن کیسان: ”وہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو۔“

حسن بصری اور قتادہ: ”جو باقی رہنے والا اور لازوال ہو۔“ اسی سے ملتے جلتے اقوال مجاہد اور معمر اور مرۃ الہمدانی سے بھی منقول ہیں۔

مرۃ الہمدانی کا ایک اور قول یہ ہے کہ ”وہ جو اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے اور جو کام چاہے کرے۔ اس کے حکم اور فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔“

ابراہیم نخعی: ”وہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں کے لیے رجوع کریں۔“

ابوبکر الانباری: اہل لغت کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صَمَد اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی اور سردار نہ ہو، اور جس کی طرف لوگ اپنی حاجات اور اپنے معاملات میں رجوع کریں۔“

اسی کے قریب الزجاج کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”صمد وہ ہے جس پر سرداری ختم ہوگئی ہو اور ہر ایک اپنی حاجات کے لیے جس کی طرف رجوع کرے۔“

لفظ اَحَدٌ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، کسی اور کے لیے سرے سے مستعمل ہی نہیں ہے، اس لیے اسے اَحَدٌ یعنی نکرہ کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن صَمَد کا لفظ چونکہ مخلوقات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے اَللّٰہُ صَمَدٌ کہنے کے بجائے اَللّٰہُ الصَّمَدُ کہا گیا ہے۔ معنی یہ ہیں اصلی اور حقیقی صَمَد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مخلوق اگر کسی حیثیت سے صَمَد ہو بھی تو کسی دوسرے حیثیت سے وہ صَمَد نہیں ہے، کیونکہ وہ فانی ہے، لازوال نہیں ہے، قابل تجزیہ و تقسیم ہے، مرکب ہے، کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں، بعض مخلوقات اس کی محتاج ہیں تو بعض کا وہ خود محتاج ہے، اس کی سیادت اضافی ہے نہ کہ مطلق، کسی کے مقابلے میں وہ برتر ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی اور برتر ہے، بعض مخلوقات کی بعض حاجات کو وہ پورا کرسکتا ہے مگر سب کی تمام حاجات کو پورا کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کی صمدیت ہر حیثیت سے کامل ہے۔ ساری دنیا اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ دنیا کی ہر چیز اپنے وجود و بقا اور اپنی حاجات و ضروریات کے لیے شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور سب کی حاجات پوری کرنے والا وہی ہے۔ اور غیر فانی اور لازوال ہے۔ رزق دیتا ہے لیتا نہیں ہے۔ مفرد ہے مرکب نہیں ہے کہ قابل تجزیہ و تقسیم ہو۔ ساری کائنات پر اس کی سیادت قائم ہے اور وہ سب سے برتر ہے۔ اس لیے وہ محض صَمَد نہیں بلکہ اَلصَّمَدُ ہے، یعنی ایک ہی ایسی ہستی جو حقیقت میں صمدیت سے بہ تمام و کمال متصف ہے۔

پھر چونکہ وہ اَلصَّمَدُ ہے، اس لیے لازم آتا ہے کہ وہ یکتا اور یگانہ ہو، کیوں کہ ایسی ہستی ایک ہی ہوسکتی ہے جو کسی کی حاجت مند نہ ہو اور سب جس کے محتاج ہوں۔ دو یا زائد ہستیاں سب سے بے نیاز اور سب کی حاجت روا نہیں ہوسکتیں۔ نیز اس کے الصَمَد ہونے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہ ہو، کیوں کہ جو حاجت روائی کی طاقت اور اختیارات ہی نہ رکھتا ہو اس کی بندگی و عبادت کوئی ہوشمند آدمی نہیں کرسکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الاخلاص، حاشیہ: ۴)

۷۶-اَلْمَلِیْکُ : بادشاہ، فرماں روا

سورہ قمر آیت ۵۵ میں ارشاد ہے:

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔

”سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔“

سورہ بقرہ آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

”کیا تمھیں خبر نہیں ہے کہ زمین و آسمان کی فرماں روائی اللہ کے لیے ہے۔“

سورہ آل عمران آیت ۱۸۹ میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

”زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔“

سورۃ المائدۃ آیات ۱۷، ۱۸ اور ۱۲۰ میں ہے:

وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ والْاَرْضِ۔

”زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں۔“

سورہ انعام آیت ۷۳ میں ہے:

قَوْلُہُ الْحَقُّ وَلَہُ الْمُلْكُ۔

”اس کا ارشاد عین حق ہے اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز بادشاہی اسی کی ہوگی۔“

سورہ اعراف آیت ۱۵۸ میں ہے:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

”اے محمدؐ! کہو کہ ”اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔“

سورہ توبہ آیت ۱۱۶ میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

”اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ ہی کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

سورۃ الاسراء آیت ۱۱۱ میں ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ

اور کہو، ”تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔“

سورہ الحج آیت ۵۶ میں ہے:

اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ۔

''اس روز بادشاہی اللہ کی ہوگی۔''

سورۃ النور آیت ۴۲ میں ہے:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔''

سورہ فرقان آیت ۲ سورہ صٓ آیت ۱۰۔ الزمر آیت ۶، ۴۴۔ الشوریٰ آیت ۴۹۔ الزخرف آیت ۸۵۔ الجاثیہ آیت ۲۷۔ الفتح آیت ۱۴۔ الحدید آیت ۲، ۵۔ البروج آیت ۹ میں مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آیا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ فرقان آیت ۲ میں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ اور نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور آیت ۲۶ میں اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔

سورہ غافر آیت ۱۶ میں ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''آج بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔''

سورہ ملک آیت ۱ میں ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

سورہ زمر آیت ۶ میں ہے:

لَهُ الْمُلْكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

''بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے۔''

تمام اختیارات کا مالک وہی ہے اور ساری کائنات میں اسی کا حکم چل رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الزمر، حاشیہ: ۱۶)

حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہی دنیا کے نام نہاد بادشاہوں اور جباروں اور سرداروں کے حوالے نہیں کر دی گئی ہے۔ نہ کسی نبی یا ولی یا دیوی اور دیوتا کا اس میں کوئی حصہ ہے، بلکہ اس کا مالک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔
(تفہیم القران، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ: ۷۶)

اللہ کی بادشاہی کے مطلق (Absolute) ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت (یہ) ہے (کہ) کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہوسکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے۔ جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحم مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی

خدا کی خدائی میں مختارکل ہونے کا زعم کرے یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا۔
(تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ:۷۷)

اس کی ہستی اس سے بدر جہا بلند و برتر ہے کہ کوئی خدائی میں اس کا شریک ہو اور اس عظیم کائنات کی فرماں روائی میں کچھ بھی دخل رکھتا ہو۔ زمین و آسمان میں جو بھی ہیں، خواہ وہ انبیاء ہوں یا اولیاء، فرشتے ہوں یا جن یا ارواح، ستارے ہوں یا سیارے، سب اس کے بندے اور غلام اور تابع فرمان ہیں۔ ان کا کسی خدائی صفت سے متصف یا خدائی اختیار کا حامل ہونا قطعی ناممکن ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الزخرف، حاشیہ:۶۶)

اس کی ملکیت میں، اس کی تدبیر میں اور اس کی پادشاہی وحکمرانی میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں۔

(تفہیم القرآن، ج۱، البقرۃ)

وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور اسی کے لیے ہے۔

یہ پوری کائنات تنہا اسی کی سلطنت ہے وہ صرف اس کو بنا کر اور ایک دفعہ حرکت دے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ وہی عملاً اس پر ہر آن حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت اور فرماں روائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل یا حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر اور محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ ان کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں جو انھیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں، جب تک اللہ چاہے وہ نہیں حاصل رہتے ہیں، اور جب چاہے وہ انھیں سلب کر سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، التغابن، حاشیہ:۲)

۷۷-اَلْمُقْتَدِرُ: قدرت رکھنے والا

سورۃ القمر آیت ۴۲ میں ہے:

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔

''مگر انھوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا۔ آخر کار ہم نے انھیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے۔''

سورۃ القمر آیت ۵۵ میں ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔

''نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے، سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔''

سورہ الکہف آیت ۴۵ میں ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔

''اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

سورہ الزخرف آیت ۴۲ میں ہے:

اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ۔

''یا تم کو آنکھوں سے ان کا وہ انجام دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ہم ان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔''

وہ زندگی بھی بخشتا ہے اور موت بھی۔ وہ عروج بھی عطا کرتا ہے اور زوال بھی۔ اس کے حکم سے بہار آتی ہے تو خزاں بھی آجاتی ہے۔ اگر آج تمہیں عیش اور خوشحالی میسر ہے تو اس غرے میں نہ رہو کہ یہ حالت لازوال ہے۔ جس خدا کے حکم سے یہ کچھ تمہیں ملا ہے اسی کے حکم سے سب کچھ تم سے چھن بھی سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ:۴۱)

تمام نظام کائنات پر وہی حاکم ہے اور گردش لیل ونہار اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جو خدا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نکال لاتا ہے اور چمکتے ہوئے دن پر رات کی ظلمت طاری کر دیتا ہے، وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے ان کا زوال وغروب کا منظر بھی دنیا کو جلدی ہی دکھا دے، اور کفر و جہالت کی جو تاریکی اس وقت حق وصداقت کی فجر کا راستہ روک رہی ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے حکم سے چھٹ جائے اور وہ دن نکل آئے جس میں راستی اور علم ومعرفت کے نور سے دنیا روشن ہو جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۱۰۷)

تم ماں اور باپ کی صلب میں الگ الگ نطفوں کی شکل میں تھے۔ پھر خدا کی قدرت ہی سے یہ دونوں نطفے ملے اور تمہارا استقرار حمل ہوا۔ پھر نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں بتدریج نشوونما دے کر تمہیں پوری انسانی شکل دی گئی اور تمہارے اندر تمام وہ قوتیں پیدا کی گئیں جو دنیا میں انسان کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تمہیں درکار تھیں۔ پھر ایک زندہ بچے کی صورت میں تم بطن مادر سے باہر آئے اور ہر آن تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت تک ترقی دی جاتی رہی یہاں تک کہ تم جوانی اور کہولت کی عمر کو پہنچے۔ ان تمام منازل سے گزرتے ہوئے تم ہر وقت پوری طرح خدا کے بس میں تھے۔ وہ چاہتا تو تمہارا استقرار حمل ہی نہ ہونے دیتا اور تمہاری جگہ کسی اور شخص کا استقرار ہوتا۔ وہ چاہتا تو ماں کے پیٹ ہی میں تمہیں اندھا، بہرا، گونگا، یا اپاہج بنا دیتا یا تمہاری عقل میں کوئی فتور رکھ دیتا۔ وہ چاہتا تو تم زندہ بچے کی صورت میں پیدا ہی نہ ہوتے۔ پیدا ہونے کے بعد بھی وہ تمہیں ہر وقت ہلاک کر سکتا تھا، اور اس کے ایک اشارے پر کسی وقت بھی تم کسی حادثے کا شکار ہو سکتے تھے۔ جس خدا کے بس میں تم اس طرح بے بس ہو اس کے متعلق تم نے یہ کیسے سمجھ رکھا ہے کہ اس کی شان میں ہر گستاخی کی جاسکتی ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کی نمک حرامی اور احسان فراموشی کی جاسکتی ہے، اس کے خلاف ہر قسم کی بغاوت کی جاسکتی ہے اور ان حرکتوں کا کوئی خمیازہ تمہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ٦، نوح، حاشیہ:۱۴)

۷۸-اَلۡوَكِيۡلُ : کارساز، جس کے سپرد اپنے معاملات کیے جائیں، نگہبان، حوالہ دار

سورہ آل عمران آیت ۱۷۳ میں ارشاد ہے:

فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ۔

''یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

سورہ الانعام آیت ۱۰۲ میں ہے:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔

''ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔''

سورہ ہود آیت ۱۲ میں ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ وَّاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔

''تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، آگے ہر چیز کا حوالہ دار اللہ ہے۔''

سورہ یوسف آیت ٦٦ میں ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

''جب انھوں نے اس کو اپنے اپنے پیمان دے دیے تو اس نے کہا۔ ''دیکھو، ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔''

سورہ القصص آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

''ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی پوری کردوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول وقرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔''

سورہ الزمر آیت ٦۲ میں ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔

''اللہ ہر چیز کا خالق اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

سورہ النساء آیت ۸۱ میں ہے:

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔

''تم ان کی پروانہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے۔''

سورہ النساء آیت ۱۳۲ میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔''

سورہ النساء آیت ۱۷۱ میں ہے:

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔

''زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں، اور ان کی کفالت اور خبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔''

سورہ الاحزاب آیت ۳ میں ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔
''اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔''

سورہ الاحزاب آیت ۴۸ میں ہے:
وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔
''کوئی پروانہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ کر لو اللہ پر، اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔''

اللہ اس کے لیے بالکل کافی ہے کہ بندہ اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔ وہ رہنمائی کے لیے بھی کافی ہے، اور مدد کے لیے بھی، اور وہی اس امر کا ضامن بھی ہے کہ اس کی رہنمائی میں کام کرنے والا آدمی کبھی نتائج بد سے دوچار نہ ہو۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الاحزاب، حاشیہ: ۴)

اس نے دنیا کو پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا ہے، بلکہ وہی ہر چیز کی خبر گیری اور نگہبانی کر رہا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں جس طرح اس کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہیں اسی طرح وہ اس کے باقی رکھنے سے باقی ہیں، اس کے پرورش کرنے سے پھل پھول رہی ہیں اور اس کی حفاظت و نگرانی میں کام کر رہی ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، حاشیہ: ۷۳)

جو لوگ اللہ پر اعتماد کریں۔ اور جن کا بھروسہ اسی کی رہنمائی اور توفیق اور مدد پر ہو، ان کا بھروسہ ہرگز غلط ثابت نہ ہوگا۔ انھیں کسی اور سہارے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اللہ ان کی ہدایت کے لیے بھی کافی ہوگا اور ان کی دست گیری و اعانت کے لیے بھی۔ البتہ جن کا بھروسہ اپنی طاقت پر ہو، یا اللہ کے سوا کسی اور پر ہو، وہ اس آزمائش سے بخیریت نہ گزر سکیں گے۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۸۱)

سورہ المزمل آیت ۹ میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔
''وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو۔''

وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم اردو زبان میں وکیل کا لفظ اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالے اپنا مقدمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمہارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمہیں پیش آ رہی ہیں ان پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیے۔ تمہارا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب، یعنی ساری کائنات کا مالک ہے، جس کے سوا خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ تم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ اب تمہارا مقدمہ وہ لڑے گا، تمہارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمہارے سارے کام وہ بنائے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، المزمل، حاشیہ: ۱۰)

۷۹-اَلْهَادِیُ :رہنما

سورہ اعراف آیت ۱۸۶ میں ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۔ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۔

''جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کردے اس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے، اور اللہ انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔''

سورہ فرقان آیت ۳۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۔

''اورتمہارے لیے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔''

رہنمائی سے مراد صرف علم حق عطا کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ تحریک اسلامی کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے، اور دشمنوں کی چالوں کو شکست دینے کے لیے بروقت صحیح تدبیریں سجھانا بھی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۴۳)

تحریک اسلامی کے دوران میں جب کہ حق اور باطل کی مسلسل کش مکش چل رہی ہو، نبی اور اس کے پیرووں کی ہمت بندھائی جاتی رہے۔اس کے لیے خدا کی طرف سے بار بار، وقتاً فوقتاً، موقع بہ موقع پیغام آنا کارگر ہے۔اس صورت میں آدمی محسوس کرتا ہے کہ جس خدا نے اسے کام پر مامور کیا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہے، اس کے کام سے دلچسپی لے رہا ہے، اس کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے، اس کی مشکلات میں رہنمائی کر رہا ہے، اور ہر ضرورت کے موقع پر اسے شرف باریابی ومخاطبت عطا فرما کر اس کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ کرتا رہتا ہے۔ یہ چیز حوصلہ بڑھانے والی اور عزم کو مضبوط رکھنے والی ہے۔

سورہ الحج آیت ۵۴ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

''یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔''

سورہ المومن آیت ۳۳ میں ارشاد ہے:

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ، وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۔

''اس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے اسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔''

اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ ایک طالب حق کو علم کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشی جائے اور اللہ کی آیات میں اسے حقیقت تک پہنچنے کے نشانات ملتے چلے جائیں۔ بہ کثرت انسان ایسے ہیں جن کے سامنے آفاق اور اَنْفُس میں اللہ کی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں مگر وہ جانوروں کی طرح انھیں دیکھتے ہیں اور کبھی سبق حاصل نہیں کرتے۔اور بہت سے انسان ہیں جو حیوانیات (Zoology) ، نباتات (Botany) ، حیاتیات(Biology)، ارضیات(Geology) ، فلکیات (Astronomy)، عضویات(Physiology)، علم التشریح(Anatomy) اور سائنس کی دوسری شاخوں کا مطالعہ کرتے

ہیں، تاریخ، آثارقدیمہ اورعلوم اجتماع(Social Sciences) کی تحقیق کرتے ہیں اورایسی ایسی نشانیاں ان کے مشاہدے میں آتی ہیں جوقلب کوایمان سے لبریز کردیں۔مگر چونکہ وہ مطالعے کا آغاز ہی تعصب کے ساتھ کرتے ہیں اوران کے پیش نظر دنیا اوراس کے فوائد ومنافع کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس لیے اس مشاہدہ کے دوران میں ان کوصداقت تک پہنچانے والی کوئی نشانی نہیں ملتی، بلکہ جونشانی بھی سامنے آتی ہے وہ انھیں الٹی دہریت، الحاد، مادہ پرستی اور نیچریت ہی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ان کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی ناپید نہیں ہیں جوآنکھیں کھول کراس کارگاہ عالم کودیکھتے ہیں اوران کا حال یہ ہے کہ:

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ہرورقے دفتریست معرفت کردگار

(تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۲۸)

دنیا میں فکروعمل کی تمام راہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔کوئی شخص کسی راہ پربھی اللہ کے اذن اوراس کی توفیق کے بغیر نہیں چل سکتا۔رہی یہ بات کہ کس انسان کوکس راہ پر چلنے کا اذن ملتا ہے اورکس راہ کی رہروی کے اسباب اس کے لیے ہموار کیے جاتے ہیں، تواس کا انحصار سراسر آدمی کی اپنی طلب اورسعی پر ہے۔اگر وہ خدا سے لگاؤ رکھتا ہے، سچائی کا طالب ہے، اورخالص نیت سے خدا کے راستے پر چلنے کی سعی کرتا ہے، تو اللہ اسی کا اذن اوراسی کی توفیق اسے عطا فرماتا ہے اوراسی راہ پر چلنے کے اسباب اس کے لیے موافق کردیتا ہے۔بخلاف اس کے جوشخص خودگمراہی کوپسند کرتا ہے اورغلط راستوں ہی پر چلنے کی سعی کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اوروہی راہیں اس کے لیے کھول دی جاتی ہیں جن کواس نے آپ اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ایسے شخص کوغلط سوچنے، غلط کام کرنے اورغلط راہوں میں اپنی قوتیں صرف کرنے سے بچالینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔اپنے نصیب کی راہ راست جس نے خودکھودی اورجس سے اللہ نے اس کو محروم کردیا، اس کے لیے یہ گم شدہ نعمت کسی کے ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ (تفہیم القرآن، ج۱، النساء، حاشیہ:۱۷۳)

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کوجسم، حواس اورذہن کی قوتیں دے کر دنیا میں بالکل بے خبر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعہ سے اس کے لاشعور میں نیکی اوربدی کا فرق، بھلے اوربرے کا امتیاز، اورخیر کے خیر اورشر کے شر ہونے کا احساس اتار دیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۶، الشمس: دیباچہ، موضوع اورمضمون)

ہرانسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کردیے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اورکوئی چیز برائی، اچھے اخلاق واعمال اوربرے اخلاق واعمال یکساں نہیں ہیں، فجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے اورتقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔یہ تصورات انسان کے لیے اجنبی نہیں ہیں بلکہ اس کی فطرت ان سے آشنا ہے اورخالق نے برے اوربھلے کی تمیز پیدائشی طور پراس کوعطا کردی ہے۔یہی بات سورہ بَلَد میں فرمائی گئی ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ ''اور ہم نے اس کوخیر وشر کے دونوں نمایاں راستے دکھادیے۔'' (آیت:۱۰)۔اسی کوسورۂ دہر میں یوں بیان کیا گیا ہے۔اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ ''ہم نے اس کوراستہ دکھادیا خواہ شاکر بن کررہے یا کافر(آیت:۳)۔''اوراسی بات کو سورہ قیامۃ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے اندرایک نفس لوامہ(ضمیر) موجود ہے جوبرائی کرنے پراسے ملامت کرتا ہے(آیت۲)۔اورہرانسان خواہ کتنی ہی معذرتیں کرے مگر وہ اپنے آپ کوخوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہے(آیات:۱۴-۱۵)۔

فطری الہام اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق پر اس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے، جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ اَلَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی۔ ''جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی (آیت ۵۰)۔'' مثلاً حیوانات کی ہر نوع کو اس کی ضروریات کے مطابق الہامی علم دیا گیا ہے جس کی بنا پر مچھلی کو آپ سے آپ تیرنا، پرندے کو اڑنا، شہد کی مکھی کو چھتہ بنانا اور بئے کو گھونسلا تیار کرنا آ جاتا ہے۔ انسان کو بھی اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علوم دیے گئے ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے اور اس حیثیت سے جو الہامی علم اسے دیا گیا ہے اس کی ایک نمایاں ترین مثال بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ چوسنا ہے، جس کی تعلیم اگر خدا نے فطری طور پر اسے نہ دی ہوتی تو کوئی اسے یہ فن نہ سکھا سکتا تھا۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک عقلی وجود ہے اس حیثیت سے خدا نے انسان کی آفرینش کے آغاز سے مسلسل اس کو الہامی رہنمائی دی ہے، جس کی بدولت وہ پے در پے اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا رہا ہے۔ ان ایجادات و اکتشافات کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محض انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہو، ورنہ ہر ایک کی ابتداء اسی طرح ہوتی ہے کہ یکا یک کسی شخص کے ذہن میں ایک بات آ گئی اور اس کی بدولت اس نے کسی چیز کا اکتشاف کیا یا کوئی چیز ایجاد کر لی۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان کی ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے، اور اس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و شر کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالم گیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے، اور کوئی ایسا معاشرہ نہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اس چیز کا ہر زمانے، ہر جگہ اور ہر مرحلۂ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے اور مزید براں یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ایک خالق حکیم و دانا نے اسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، کیونکہ جن اجزاء سے انسان مرکب ہے اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادی نظام چل رہا ہے ان کے اندر کہیں اخلاق کے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الشمس، حاشیہ: ۵)

بھلائی اور برائی کا جو الہامی علم اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے جو بجائے خود انسان کے ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی انسان خیر و شر کے غلط فلسفے اور معیار تجویز کر کے گمراہ ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس فطری الہام کی مدد کے لیے انبیاء علیہم السلام پر واضح اور صاف صاف وحی نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو کھول کر بتائیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الشمس: دیباچہ، موضوع اور مضمون)

پھر ایک انسان کو غور و فکر اور تحقیق و تجسس کے بغیر جو صحیح تدبیر، یا صائب رائے، یا فکر و عمل کی صحیح راہ سجھائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے (وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ: القصص) اور اس وحی سے کوئی بھی انسان محروم نہیں ہے۔ دنیا میں جتنے اکتشافات ہوئے ہیں، جتنی مفید ایجادیں ہوئی ہیں، بڑے بڑے مدبرین، فاتحین، مفکرین اور مصنفین نے جو معرکے کے کام کیے ہیں، ان سب میں اس وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ بلکہ عام انسانوں کو آئے دن اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں کہ کبھی بیٹھے بیٹھے دل میں ایک بات آئی، یا کوئی تدبیر سوجھ گئی، یا خواب میں کچھ دیکھ لیا، اور بعد میں تجربے سے پتہ چلا کہ وہ ایک صحیح رہنمائی تھی جو غیب سے انھیں حاصل ہوئی تھی۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، حاشیہ: ۵۶)

دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے کہ اس کو کھانے پینے پہننے اور زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچے اور آفات، مصائب اور نقصانات سے وہ محفوظ رہے۔ بلکہ اس کی ایک ضرورت اور درحقیقت سب سے بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور وہ جانے کہ اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ، اس سروسامان کے ساتھ جو روئے زمین پر اس کے تصرف میں ہے ان بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے، اور مجموعی طور پر اس نظامِ کائنات کے ساتھ جس کے ماتحت رہ کر ہی بہر حال اس کو کام کرنا ہے، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کرے جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں۔ اسی صحیح طریقہ کا نام ''حق'' ہے اور جو رہنمائی اس طریقہ کی طرف انسان کو لے جائے ''وہی ہدایت حق''

انسان کی ساری ضرورتیں دو ہی نوعیت کی ہیں۔ ایک نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی اس کا پروردگار ہو، کوئی ملجاو ماوی ہو، کوئی دعاؤں کا سننے والا اور حاجتوں کا پورا کرنے والا ہو جس کا مستقل سہارا اس عالم اسباب کے بے ثبات سہاروں کے درمیان رہتے ہوئے وہ تھام سکے۔ دوسرے نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور جس کے دیے ہوئے قوانین حیات کی پیروی پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ کی جاسکے۔ سو اس آخری سوال نے اس کا فیصلہ بھی کر دیا کہ وہ بھی صرف خدا ہی ہے۔ اس کے بعد ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی جس کی بنا پر انسان مشرکانہ مذاہب اور لادینی (Secular) اصول تمدن و اخلاق و سیاست سے چمٹا رہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۴۳)

دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سننا اور آنکھ کو دیکھنا اسی نے سکھایا ہے۔ مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اڑنا اسی کی تعلیم سے آیا ہے۔ درخت کو پھل پھول دینے اور زمین کو نباتات اگانے کی ہدایت اسی نے دی ہے۔ غرض وہ ساری کائنات اور اس کی ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلم بھی ہے۔ (تفہیم القران، ج ۳، طٰہٰ، حاشیہ: ۲۳)

خدا جو تمام کائنات کا ہادی ہے، اور جو ہر چیز کو اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایت دے رہا ہے، اس کے عالم گیر منصبِ ہدایت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی شعوری زندگی کے لیے بھی رہنمائی کا انتظام کرے۔ اور انسان کی شعوری زندگی کے لیے رہنمائی کی وہ شکل موزوں نہیں ہو سکتی جو مچھلی اور مرغی کی رہنمائی کے لیے موزوں ہے۔ اس کی موزوں ترین شکل یہ ہے کہ ایک ذی شعور انسان اس کی طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہو اور وہ ان کی عقل و شعور کو اپیل کر کے انھیں سیدھا راستہ بتائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، حاشیہ: ۲۳)

جس لمحے انسان دنیا میں قدم رکھتا ہے اسی وقت ایک طرف اس کی ماں کے سینے میں دودھ پیدا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف کوئی ان دیکھی طاقت اسے دودھ چوسنے اور حلق سے اتارنے کا طریقہ سکھا دیتی ہے۔ پھر اس تربیت و رہنمائی کا سلسلہ اوّل روز پیدائش سے شروع ہو کر موت کی آخری ساعت تک برابر جاری رہتا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں انسان کو اپنے وجود اور نشوونما اور بقا و ارتقا کے لیے جس جس نوعیت کے سروسامان کی حاجت پیش آتی ہے وہ سب اس کے پیدا کرنے والے

نے زمین سے لے کر آسمان تک ہر طرف مہیا کر دیا ہے۔ اس سروسامان سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے کے لیے جن جن طاقتوں اور قابلیتوں کی اس کو حاجت پیش آتی ہے وہ سب بھی اس کی ذات میں ودیعت کر دی ہیں۔ اور ہر شعبۂ حیات میں جس جس طرح کی رہنمائی اس کو درکار ہوتی ہے اس کا بھی پورا انتظام اس نے کر دیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الشعراء، حاشیہ: ۵۸)

سائنس کے مختلف شعبوں میں انسان تحقیق کے جتنے قدم آگے بڑھاتا جا رہا ہے، اس کے سامنے خدا کی بہت سی وہ نعمتیں بے نقاب ہوتی جا رہی ہیں جو پہلے اس سے بالکل مخفی تھیں، اور آج تک جن نعمتوں پر سے پردہ اٹھا ہے وہ ان نعمتوں کے مقابلے میں درحقیقت کسی شمار میں بھی نہیں ہیں جن پر سے اب تک پردہ نہیں اٹھا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ: ۳۶)

ہم نے اسے محض علم و عقل کی قوتیں دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ شکر کا راستہ کون سا ہے اور کفر کا راستہ کون سا، اس کے بعد جو راستہ بھی وہ اختیار کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہو۔ سورہ بلد میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ ''اور ہم نے اسے دونوں راستے (یعنی خیر و شر کے راستے) نمایاں کر کے بتا دیے۔'' اور سورہ الشمس میں یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا، اور قسم ہے (انسان کے) نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے (تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ) استوار کیا، پھر اس کا فجور اور اس کا تقویٰ دونوں اس پر الہام کر دیے) ان تمام تصریحات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے، اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کے ان تفصیلی بیانات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے دنیا میں کیا کیا انتظامات کیے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ راستہ دکھانے سے مراد رہنمائی کی کوئی ایک ہی صورت نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں جن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے مثال کے طور پر:

۱- ہر انسان کو علم و عقل کی صلاحیتیں دینے کے ساتھ ایک اخلاقی حس بھی دی گئی ہے جس کی بدولت وہ فطری طور پر بھلائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، بعض افعال اور اوصاف کو برا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان میں مبتلا ہو، اور بعض افعال و اوصاف کو اچھا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان سے اجتناب کر رہا ہو، حتیٰ کہ جن لوگوں نے اپنی اغراض و خواہشات کی خاطر ایسے فلسفے گھڑ لیے ہیں جن کی بنا پر بہت سی برائیوں کو انھوں نے اپنے لیے حلال کر لیا ہے، ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہی برائیاں اگر کوئی دوسرا ان کے ساتھ کرے تو وہ اس پر چیخ اٹھتے ہیں اور اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے جھوٹے فلسفوں کے باوجود حقیقت میں وہ ان کو برا ہی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نیک اعمال و اوصاف کو خواہ کسی نے جہالت اور حماقت اور دقیانوسیت ہی قرار دے رکھا ہو، لیکن جب کسی انسان سے خود اس کی ذات کو کسی نیک سلوک کا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کی فطرت اسے قابل قدر سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۲- ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ضمیر (نفس لوّامہ) نام کی ایک چیز رکھ دی ہے جو اسے ہر اس موقع پر ٹوکتی ہے جب وہ کوئی برائی کرنے والا ہو یا کر رہا ہو یا کر چکا ہو۔ اس ضمیر کو خواہ انسان کتنی ہی تھپکیاں دے کر سلائے، اور اس کو بے حس بنانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کر لے، لیکن وہ اسے بالکل فنا کر دینے پر قادر نہیں ہے۔ وہ دنیا میں ڈھیٹ بن کر اپنے آپ کو قطعی بے ضمیر ثابت کر سکتا ہے۔ وہ حجتیں بگھار کر دنیا کو دھوکا دینے کی بھی ہر کوشش کر سکتا ہے۔ وہ اپنے

نفس کو بھی فریب دینے کے لیے اپنے افعال کے لیے بے شمار عذرات تراش سکتا ہے، مگر اس کے باوجود اللہ نے اس کی فطرت میں جو محاسب بٹھا رکھا ہے وہ اتنا جاندار ہے کہ کسی برے انسان سے یہ بات چھپی نہیں رہتی کہ وہ حقیقت میں کیا ہے۔ یہی بات ہے جو سورہ قیامہ: ۱۴-۱۵ میں فرمائی گئی ہے کہ ''انسان خود اپنے آپ کو خوب جانتا ہے خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں کرے۔'' (آیت: ۱۵)

انسان کے اپنے وجود میں اور اس کے گردو پیش زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات میں ہر طرف ایسی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو خبر دے رہی ہیں کہ یہ سب کچھ کسی خدا کے بغیر نہیں ہو سکتا، نہ بہت سے خدا اس کارخانۂ ہستی کے بنانے والے اور چلانے والے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آفاق اور اَنفُس کی یہی نشانیاں قیامت اور آخرت پر بھی صریح دلالت کر رہی ہیں۔ انسان اگر ان سے آنکھیں بند کر لے، یا اپنی عقل سے کام لے کر اِن پر غور نہ کرے، یا جن حقائق کی نشان دہی یہ کر رہی ہیں اُن کو تسلیم کرنے سے جی چرائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تو حقیقت کی خبر دینے والے نشانات اس کے سامنے رکھ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

۴- انسان کی اپنی زندگی میں، اس کی ہم عصر دنیا میں، اور اس سے پہلے گزری ہوئی تاریخ کے تجربات میں بے شمار واقعات ایسے پیش آتے ہیں اور آتے رہے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک بالاتر حکومت اس پر اور ساری کائنات پر فرماں روائی کر رہی ہے، جس کے آگے وہ بالکل بے بس ہے، جس کی مشیّت ہر چیز پر غالب ہے، اور جس کی مدد کا وہ محتاج ہے۔ **یہ تجربات** و**مشاہدات** صرف خارج ہی میں اس حقیقت کی خبر دینے والے نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اپنی فطرت میں **بھی اس بالاتر حکومت** کے وجود کی شہادت ہے جس کی بنا پر بڑے سے بڑا دہریہ بھی برا وقت آنے پر خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے، اور سخت سے سخت مشرک بھی سارے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو پکارنے لگتا ہے۔

۵- انسان کی عقل اور اس کی فطرت قطعی طور پر حکم لگاتی ہے کہ جُرم کی سزا اور عمدہ خدمات کا صلہ ملنا ضروری ہے۔ اسی بنا پر تو دنیا کے ہر معاشرے میں عدالت کا نظام کسی نہ کسی صورت میں قائم کیا جاتا ہے اور جن خدمات کو قابل تحسین سمجھا جاتا ہے ان کا صلہ دینے کی بھی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اخلاق اور قانونِ مُکافات کے درمیان ایک ایسا لازمی تعلق ہے جس سے انکار کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اب اگر یہ مسلم ہے کہ اس دنیا میں بے شمار جرائم ایسے تھے جن کی پوری سزا تو درکنار سرے سے کوئی سزا ہی نہیں دی جا سکتی، اور بے شمار خدمات بھی ایسی ہیں جن کا پورا صلہ تو کیا، کوئی صلہ بھی خدمت کرنے والے کو نہیں مل سکتا، تو آخرت کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اِلاّ یہ کہ کوئی بے وقوف یہ فرض کر لے، یا کوئی ہٹ دھرم یہ رائے قائم کرنے پر اصرار کرے کہ انصاف کا تصور رکھنے والا انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہو گیا ہے جو بجائے خود انصاف کے تصور سے خالی ہے۔ اور پھر اس سوال کا جواب اس کے ذمّہ رہ جاتا ہے کہ ایسی دنیا میں پیدا ہونے والے انسان کے اندر یہ انصاف کا تصور آخر آ کہاں سے گیا؟

۶- ان تمام ذرائع رہنمائی کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صریح اور واضح رہنمائی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں جن میں صاف صاف بتادیا گیا کہ شکر کی راہ کون سی ہے اور کفر کی راہ کون سی اور ان دونوں راہوں پر چلنے کے نتائج کیا ہیں۔ انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی یہ تعلیمات، بے شمار محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اتنے بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں پھیلی ہیں کہ کوئی انسانی آبادی بھی خدا کے تصور، آخرت کے تصور، نیکی اور بدی کے فرق، اور ان کے پیش کردہ اخلاقی اصولوں اور قانونی احکام سے ناواقف نہیں رہ گئی ہے، خواہ اسے یہ معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ علم اسے انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی تعلیمات ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آج جو لوگ انبیاء اور کتابوں کے منکر ہیں، یا ان سے بالکل بے خبر ہیں، وہ بھی ان بہت سی چیزوں کی پیروی کررہے ہیں جو دراصل انھیں کی تعلیمات سے چھن چھن کر ان تک پہنچی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ان چیزوں کا اصل ماخذ کون سا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۶، الدہر، حاشیہ: ۵)

۸۰- اَلْكَفِيْلُ: گواہ

سورہ النحل آیت ۹۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْ تُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔

”اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جب کہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔“

یہاں علی الترتیب تین قسم کے معاہدوں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ بیان کر کے ان کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک وہ عہد جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ہو، اور یہ اپنی اہمیت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ دوسرا وہ عہد جو ایک انسان یا گروہ نے دوسرے انسان یا گروہ سے باندھا ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھائی ہو، یا کسی نہ کسی طور پر اللہ کا نام لے کر اپنے قول کی پختگی کا یقین دلایا ہو۔ یہ دوسرے درجے کی اہمیت رکھتا ہے۔ تیسرا وہ عہد و پیمان جو اللہ کا نام لیے بغیر کیا گیا ہو۔ اس کی اہمیت اوپر کی دونوں قسموں کے بعد ہے لیکن پابندی ان سب کی ضروری ہے اور خلاف ورزی ان میں سے کسی کی بھی روا نہیں ہے۔

عہد شکنی کی بدترین قسم جو دنیا میں سب سے بڑھ کر موجب فساد ہوتی ہے اور جسے بڑے بڑے اونچے درجے کے لوگ بھی کارِ ثواب سمجھ کر کرتے اور اپنی قوم سے داد پاتے ہیں۔ قوموں اور گروہوں کی سیاسی، معاشی اور مذہبی کشمکش میں آئے دن ہوتا رہتا ہے کہ ایک قوم کا لیڈر ایک وقت میں دوسری قوم سے ایک معاہدہ کرتا ہے اور دوسرے وقت میں محض اپنے قومی مفاد کی خاطر یا تو اسے علانیہ توڑ دیتا ہے یا در پردہ اس کی خلاف ورزی کر کے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ حرکتیں ایسے ایسے لوگ تک کر گزرتے ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے راستباز ہوتے ہیں اور ان حرکتوں پر صرف یہی نہیں کہ ان کی پوری قوم میں سے ملامت کی کوئی آواز نہیں اٹھتی، بلکہ ہر طرف سے ان کی پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے اور اس طرح کی چالبازیوں کو ڈپلومیسی کا کمال

سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر متنبّہ فرماتا ہے کہ ہر معاہدہ دراصل معاہدہ کرنے والے شخص اور قوم کے اخلاق و دیانت کی آزمائش ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہوں گے وہ اللہ کی عدالت میں مواخذہ سے نہ بچ سکیں گے۔
(تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ:۹۰-۹۱)

۸۱-اَلْکَافِیُ : کافی ہونے والا

سورہ الزمر آیت ۳۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ۔

"(اے نبیؐ) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔"

سورہ الحجر کی آیات ۹۵-۹۶ میں ارشاد ہے:

اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا آخَرَ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ۔

"ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا۔"

سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا ہُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔

"اور اگر تم سے منہ پھیریں، تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

خدا اپنی خدائی کا انتظام کرنے کے لیے خود کافی ہے، اس کو کسی سے مدد لینے کی حاجت نہیں کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔
(تفہیم القرآن، ج۱، النساء، حاشیہ:۲۱۸)

۸۲-اَلْاَکْرَمُ : بڑا کریم

سورہ العلق آیت ۳ میں ارشاد ربانی ہے:

اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ۔

"پڑھو اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔"

یعنی یہ اُس کا انتہائی کرم ہے کہ اس حقیر ترین حالت سے ابتداء کر کے اُس نے انسان کو صاحبِ علم بنایا جو مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے، اور صرف صاحب علم ہی نہیں بنایا، بلکہ اُس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی اور نسلاً بعد نسلٍ اُس کے بقا اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اگر وہ الہامی طور پر انسان کو قلم اور کتابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو انسان کی علمی قابلیت ٹھٹھر کر رہ جاتی اور اُسے نشو و نما پانے، پھیلنے اور ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچنے اور آگے مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔
(تفہیم القرآن، ج۶، العلق، حاشیہ:۵)

لافانی اور لازوال تو صرف اُس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص ہم چومن دیگرے نیست کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے۔ اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، یا چند بندے جو اس کے ہتھے چڑھیں، اُن کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے، کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک مٹر کے دانے برابر بھی نہیں ہے اس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس ساٹھ برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصۂ ماضی بن کر رہ جائے، وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پھولے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۲۵)

مزید تشریح الکریم کے تحت ملاحظہ ہو۔

۸۳- اَلْاَعْلٰی: سب سے برتر، غالب، سب سے بڑا

سورہ الاعلیٰ آیت ۱ میں ارشاد ربانی ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔

''(اے نبیؐ) اپنے ربِّ برتر کے نام کی تسبیح کرو۔''

(اَلْاَعْلٰی) جو اپنے اندر کسی قسم کے نقص، عیب کمزوری یا مخلوقات سے تشبیہ کا کوئی پہلو نہ رکھتا ہو۔ کیوں کہ دنیا میں جتنے بھی فاسد عقائد پیدا ہوتے ہیں اُن سب کی جڑ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی نہ کوئی غلط تصور ہے جس نے اُس ذات پاک کے لیے کسی غلط نام کی شکل اختیار کی ہے۔ لہٰذا عقیدے کی تصحیح کے لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو صرف اُن اسمائے حسنیٰ ہی سے یاد کیا جائے جو اس کے لیے موزوں اور مناسب ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الاعلیٰ: دیباچہ)

سورہ اللّیل آیت ۲۰ میں ارشاد ہے:

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى۔

''وہ تو صرف اپنے ربِّ برتر کی رضاجوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔''

قرآن مجید میں سورۂ نازعات کی آیت ۲۴ میں فرعون کا ربِّ اعلیٰ ہونے کا دعوائے باطل بھی نقل کیا گیا ہے:

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔

''اس نے پکار کر کہا ''میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔''

وہ مذہبی معنی میں نہیں بلکہ سیاسی معنی میں اپنے آپ کو الٰہ اور ربِّ اعلیٰ کہتا تھا، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک میں ہوں، میرے سوا کسی کو میری مملکت میں حکم چلانے کا حق نہیں ہے، اور میرے اوپر کوئی بالاتر طاقت نہیں ہے جس کا فرمان یہاں جاری ہوسکتا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، النازعات، حاشیہ: ۱۱)

وہ عملاً مصر کی اور نظریے کے اعتبار سے دراصل پوری نوع انسان کی سیاسی ربوبیت و خداوندی کا مدعی تھا اور یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرماں روا ہو جس کا نمائندہ آکر اسے ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، طٰہٰ، حاشیہ: ۲۱)

(اس سے معلوم ہوا کہ اَلْاَعْلیٰ وہ ہے جو سب سے برتر، سب پر غالب اور سب سے بڑا ہو۔ یہ جملہ اوصاف صرف اور صرف خالق کائنات میں پائے جاتے ہیں لہٰذا وہی اَعلیٰ ہے دوسرا کوئی ان معنوں میں اَعلیٰ نہیں ہے)۔

۸۴-اَلرَّزَّاقُ :سب کا روزی رساں، بہتر رزق دینے والا

سورۃ الذّاریات آیت ۵۸ میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ۔

''اللہ تو خود ہی رازق ہے بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

سورہ جمعہ کی آیت ۱۱ میں ہے:

وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔

''اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' اس دنیا میں مجازاً جو بھی رزق رسانی کا ذریعہ بنتے ہیں ان سب سے بہتر رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین کہا گیا ہے، کہیں خیر الغافرین، کہیں خیر الحاکمین، کہیں خیر الراحمین، کہیں خیر الناصرین۔ ان سب مقامات پر مخلوق کی طرف رزق، تخلیق، مغفرت، رحم اور نصرت کی نسبت مجازی ہے اور اللہ کی طرف حقیقی۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بھی دنیا میں تم کو تنخواہ، اُجرت یا روٹی دیتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی اپنی صنعت و کاریگری سے کچھ بناتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی دوسروں کے قصور معاف کرتے اور دوسروں پر رحم کھاتے اور دوسروں کی مدد کرتے نظر آتے ہیں، اللہ ان سب سے بہتر رازق، خالق، رحیم، غفور اور مددگار ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۵، الجمعہ، حاشیہ:۲۱)

رازق، صانع، موجد، مُعطی اور ایسی ہی دوسری بہت سی صفات ایسی ہیں جو اصل میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب ہوجاتی ہیں۔ مثلاً ہم ایک شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے فلاں شخص کے روزگار کا بندوبست کردیا، یا اس نے یہ عطیہ دیا، یا اس نے فلاں چیز بنائی یا ایجاد کی۔ اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خیر الرازقین کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جن جن کے متعلق تم گمان رکھتے ہو کہ وہ روزی دینے والے ہیں ان سب سے بہتر روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، سبا، حاشیہ:۶۰)

(خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ) جملہ قرآن پاک کی کئی اور سورتوں میں بھی آیا ہے۔ مثلاً:

سورۂ مائدہ آیت ۱۱۴ میں:

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔

''ہم کو رزق دے اور تو بہترین رازق ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۵۸ میں ہے:

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔

”اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔“

سورہ سبا آیت ۳۹ میں:

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ۔

”جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہ تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔“

سورۃ المومنون آیت ۷۲ میں ہے:

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیۡرٌ وَّهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ۔

”کیا تو ان سے کچھ مانگ رہا ہے؟ تیرے لیے تیرے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔“

یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے؟ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ سوچ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے، تمہیں بھی دے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، حاشیہ: ۹۹)

پیدا ہوتے ہی اس کی مہربانی سے تم نے اپنے لیے پاکیزہ رزق کا ایک وسیع خوانِ یغما بچھا ہوا پایا۔ کھانے اور پینے کا ایسا پاکیزہ سامان جو زہریلا نہیں بلکہ صحت بخش ہے کڑوا کسیلا اور بدمزہ نہیں بلکہ خوش ذائقہ ہے، سڑا بُسا اور بدبودار نہیں بلکہ خوش رائحہ ہے، بے جان پھوک نہیں بلکہ اُن حیاتینوں اور مفید غذائی مادّوں سے مالا مال ہے جو تمہارے جسم کی پرورش اور نشوونما کے لیے موزوں ترین ہیں۔ یہ پانی، یہ غلّے، یہ ترکاریاں، یہ پھل، یہ دودھ، یہ شہد، یہ گوشت، یہ نمک مرچ اور مسالے، جو تمہارے تغذیے کے لیے اس قدر موزوں اور تمہیں زندگی کی طاقت ہی نہیں، زندگی کا لطف دینے کے لیے بھی اس قدر مناسب ہیں، آخر کس نے اس زمین پر اتنی افراط کے ساتھ مہیا کیے ہیں، اور کس نے یہ انتظام کیا ہے کہ غذا کے یہ بے حساب خزانے زمین سے پے در پے نکلتے چلے آئیں اور ان کی رسد کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ یہ رزق کا انتظام نہ ہوتا اور بس تم پیدا کر دیے جاتے تو سوچو کہ تمہاری زندگی کا کیا رنگ ہوتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۹۱)

خدا سے برگشتہ لوگ دنیا میں جن جن کی بندگی بجالا رہے ہیں، وہ سب درحقیقت اپنے ان بندوں کے محتاج ہیں یہ ان کی خدائی نہ چلائیں تو ایک دن بھی وہ نہ چلے۔ وہ ان کے رازق نہیں بلکہ اُلٹے یہ اُن کو رزق پہنچاتے ہیں۔ وہ ان کو نہیں کھلاتے بلکہ اُلٹے یہ اُن کو کھلاتے ہیں۔ وہ ان کی جان کے محافظ نہیں، بلکہ الٹے یہ ان کی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کے لشکر یہ ہیں جن کے بل پر ان کی خدائی چلتی ہے۔ جہاں بھی ان جھوٹے خداؤں کی حمایت کرنے والے بندے نہ رہے، یا بندوں نے ان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا وہاں ان کے سب ٹھاٹھ پڑے رہ گئے اور دنیا کی آنکھوں نے ان کی کس مپرسی کا حال دیکھ لیا۔ سارے معبودوں میں اکیلا ایک اللہ جل شانہ ہی وہ حقیقی معبود ہے جس کی خدائی اپنے بل بوتے پر چل رہی ہے جو اپنے بندوں سے کچھ لیتا نہیں بلکہ وہی اپنے بندوں کو سب کچھ دیتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الذاریات، حاشیہ: ۵۴)

۸۵-اَلْمَتِیْنُ: زبردست، مضبوط اور غیر متزلزل، جسے کوئی ہلا نہ سکے، جس کا کوئی توڑ نہ کر سکے، جس کا کوئی توڑ نہ ہو

سورۂ اعراف آیت ۱۸۳ اور سورۃ القلم آیت ۴۵ میں آیا ہے:

اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ۔

''میری چال کا کوئی توڑ نہیں ہے۔''

سورۃ الذّاریات آیت ۵۸ میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔

''اللہ تو خود ہی رزاق ہے۔ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

۸۶، ۸۷-غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ: گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا

سورۃ المومن آیت ۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ۔

''گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔''

یہ امید اور ترغیب دلانے والی صفت ہے۔ جو لوگ اب تک سرکشی کرتے رہے ہیں وہ مایوس نہ ہوں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اپنی روش پر نظر ثانی کریں کہ اگر اب بھی وہ اس روش سے باز آجائیں تو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ گناہ معاف کرنا اور توبہ قبول کرنا لازماً ایک ہی چیز کے دو عنوان نہیں ہیں، بلکہ بسا اوقات توبہ کے بغیر بھی اللہ کے ہاں گناہوں کی معافی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک شخص خطائیں بھی کرتا رہتا ہے اور نیکیاں بھی، اور اس کی نیکیاں اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں، خواہ اسے ان خطاؤں پر توبہ واستغفار کرنے کا موقع نہ ملا ہو، بلکہ وہ انھیں بھول بھی چکا ہو۔ اسی طرح ایک شخص پر دنیا میں جتنی بھی تکلیفیں اور مصیبتیں اور بیماریاں اور طرح طرح کی رنج وغم پہنچانے والی آفات آتی ہیں وہ سب اس کی خطاؤں کا بدل بن جاتی ہیں۔ اسی بنا پر گناہوں کی معافی کا ذکر توبہ قبول کرنے سے الگ کیا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ کے بغیر خطا بخشی کی یہ رعایت صرف اہل ایمان کے لیے ہے اور اہل ایمان میں بھی صرف ان کے لیے جو سرکشی وبغاوت کے ہر جذبے سے خالی ہوں اور جن سے گناہوں کا صدور بشری کمزوری کی وجہ سے ہوا ہو نہ کہ استکبار اور معصیت پر اصرار کی بنا پر۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۱)

۸۸-شَدِيْدُ الْعِقَابِ: سخت سزا دینے والا

اس صفت کا ذکر کر کے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ جتنا رحیم ہے، بغاوت وسرکشی کا رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے اتنا ہی سخت ہے۔ جب کوئی شخص یا گروہ ان تمام حدود سے گزر جاتا ہے جہاں تک وہ اس کے درگزر اور اس کی خطا بخشی کا مستحق ہو سکتا ہے، تو پھر وہ اس کی سزا کا مستحق بنتا ہے، اور اس کی سزا ایسی ہولناک ہے کہ صرف ایک احمق انسان ہی اس کو قابل برداشت سمجھ سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۱)

۸۹-ذُو الطَّوْلِ :بڑا صاحب فضل

یعنی کشادہ دست، غنی اور فیاض ہے۔ تمام مخلوقات پر اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی ہمہ گیر بارش ہر آن ہو رہی ہے۔ بندوں کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اسی کے فضل و کرم سے مل رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، المومن، حاشیہ:۱)

۹۰-رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ :بلند درجوں والا

سورۃ المومن آیت ۱۵ میں ارشاد ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ، ذُو الْعَرْشِ۔

''وہ بلند درجوں والا ، مالک عرش ہے۔''

تمام موجودات سے اس کا مقام بدرجہا بلند ہے۔ کوئی ہستی بھی جو اس کائنات میں موجود ہے، خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا نبی یا ولی، یا اور کوئی مخلوق اس کا مقام دوسری مخلوقات کے مقابلے میں چاہے کتنا ہی ارفع و اشرف ہو مگر اللہ تعالیٰ کے بلند ترین مقام سے اس کے قریب ہونے تک کا تصور نہیں کیا جا سکتا کجا کہ خدائی صفات و اختیارات میں اس کے شریک ہونے کا گمان کیا جا سکے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، المومن، حاشیہ:۲۳)

۹۱-سَرِيعُ الْحِسَابِ :بہت جلد حساب لینے والا

سورہ بقرہ آیت ۲۰۲ میں ارشاد ہے:

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

''ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔''

سورہ آل عمران آیت ۱۹ میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِآيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

''جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایت کی اطاعت سے انکار کر دے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔''

سورۃ المائدہ آیت ۴ میں ارشاد گرامی ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

''اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو، اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔''

سورۃ الرعد آیت ۴۱ میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

''اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے اور اسے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔''

سورہ ابراہیم آیت ۵۱ میں ارشاد ہے:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

''یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر متنفس کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔''

سورہ نور آیت ۳۹ میں ارشاد ہے:

وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ، وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

''وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔''

جو لوگ کفر و نفاق کے باوجود بظاہر کچھ نیک اعمال بھی کرتے ہوں اور فی الجملہ آخرت کے بھی قائل ہوں اور اس خیال خام میں مبتلا ہوں کہ ایمان صادق اور صفات اہل ایمان اور اطاعت واتباع رسول کے بغیر ان کے یہ اعمال آخرت میں ان کے لیے کچھ مفید ہوں گے۔ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے جن ظاہری ونمائشی اعمال خیر سے آخرت میں فائدے کی امید رکھتے ہوں ان کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر جس طرح پیاسا یہ سمجھتا ہے کہ پانی کا ایک تالاب موجیں مار رہا ہے اور منہ اٹھائے اس کی طرف پیاس بجھانے کی امید لیے ہوئے دوڑتا چلا جاتا ہے اسی طرح تم ان اعمال کے جھوٹے بھروسے پر موت کی منزل کا سفر کرتے چلے جا رہے ہو۔مگر جس طرح سراب کی طرف دوڑنے والا جب اس جگہ پہنچتا ہے جہاں اسے تالاب نظر آرہا تھا تو کچھ نہیں پاتا، اسی طرح جب تم منزل موت میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہاں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کا تم کوئی فائدہ اٹھا سکو، بلکہ اس کے برعکس اللہ تمہارے کفر و نفاق، اور ان بداعمالیوں کا جو تم ان نمائشی نیکیوں کے ساتھ کر رہے تھے، حساب لینے اور پورا پورا بدلہ دینے کے لیے موجود ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النور، حاشیہ: ۶۷)

سورۃ المومن آیت ۱۷ میں ارشاد ربانی ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۔ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

''آج ہر متنفس کو اس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی۔آج کسی پر ظلم نہ ہوگا اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔''

اللہ کو حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔وہ جس طرح کائنات کی ہر مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہا ہے اور کسی کی رزق رسانی کے انتظام میں اس کو ایسی مشغولیت نہیں ہوتی کہ دوسروں کو رزق دینے کی اسے فرصت نہ ملے، وہ جس طرح کائنات کی ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، ساری آوازوں کو بیک وقت سن رہا ہے، تمام چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملات کی بیک وقت تدبیر کر رہا ہے، اور کوئی چیز اس کی توجہ کو اس طرح جذب نہیں کر لیتی کہ اسی وقت وہ دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کر سکے، اُسی طرح وہ ہر ہر فرد کا بیک وقت محاسبہ بھی کر لے گا اور ایک مقدمے کی سماعت کرنے میں اسے ایسی مشغولیت لاحق نہ ہوگی کہ اُسی وقت دوسرے بے شمار مقدمات کی سماعت نہ کر سکے۔پھر اس کی عدالت میں اس بنا پر بھی کوئی تاخیر نہ ہوگی کہ واقعات مقدمہ کی تحقیق اور اس کے لیے شہادتیں فراہم ہونے میں وہاں کوئی مشکل پیش آئے۔حاکم عدالت براہ راست خود تمام حقائق سے واقف ہوگا۔ہر فریق مقدمہ اس کے سامنے بالکل بے نقاب ہوگا۔اور واقعات کی کھلی کھلی

ناقابل انکار شہادتیں چھوٹی سے چھوٹی جزئی تفصیلات تک کے ساتھ بلا تاخیر پیش ہو جائیں گی۔ اس لیے ہر مقدمے کا فیصلہ جھٹ پٹ ہو جائے گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المومن، حاشیہ: ۲۹)

۹۲- فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کے خالق، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا

سورۃ الانعام آیت ۱۴ میں ارشاد ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

''کہو، اللہ کو چھوڑ کر کیا کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں؟ اُس خدا کو چھوڑ کر جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔''

مشرکوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ سب اپنے ان بندوں کو رزق دینے کے بجائے اُلٹا ان سے رزق پانے کے محتاج ہیں۔ کوئی فرعون خدائی کے ٹھاٹھ نہیں جما سکتا جب تک اس کے بندے اسے ٹیکس اور نذرانے نہ دیں۔ کسی صاحب قبر کی شان معبودیت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اس کے پرستار اس کا شاندار مقبرہ تعمیر نہ کریں۔ کسی دیوتا کا دربار خداوندی سج نہیں سکتا جب تک اس کے پجاری اس کا مجسمہ بنا کر کسی عالی شان مندر میں نہ رکھیں اور اس کو تزئین و آرائش کے سامانوں سے آراستہ نہ کریں۔ سارے بناوٹی خدا بیچارے خود اپنے بندوں کے محتاج ہیں صرف ایک خداوند عالم ہی وہ حقیقی خدا ہے جس کی خدائی آپ اپنے بل بوتے پر قائم ہے اور جو کسی کی مدد کی محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۱۰)

سورہ ابراہیم آیت ۱۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

''ان کے رسولوں نے کہا'' کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔''

رسولوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ہر زمانے کے مشرکین خدا کی ہستی کو مانتے تھے اور یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق وہی ہے۔ اسی بنیاد پر رسولوں نے فرمایا کہ آخر تمہیں شک کس چیز میں ہے؟ ہم جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دیتے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ فاطر السمٰوٰت والارض تمہاری بندگی کا حقیقی مستحق ہے۔ پھر کیا اللہ کے بارے میں تم کو شک ہے؟ (تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، حاشیہ: ۱۷)

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱ میں ارشاد گرامی ہے:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔

''آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے۔''

سورہ فاطر: ۱ میں ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔

''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے۔''

۹۳-بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ: آسمانوں اور زمین کا موجد

سورہ بقرہ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ۔

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے۔''

سورۃ الانعام آیت ۱۰۱ میں ارشاد ہے:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔

''وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے۔''

آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حدوحساب اجرام فلکی کو تھامے ہوئے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے ہے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، الرعد، حاشیہ:۲)

صرف یہی نہیں کہ (آسمان اور زمین) اس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آگئے ہیں، بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا اور ان کے اندر ایک عظیم الشان کارگاہ ہستی کا پیہم چلتے رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اگر اس کا حکم انھیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہوجائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم حاشیہ:۳۶)

حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ زمین و آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بلکہ درحقیقت وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے جو زمین اور آسمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے اپنی یہ کائنات بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دی ہے کہ جو چاہے اس کا، یا اس کے کسی حصے کا مالک بن بیٹھے۔ اپنی خلق کا وہ آپ ہی مالک ہے اور ہر چیز جو اس کائنات میں موجود ہے وہ اس کی ملک ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، لقمان، حاشیہ:۴۶)

اس پوری کائنات کا اور اس کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی ذات کے سوا ہر دوسری چیز جو یہاں پائی جاتی ہے مخلوق ہے اور اللہ اس دنیا کو بنا دینے کے بعد کہیں جاکر سو بھی نہیں گیا ہے، بلکہ اپنی اس سلطنت کا تخت نشین اور حاکم و فرماں روا بھی وہ آپ ہی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، حاشیہ:۸)

تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم اسی مادّے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دور دراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے اور ان کے فاصلے ناپتے اور ان کی حرکات کا حساب لگاتے۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق اور ایک ہی فرماں روا کی سلطنت ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، یٰس، حاشیہ:۳۷)

سورہ حٰم السجدہ آیت ۱۱ میں ارشاد ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰىۤ اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ۔

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔''

دھوئیں سے مراد مادّے کی وہ ابتدائی حالت ہے جس میں وہ کائنات کی صورت گری سے پہلے ایک بے شکل منتشر الاجزاء غبار کی طرح فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ موجودہ زمانے کے سائنسدان اسی کو سحابیے سے تعبیر کرتے ہیں اور آغاز کائنات کے متعلق ان کا تصور بھی یہی ہے کہ تخلیق سے پہلے وہ مادہ جس سے کائنات بنی ہے، اسی دخانی یا سحابی شکل میں منتشر تھا۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ: ۱۴)

۹۴-نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ :ساری کائنات کا نور

سورہ نور میں ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔

آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم ''کائنات'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نور ہے۔

نور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیاء کا ظہور ہوتا ہے، یعنی جو آپ سے آپ ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے۔ انسان کے ذہن میں نور اور روشنی کا اصل مفہوم یہی ہے۔ کچھ نہ سوجھنے کی کیفیت کا نام انسان نے اندھیرا اور تاریکی اور ظلمت رکھا ہے، اور اس کے برعکس جب سب کچھ سجھائی دینے لگے اور ہر چیز ظاہر ہو جائے تو آدمی کہتا ہے کہ روشنی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''نور'' کا استعمال اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے، نہ اس معنی میں کہ معاذ اللہ وہ کوئی شعاع ہے جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اور ہماری آنکھ کے پردے پر پڑ کر دماغ کے مرکز بینائی کو متاثر کرتی ہے۔ روشنی کی یہ مخصوص کیفیت اس معنی کی حقیقت میں شامل نہیں ہے جس کے لیے انسانی ذہن نے یہ لفظ اختراع کیا ہے، بلکہ اس پر اس لفظ کا اطلاق ہم ان روشنیوں کے لحاظ سے کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کے اندر ہمارے تجربے میں آتی ہیں۔ اسی طرح ''نور'' کے متعلق یہ خیال کرنا محض ایک تنگ خیالی ہے کہ اس کے معنی کا مصداق صرف اس شعاع ہی کی صورت میں پایا جا سکتا ہے جو کسی چمکنے والے جرم سے نکل کر آنکھ کے پردے پر منعکس ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا مصداق اس محدود معنی میں نہیں ہے بلکہ مطلق معنی میں ہے، یعنی کائنات میں وہی ایک اصل ''سبب ظہور'' ہے۔ باقی یہاں تاریکی اور ظلمت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسری روشنی دینے والی چیزیں بھی اسی کی بخشی ہوئی روشنی سے روشن اور روشن گر ہیں، ورنہ ان کے پاس اپنا کچھ نہیں جس سے وہ یہ کرشمہ دکھا سکیں۔

نور کا لفظ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جہل کو تاریکی اور ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی کائنات کا نور ہے کہ یہاں حقائق کا علم اور راہ راست کا علم اگر مل سکتا ہے تو اسی سے مل سکتا ہے۔ اس سے فیض حاصل کیے بغیر جہالت کی تاریکی اور نتیجۃً ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النور، حاشیہ: ۶۲)

اللہ کو ''نور'' کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ اس کی حقیقت ہی بس ''نور'' ہونا ہے۔ حقیقت میں تو وہ ایک ذات کامل و اکمل ہے جو صاحب علم، صاحب قدرت، صاحب حکمت وغیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نور بھی ہے۔ لیکن خود اس کو نورِ محض اس کے کمال نورانیت کی وجہ سے کہا گیا ہے جیسے کسی کے کمالِ فیاضی کا حال بیان کرنے کے لیے اس کو خود فیض کہہ دیا جائے، یا اس کے کمالِ خوبصورتی کا وصف بیان کرنے کے لیے خود اسی کو حسن کے لفظ سے تعبیر کر دیا جائے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، النور، حاشیہ: ۶۵)

اللہ کا یہ نور مطلق (جس کا کوئی مدّ مقابل نہیں، جو کبھی زائل نہیں ہوتا، جو سدا ایک ہی شان سے ہر طرف چھایا رہتا ہے) سارے جہان کو منور کر رہا ہے، مگر اس کا ادراک ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے ادراک کی توفیق اور اس کے فیض سے مستفیض ہونے کی نعمت اللہ ہی جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ ورنہ جس طرح اندھے کے لیے دن اور رات برابر ہیں، اسی طرح بے بصیرت انسان کے لیے بجلی اور سورج اور چاند اور تاروں کی روشنی تو روشنی ہے مگر اللہ کا نور اس کو سجھائی نہیں دیتا۔ اس پہلو سے اس بدنصیب کے لیے کائنات میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ آنکھوں کا اندھا اپنے پاس کی چیز نہیں دیکھ سکتا، یہاں تک کہ جب اس سے ٹکرا کر چوٹ کھا جاتا ہے تب اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز یہاں موجود تھی۔ اسی طرح بصیرت کا اندھا ان حقیقتوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا جو عین اس کے پہلو میں اللہ کے نور سے جگمگا رہی ہوں۔ اسے ان کا پتہ صرف اس وقت چلتا ہے جب وہ ان سے ٹکرا کر اپنی شامت میں گرفتار ہو چکا ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النور، حاشیہ: ۶۶)

۹۵-مَالِكُ الْمُلْكِ: ملک کا مالک

کائنات کے تخت سلطنت کا مالک ہے۔

اس پورے نظام (یعنی نظام کائنات) کا خالق، مالک، حاکم اور رب صرف ایک خدا ہے۔ اور اس حقیقت کے مقابلے میں باطل یہ ہے کہ اسے بہت سے خداؤں کی مشترک سلطنت سمجھا جائے، یا یہ خیال کیا جائے کہ ایک بڑے خدا کی خدائی میں دوسرے چھوٹے چھوٹے خداؤں کا بھی کچھ دخل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، حاشیہ: ۱۸)

یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کائنات کی مختلف قوتوں اور مختلف حصوں کے خالق اور مالک الگ الگ خدا ہوتے اور پھر ان کے درمیان ایسا مکمل تعاون ہوتا جیسا کہ تم اس پورے نظام عالم کی بے شمار قوتوں اور بے حد وحساب چیزوں میں اور ان گنت تاروں اور سیاروں میں پا رہے ہو۔ نظام کی باقاعدگی اور اجزائے نظام کی ہم آہنگی، اقتدار کی مرکزیت و وحدت پر خود دلالت کر رہی ہے۔ اگر اقتدار بٹا ہوا ہوتا تو اصحاب اقتدار میں اختلاف رونما ہونا یقیناً ناگزیر تھا۔ اور یہ اختلاف ان کے درمیان جنگ اور تصادم تک پہنچے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ یہی مضمون سورہ انبیاء میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا الِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (ایت: ۲۲)

''اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔''

اور یہی استدلال سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ:

لَوْ كَانَ مَعَهٗٓ الِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّا بْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔ (ایت: ۴۲)

''اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔''

کائنات کا پورا نظام، زمین کی تہوں سے لے کر بعید ترین سیاروں تک، ایک ہمہ گیر قانون پر چل رہا ہے۔ یہ ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتا اگر اس کی بے شمار مختلف قوتوں اور بے حد و حساب چیزوں کے درمیان تناسب اور توازن اور ہم آہنگی اور تعاون نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کوئی اٹل اور غالب و قاہر ضابطہ ان بے شمار اشیاء اور قوتوں کو پوری مناسبت کے ساتھ باہم تعاون کرتے رہنے پر مجبور کر رہا ہو۔ اب یہ کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرماں رواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی کے ساتھ چل سکے؟ نظم کا وجود خود ہی ناظم کی وحدت کو مستلزم ہے۔ قانون اور ضابطہ کی ہمہ گیری آپ ہی اس بات پر شاہد ہے کہ اختیارات ایک ہی حاکم میں مرکوز ہیں اور وہ حاکمیت مختلف حاکموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الانبیاء، حاشیہ: ۲۲)

اس لیے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو وہ سب اپنی اپنی جگہ مستقل خدا ہوں۔ یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو، اور باقی اس کے بندے ہوں جنھیں اس نے کچھ خدائی اختیارات دے رکھے ہوں۔ پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد و خود مختار خدا ہمیشہ، ہر معاملے میں ایک دوسرے کے ارادے سے موافقت کر کے اس اتھاہ کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی، یکسانیت اور تناسب و توازن کے ساتھ چلا سکتے۔ ناگزیر تھا کہ ان کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ہر ایک اپنی خدائی دوسرے خداؤں کی موافقت کے بغیر چلتی نہ دیکھ کر یہ کوشش کرتا کہ وہ تنہا ساری کائنات کا مالک بن جائے۔ رہی دوسری صورت، تو بندے کا ظرف خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبے تک کا تحمل نہیں کر سکتا۔ اگر کہیں کسی مخلوق کی طرف ذرا سی خدائی بھی منتقل کر دی جاتی تو وہ پھٹ پڑتا، چند لمحوں کے لیے بھی بندہ بن کر رہنے پر راضی نہ ہوتا، اور فوراً ہی خداوند عالم بن جانے کی فکر شروع کر دیتا۔

جس کائنات میں گیہوں کا ایک دانہ اور گھاس کا ایک تنکا بھی اس وقت تک پیدا نہ ہوتا ہو جب تک کہ زمین و آسمان کی ساری قوتیں مل کر اس کے لیے کام نہ کریں، اس کے متعلق صرف ایک انتہا درجے کا جاہل اور کند ذہن آدمی ہی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس کی فرماں روائی ایک سے زائد خود مختار یا نیم خود مختار خدا کر رہے ہوں گے۔ ورنہ جس نے کچھ بھی اس نظام کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہاں خدائی بالکل ایک ہی کی ہے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۴۷)

سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۱۱ میں ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔

''اور کہو! تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے، اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو۔''

مشرکین مختلف دیوتاؤں اور بزرگ انسانوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں نے اپنی خدائی کے مختلف شعبے یا اپنی سلطنت کے مختلف علاقے ان کے انتظام میں دے رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ خود اپنی خدائی کا بار سنبھالنے سے عاجز ہے اس لیے وہ اپنے پشتیبان تلاش کر رہا ہے۔ اسی بنا پر اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ عاجز نہیں ہے کہ اسے کچھ ڈپٹیوں اور مددگاروں کی حاجت ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۱۲۵)

۹۶-ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ : جلیل وکریم ذات

سورۃ الرحمٰن کی دو آیات میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی جگہ آیت ۲۷ میں:

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

''صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔''

دوسری جگہ آیت ۷۸ میں:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

''بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل وکریم کا نام۔''

لافانی اور لازوال تو صرف اس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ اب اگر تم میں سے کوئی شخص ہم چومن دیگرے نیست کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے۔ اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بےوقوف کبریائی کے ڈنکے بجا لے، یا چند بندے جو اس کے ہتھے چڑھیں، ان کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں جن میں زمین کی حیثیت ایک مٹر کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس ساٹھ برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصۂ ماضی بن کر رہ جائے، وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پھولے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۲۵)

۹۷-الْقَابِضُ : گھٹانے والا، سمیٹنے والا

سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۵ میں ارشادِ ربّانی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔''

قرآن مجید میں زمین اور آسمان پر اللہ تعالیٰ کے کامل اقتدار و تصرف کی تصویر کھینچنے کے لیے مٹھی میں ہونے اور ہاتھ پر لپٹے ہونے کا استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے جس طرح ایک آدمی کسی چھوٹی سی گیند کو مٹھی میں دبا لیتا ہے اور اس کے لیے یہ ایک معمولی کام ہے، یا ایک شخص ایک رومال کو لپیٹ کر ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کے لیے یہ کوئی زحمت طلب کام نہیں ہوتا،

اُسی طرح قیامت کے روز تمام انسان جو آج اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں، اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زمین اور آسمان اللہ کے دست قدرت میں ایک حقیر گیند اور ایک ذرا سے رومال کی طرح ہیں۔ مسند احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایات منقول ہوئی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دوران خطبہ میں یہ آیت وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: ۶۷) تلاوت فرمائی اور فرمایا اللہ آسمانوں اور زمینوں (یعنی سیاروں) کو اپنی مٹھی میں لے کر اس طرح پھرائے گا جیسے ایک بچہ گیند پھراتا ہے، اور فرمائے گا میں ہوں خدائے واحد، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں کبریائی کا مالک، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں جبّار؟ کہاں ہیں متکبر؟ یہ کہتے کہتے حضورؐ پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپؐ منبر سمیت گر نہ پڑیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، حاشیہ: ۷۶)

سورہ فرقان آیت ۴۶ میں ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا۔

''اور ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔''

غفلت میں پڑے ہوئے مشرکین اگر دنیا میں جانوروں کی طرح نہ جیتے اور کچھ عقل و ہوش کی آنکھوں سے کام لیتے تو یہی سایہ جس کا تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو تمہیں یہ سبق دینے کے لیے کافی تھا کہ نبی جس توحید کی تعلیم تمہیں دے رہا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ تمہاری ساری زندگی اسی سائے کے مدّ و جزر سے وابستہ ہے۔ ابدی سایہ ہو جائے تو زمین پر کوئی جاندار مخلوق، بلکہ نباتات تک باقی نہ رہ سکے، کیونکہ سورج کی روشنی و حرارت پر ہی ان سب کی زندگی موقوف ہے۔ سایہ بالکل نہ رہے تب بھی زندگی محال ہے، کیونکہ ہر وقت سورج کے سامنے رہنے اور اس کی شعاعوں سے کوئی پناہ نہ پا سکنے کی صورت میں نہ جاندار زیادہ دیر تک باقی رہ سکتے ہیں نہ نباتات، بلکہ پانی تک کی خیر نہیں۔ دھوپ اور سائے میں یک لخت تغیرات ہوتے رہیں تب بھی زمین کی مخلوقات ان جھٹکوں کو زیادہ دیر تک نہیں سہار سکتی۔ مگر ایک صانع اور قادر مطلق ہے جس نے زمین اور سورج کے درمیان ایسی مناسبت قائم کر رکھی ہے جو دائماً ایک لگے بندھے طریقے سے آہستہ آہستہ سایہ ڈالتی اور بڑھاتی گھٹاتی ہے اور بتدریج دھوپ نکالتی اور چڑھاتی اتارتی رہتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۵۹)

۹۸-اَلْبَاسِطُ : کشادہ کرنے والا، پھیلانے والا

سورۃ الرعد آیت ۲۶ میں ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔

''اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔''

سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔

''تمہارا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔''

سورۃ القصص آیت ۸۲ میں ارشاد ہے:

وَیْکَاَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ۔

''افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔''

سورۃ العنکبوت آیت ۶۲ میں ارشاد ہے:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ۔

''اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔''

سورۃ الروم آیت ۳۷ میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کا چاہتا ہے)''

سورہ سبا آیت ۳۶ میں ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔

''اے نبیؐ! ان سے کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا عطا کرتا ہے۔''

اسی سورہ کی ۳۹ ویں آیت میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ یَقْدِرُ۔

''اے نبیؐ! ان سے کہو، ''میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔''

سورۃ الزمر آیت ۵۲ میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔

''اور کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے؟''

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۲ میں ارشاد ہے:

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ، اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

''جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے۔''

رزق کی کمی وبیشی اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیت الٰہی کے تحت اچھے اور برے ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ خدا کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اس کا انکار کرنے والے بھی۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ بندہ ہے، اور نہ اس کی تنگی اس امر کی علامت ہے کہ آدمی اس کا مغضوب

ہے۔مشیت کے تحت ایک ظالم اور بے ایمان آدمی پھلتا پھولتا ہے، حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے۔اور اس کے برعکس مشیت ہی کے تحت ایک سچا اور ایمان دار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو پسند ہیں۔لہٰذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادّی فوائد و منافع کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔اصل چیز خدا کی رضا ہے، اور وہ ان اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ان اوصاف کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ خدا کا فضل ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔لیکن اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے خدا کا باغی و نافرمان بندہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت باز پرس اور بدترین عذاب کے لیے تیار ہو رہا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، سبا، حاشیہ:۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان رزق کی بخشش میں کم و بیش کا جو فرق رکھا ہے انسان اس کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا تقسیم رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہیے۔فطری نامساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا، یا اس نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں ہی یکساں غلط ہیں۔ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے طریق تقسیم رزق سے قریب تر ہو۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ:۳۰)

۹۹-اَلْخَافِضُ : گرانے والا

۱۰۰-اَلرَّافِعُ : بلند کرنے والا، اٹھانے والا

یہ دونوں اسماء قرآن مجید میں بطور اسمائے باری تعالیٰ وارد نہیں ہوئے۔

سورہ مجادلہ آیت ۱۱ میں ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔

''تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔''

اللہ کے ہاں جھوٹے اور خبیث اور مفسدانہ اقوال کو کبھی عروج نصیب نہیں ہوتا۔اس کے ہاں تو صرف وہ قول عروج پاتا ہے جو سچا ہو، پاکیزہ ہو، حقیقت پر مبنی ہو، اور جس میں نیک نیتی کے ساتھ ایک صالح عقیدے اور ایک صحیح طرزِ فکر کی ترجمانی کی گئی ہو۔پھر جو چیز ایک پاکیزہ کلمے کو عروج کی طرف لے جاتی ہے وہ قول کے مطابق عمل ہے۔جہاں قول بڑا پاکیزہ ہو مگر عمل اس کے خلاف ہو وہاں قول کی پاکیزگی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔محض زبان کے پھاگ اڑانے سے کوئی کلمہ بلند نہیں ہوتا۔اسے عروج پر پہنچانے کے لیے عمل صالح کا زور درکار رہتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ:۲۱)

بلند مرتبہ اللہ کے ہاں اس کا ہے جس نے آپ ؐ کی صحبت سے ایمان اور علم کا سرمایہ حاصل کیا اور وہ اخلاق سیکھے جو ایک مومن میں ہونے چاہئیں۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، حاشیہ:۲۸)

ا ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

سورۃ الرحمٰن آیت ۷ میں ارشاد ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا۔

''آسمان کو اس نے بلند کیا۔''

سورۃ الغاشیہ آیت ۱۸ میں ارشاد ہے:

وَإِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ۔

''آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟''

سورہ یوسف آیت ۷۶ میں ارشاد ہے:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔

''ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔''

ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر بلند درجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کبھی بشری کمزوری کی بنا پر خود کسی لغزش میں مبتلا ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کو بچانے کا انتظام فرمادے۔ ایسا بلند مرتبہ صرف انھیں لوگوں کو ملا کرتا ہے جو اپنی سعی و عمل سے بڑی بڑی آزمائشوں میں اپنا محسن ہونا ثابت کر چکے ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یوسف، حاشیہ: ۶۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سورۃ الانعام آیت ۸۳ میں ارشاد ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔

''یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔''

سورۃ الرعد آیت ۲ میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔''

آسمانوں کو غیر محسوس اور غیر مرئی سہاروں پر قائم کیا۔ بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حدو حساب اجرامِ فلکی کو تھامے ہو۔ مگر ایک غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام و مدار پر روکے ہوئے ہے اور عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔ (تفہیم القرآن، ج۲، الرعد، حاشیہ: ۲)

انبیائے کرام کے درجات اور مراتب کے بارے میں سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۳ میں ارشاد ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔

''یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے۔''

سورۃ الزخرف آیت ۳۲ میں ارشاد ہے:

وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا۔

''اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔''

انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ اور جس پر ہماری طرف سے ادبار آ جاتا ہے اسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الزخرف، حاشیہ: ۳۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آل عمران آیت ۵۵ میں ارشاد ہے:

وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔

''اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔''

اور سورہ نساء آیت ۱۵۸ میں ہے:

بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ۔

''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔''

اس میں جزم اور صراحت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کامیاب نہیں ہوئے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، النساء، حاشیہ: ۱۹۵)

(نبی علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے) وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (الم نشرح آیت ۴) ''اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔''

یہ بات اس زمانے میں فرمائی گئی تھی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جس فردِ فرید کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہیں اور وہ بھی صرف شہر مکہ تک محدود ہیں اس کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہوگا اور کیسی ناموری اس کو حاصل ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں اپنے رسول علیہ السلام کو یہ خوش خبری سنائی اور پھر عجیب طریقہ سے اس کو پورا کیا۔ سب سے پہلے آپؐ کے رفع ذکر کا کام اس نے خود آپؐ کے دشمنوں سے لیا۔ کفار مکہ نے آپؐ کو زک دینے کے لیے جو طریقے اختیار کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ حج کے موقعہ پر جب تمام عرب سے لوگ کھچ کھچ کر ان کے شہر میں آتے تھے، اس زمانہ میں کفار کے وفود حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جاتے اور لوگوں کو خبردار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمد (علیہ السلام) نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر اور بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے، اس لیے ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ یہی باتیں وہ ان سب لوگوں سے بھی کہتے تھے جو حج کے سوا دوسرے دنوں میں زیارت یا کسی کاروبار کے سلسلے میں مکہ آتے تھے۔ اس طرح اگرچہ وہ حضورؐ کو بدنام کر رہے تھے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشے گوشے میں آپؐ کا نام پہنچ گیا اور مکہ کے گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپؐ کو تمام ملک کے قبائل سے متعارف کرا دیا۔ اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ

یہ معلوم کریں کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ اس کے ''جادو'' سے متاثر ہونے والے کون لوگ ہیں اوران پر اس کے ''جادو'' کا آخر کیا اثر پڑا ہے؟ کفار مکہ کا پروپیگنڈہ جتنا جتنا بڑھتا چلا گیا لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کی سیرت وکردار کا حال معلوم ہوا، جب لوگوں نے قرآن سنا اور انھیں پتہ چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپؐ پیش فرمارہے ہیں، اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادو کہا جارہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے عام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر مختلف ہوگئی ہیں، تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی شروع ہوگئی، حتیٰ کہ ہجرت کا زمانہ آنے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دور و نزدیک کے عرب قبائل میں شاید ہی کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کنبے نے اسلام قبول نہ کرلیا ہو، اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اور آپؐ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا نہ ہوگئے ہوں۔ یہ حضورؐ کے رفع ذکر کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ہجرت سے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا جس میں ایک طرف منافقین، یہود، اور تمام عرب کے اکابر مشرکین رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے، اور دوسری طرف مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی، زہد و تقویٰ، طہارت اخلاق، حسن معاشرت، عدل و انصاف، انسانی مساوات، مالداروں کی فیاضی، غریبوں کی خبر گیری، عہد و پیمان کی پاسداری اور معاملات میں راستبازی کا وہ عملی نمونہ پیش کررہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا چلا جارہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعہ سے حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانے کی کوشش کی، مگر آپؐ کی قیادت میں اہل ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم وضبط، اپنی شجاعت، اپنی موت سے بے خوفی اور حالت جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کردی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ ۱۰ سال کے اندر حضورؐ کا رفع ذکر اس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا، اس کا گوشہ گوشہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا سے گونج اٹھا۔ پھر تیسرے مرحلے کا افتتاح خلافت راشدہ کے دور سے ہوا جب آپؐ کا نام مبارک تمام روئے زمین میں بلند ہونا شروع ہوگیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جارہا ہے اور اِن شاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اذان میں بآواز بلند محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ ہورہا ہو، نمازوں میں حضورؐ پر درود نہ بھیجا جارہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپؐ کا ذکر خیر نہ کیا جارہا ہو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضورؐ کا ذکر مبارک نہ ہورہا ہو۔ یہ قرآن کی صداقت کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جس وقت نبوت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اس وقت کوئی شخص یہ اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ یہ رفع ذکر اس شان سے اور اتنے بڑے پیمانے پر ہوگا۔ حدیث میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفع ذکر کیا؟ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، مسند ابی یعلیٰ، ابن المُنذِر، ابن حِبّان، ابن مردویہ، ابونُعَیم، بعد کی پوری تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

(تفہیم القرآن، ج۶، الم نشرح، حاشیہ:۳)

۱۰۱-اَلْمُعِزُّ : عزت دینے والا

سورہ آل عمران آیت ۲۶ میں ارشاد ہے:

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

''جسے چاہے عزت بخشے۔''

سورہ نساء آیت ۱۳۹ میں ارشاد ہے:

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَ ھُمُ الْعِزَّۃَ۔ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا۔

''کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔''

''عزت'' کا مفہوم عربی زبان میں اردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ اردو میں عزت محض احترام اور قدر ومنزلت کے معنی میں آتا ہے۔ مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں لفظ عزت ''نا قابل ہتک حرمت'' کا ہم معنی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ا، النساء، حاشیہ:۱۶۹)

عزت اللہ کے لیے بالذات مخصوص ہے۔ اور رسول کے لیے بر بنائے رسالت، مومنین کے لیے بر بنائے ایمان اور رہے کفار وفساق ومنافقین، تو حقیقی عزت میں سرے سے ان کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، المنافقون، حاشیہ:۱۶)

سورہ فاطر آیت ۱۰ میں ارشاد ہے:

مَنْ کَانَ یُرِیْدُالْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا۔

''جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔''

حقیقی عزت اور پائیدار عزت جو دنیا سے لے کر عقبٰی تک کبھی ذلت آشنا نہیں ہو سکتی صرف خدا کی بندگی میں ہی میسر آ سکتی ہے۔ اس کے ہو جاؤ گے تو وہ تمہیں مل جائے گی اور اس سے منہ موڑو گے تو ذلیل وخوار ہو کر رہو گے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ:۲۰)

جب اللہ ہی کسی کو پیروی حق کی عزّت نہ دے تو پھر کون ہے جو اس کو اس عزّت سے سرفراز کر دے؟
(تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ:۳۴)

۱۰۲-اَلْمُذِلُّ :ذلیل کرنے والا

سورہ اٰلِ عمران آیت ۲۶ میں ارشاد ہے:

وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

''اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔''

جو شخص کھلے کھلے اور روشن حقائق کو آنکھیں کھول کر نہ دیکھے، اور سمجھانے والے کی بات بھی سن کر نہ دے وہ خود ہی

ذلت وخواری کو اپنے اوپر دعوت دیتا ہے، اور اللہ وہی چیز اس کے نصیب میں لکھ دیتا ہے جو اس نے خود مانگی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۳، الحج، حاشیہ:۳۴)

جو شخص تاریخ کو محض واقعات کا مجموعہ ہی نہ سمجھتا ہو بلکہ ان واقعات کی منطق پر بھی کچھ غور کرتا ہو اور ان سے نتائج بھی اخذ کرنے کا عادی ہو، وہ آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہزارہا برس کی انسانی تاریخ میں قوموں اور جماعتوں کا اٹھنا اور گرنا جس تسلسل اور باضابطگی کے ساتھ رونما ہوتا رہا ہے، اور پھر اس گرنے اور اٹھنے میں جس طرح صریحاً کچھ اخلاقی اسباب کار فرما رہے ہیں، اور گرنے والی قومیں جیسی جیسی عبرت انگیز صورتوں سے گری ہیں۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ ہے کہ انسان اس کائنات میں ایک ایسی حکومت کا محکوم ہے جو محض اندھے طبیعاتی قوانین پر فرماں روائی نہیں کر رہی ہے، بلکہ اپنا ایک معقول اخلاقی قانون رکھتی ہے جس کے مطابق وہ اخلاق کی ایک خاص حد سے اوپر رہنے والوں کو جزا دیتی ہے، اس سے نیچے اترنے والوں کو کچھ مدت تک ڈھیل دیتی رہتی ہے، اور جب وہ اس سے بہت زیادہ نیچے چلے جاتے ہیں تو پھر انھیں گرا کر ایسا پھینکتی ہے کہ وہ ایک داستان عبرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۲، ہود، حاشیہ:۱۰۵)

۱۰۳- اَلْعَدْلُ : سراپا عدل

بے لاگ انصاف کرنے والا، اپنی ساری مخلوق پر بلا امتیاز سراسر عدل و انصاف کرنے والا، سب کے لیے یکساں، اس کے ہاں اپنے اور غیر، بڑے اور چھوٹے، غریب اور امیر، شریف اور کمین کے لیے الگ الگ حقوق نہیں ہیں، بلکہ جو کچھ ہے وہ سب کے لیے حق ہے۔ دنیا میں عدل قائم کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرتا ہے۔ ان میں بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کو ختم کرتا ہے۔

عدل جس کا تصوّر دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ 'انصاف' سے ادا کیا جاتا ہے، مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو۔ اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے، مثلاً حقوق شہریت میں، مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات، اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ (تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ:۸۸)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے اس پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے۔ یہ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں، یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم میں کام کر رہی ہیں، اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس جہاں میں پائی جاتی ہیں، ان سب کے درمیان اگر کمال درجہ کا عدل و توازن نہ قائم کیا گیا ہوتا تو یہ کارگاہِ ہستی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چل سکتی تھی۔ خود اس زمین پر کروڑوں برس سے ہوا اور پانی اور خشکی میں جو مخلوقات موجود ہیں اُنھی کو دیکھ لیجیے۔ اُن کی زندگی اسی لیے تو

برقرار ہے کہ ان کے اسباب حیات میں پورا پورا عدل اور توازن پایا جاتا ہے، ورنہ ان اسباب میں ذرہ برابر بھی بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو یہاں زندگی کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۷)

چونکہ تم ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو جس کا سارا نظام عدل پر قائم کیا گیا ہے، اس لیے تمہیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہیے۔ جس دائرے میں تمہیں اختیار دیا گیا ہے اُس میں اگر تم بے انصافی کرو گے، اور جن حق داروں کے حقوق تمہارے ہاتھ میں دیے گئے ہیں اگر تم ان کے حق مارو گے تو یہ فطرت کائنات سے تمہاری بغاوت ہوگی۔ اس کائنات کی فطرت ظلم و بے انصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی۔ یہاں ایک بڑا ظلم تو درکنار، ترازو میں ڈنڈی مار کر اگر کوئی شخص خریدار کے حصے کی ایک تولہ بھر چیز بھی مار لیتا ہے تو میزان عالم میں خلل برپا کر دیتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الرحمٰن، حاشیہ: ۸)

۱۰۴- اَلْکَبِیْرُ: بزرگ

سورۃ الحج آیت ۶۲ میں ہے:

وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ۔

''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ ہی بالا دست اور بزرگ ہے۔''

سورہ لقمان آیت ۳۰ میں ہے:

وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ۔

''اور اسے چھوڑ کر دوسری جن چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں، اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔''

سورہ سبا آیت ۲۳ میں ہے:

قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ۔

''وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔''

سورۃ المومن آیت ۱۲ میں ہے:

وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ۔

''اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے ہاتھ ہے۔''

جب قیامت کے روز کوئی سفارش کرنے والا کسی کے حق میں سفارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلب اجازت کی درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشفوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے، اور کانپتے ہوئے جواب کے منتظر کھڑے ہیں۔ آخر کار جب اوپر سے اجازت آجاتی ہے اور شافع کے چہرے سے مشفوع بھانپ جاتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر شافع سے پوچھتا

ہے۔''کیا جواب آیا؟'' شافع جواب دیتا ہے کہ ٹھیک ہے، اجازت مل گئی ہے۔اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانو! جس بڑے دربار کی یہ شان ہے اس کے متعلق تم کس خیال خام میں پڑے ہوئے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشوالے گا یا کسی کی یہ مجال ہوگی کہ وہاں مچل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ تو میرے متوسل ہیں، انھیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔ (تفہیم القرآن، ج۴، سبا، حاشیہ:۴۱)

۱۰۵-اَلْمُغِیْثُ :فریادرسی کرنے والا

جب انسان پر کوئی بڑی آفت آجاتی ہے، یا موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ سامنے آکھڑی ہوتی ہے، اس وقت ایک خدا کے دامن کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ اسے نظر نہیں آتی۔ بڑے بڑے مشرک ایسے موقع پر اپنے معبودوں کو بھول کر خدائے واحد کو پکارنے لگتے ہیں۔ کٹے سے کٹا دہریہ تک خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۲۹)

یہ بات صرف مشرکین عرب ہی تک محدود نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مشرکین کا بالعموم یہی حال ہے۔ حتّٰی کہ روس کے منکرین خدا جنھوں نے خدا پرستی کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے، ان پر بھی جب گزشتہ جنگ عظیم میں جرمن فوجوں کا نرغہ سخت ہوگیا تو انھیں خدا کو پکارنے کی ضرورت محسوس ہوگئی تھی۔ (تفہیم القرآن، ج۳، النمل، حاشیہ:۷۶)

(ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ) جب مکہ معظّمہ نبی ﷺ کے ہاتھ پر فتح ہوگیا تو عکرمہ جدّہ کی طرف بھاگے اور ایک کشتی پر سوار ہوکر حبش کی راہ لی۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی خطرہ میں پڑگئی۔ اوّل اوّل تو دیویوں اور دیوتاؤں کو پکارا جاتا رہا۔ مگر جب طوفان کی شدت بڑھی اور مسافروں کو یقین ہوگیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی تو سب کہنے لگے کہ یہ وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنے کا نہیں ہے، وہی چاہے تو ہم بچ سکتے ہیں۔ اس وقت عکرمہ کی آنکھیں کھلیں اور ان کے دل نے آواز دی کہ اگر یہاں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں تو کہیں اور کیوں ہو۔ یہی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک بندہ ہمیں بیس برس سے سمجھا رہا ہے اور ہم خواہ مخواہ اس سے لڑ رہے ہیں۔ یہ عکرمہ کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا۔ انھوں نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر میں اس طوفان سے بچ گیا تو سیدھا محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا، چنانچہ انھوں نے اپنے اس عہد کو پورا کیا اور بعد میں آکر نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ اپنی بقیہ عمر اسلام کے لیے جہاد کرتے گزار دی۔ (تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۲۹)

جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے سر رشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اسی کی طرف رجوع کرتے ہو۔ لیکن تمام اختیارات کا مالک اور بھلائی اور برائی کا مختار کل اور قسمتوں کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تسلیم کرنے کے باوجود خدائی میں بلا دلیل وحجت اور بلا ثبوت دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو۔ پلتے ہو اس کے رزق پر اور ان داتا بناتے ہو دوسروں کو، مدد پاتے ہو اس کے فضل وکرم سے اور حامی و ناصر ٹھیراتے ہو دوسروں کو۔ غلام ہو اس کے اور بندگی بجالاتے ہو دوسروں کی۔ مشکل کشائی کرتا ہے وہ، برے وقت پر گڑگڑاتے ہو اس کے سامنے، اور جب وہ وقت گزر جاتا ہے تو تمہارے مشکل کشا بن جاتے ہیں دوسرے اور نذریں اور نیازیں چڑھنے لگتی ہیں دوسروں کے نام کی۔
(تفہیم القرآن، ج۱، الانعام، حاشیہ:۴۱)

تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پوجا گیا، اور وہ تمام جنّ، ارواح، اسلاف، اجداد، انبیاء، اولیا شہداء وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھیرا کر وہ حقوق انھیں ادا کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو، تمہاری کوئی دعا، کوئی التجا، کوئی پکار اور فریاد، کوئی نذر و نیاز، کوئی چڑھاوے کی چیز، کوئی تعریف و مدح اور ہمارے نام کی جاپ اور کوئی سجدہ ریزی و آستانہ بوسی و درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۳۷)

یہ سارے کام اللہ کے ہیں دوسرے کسی کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۳۸)

اللہ کے نیک بندے جب مصائب و شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے شکوہ سنج نہیں ہوتے بلکہ صبر کے ساتھ اس کی ڈالی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ اگر کچھ مدت تک خدا سے دعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اس سے مایوس ہو کر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیں۔ بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا ہے اللہ ہی کے ہاں سے ملنا ہے، اس لیے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اسی کی رحمت کے امیدوار بنے رہتے ہیں۔ اسی لیے ان الطاف و عنایات سے سرفراز ہوتے ہیں جن کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے۔ حتّٰی کہ اگر وہ کبھی مضطرب ہو کر کسی اخلاقی مخمصے میں پھنس بھی جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں برائی سے بچانے کے لیے ایک راہ نکال دیتا ہے جس طرح اس نے حضرت ایوبؑ کے لیے نکال دی۔ (تفہیم القرآن، ج۴، صٓ، حاشیہ:۴۷)

۱۰۶- اَلْمُؤَخِّرُ : مہلت دینے والا، ٹالنے والا

سورہ ابراہیم آیت ۱۰ میں ارشاد باری ہے:

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

”وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے قصور معاف کرے اور تم کو ایک مدت مقرر تک مہلت دے۔“

سورہ ابراہیم آیت ۴۲ میں ہے:

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔

”اللہ تو انھیں ٹال رہا ہے اس دن کے لیے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔“

سورۂ نوح آیت ۴ میں ہے:

لِيَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

”اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا۔“

سورۃ النحل آیت ۶۱ میں ہے:

مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

”روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔“

سورہ فاطر آیت ۴۵ میں ہے:

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

''زمین پر کسی متنفس کو جیتا نہ چھوڑتا مگر وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔''

سورہ ابراہیم آیت ۴۴ میں ہے:

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔

''اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے، ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔''

مدت مقرر سے مراد افراد کی موت کا وقت بھی ہوسکتا ہے اور قیامت بھی۔ جہاں تک قوموں کا تعلق ہے ان کے اٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین ان کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کر لے تو اس کی مہلت عمل گھٹا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے اندر برے اوصاف کو اچھے اوصاف سے بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھا دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہوسکتی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۲، ابراہیم، حاشیہ:۱۸)

(ارشاد باری تعالیٰ ہے) کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ہر قوم کے لیے پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ اس کو سننے، سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے اتنی مہلت دی جائے گی، اور اس حد تک اس کو شرارتوں اور خباثتوں کے باوجود پورے تحمل کے ساتھ اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ یہ مہلت جب تک باقی رہتی ہے، اور ہماری مقرر کی ہوئی حد جس وقت تک آ نہیں جاتی، ہم ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ (تفہیم القران، ج۲، الحجر، حاشیہ:۲)

اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے۔ اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت رسول کی دعوت کسی شخص یا گروہ کو پہنچی اسی وقت جو ایمان لے آیا بس وہ تو رحمت کا مستحق قرار پایا اور جس کسی نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تأمل کیا اس پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔ نہیں، اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد وہ ہر فرد کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق اور ہر گروہ اور قوم کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی وقت دیتا ہے۔ یہ مہلت کا زمانہ بسا اوقات صدیوں تک دراز ہوتا ہے اور اس بات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت ملنی چاہیے۔ پھر جب وہ مہلت، جو سراسر انصاف کے ساتھ اس کے لیے رکھی گئی تھی، پوری ہو جاتی ہے اور وہ شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتا، تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لحہ کے لیے ٹل سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۵۸)

۱۰۷- اَلْمُقَدِّمُ : پہلے ہی خبردار کرنے والا

سورہ قٓ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ۔

''ارشاد ہوا میرے حضور جھگڑا نہ کرو، میں تم کو پہلے ہی انجام بد سے خبردار کر چکا تھا۔''

(گمراہ) شخص اور اس کا شیطان، دونوں خدا کی عدالت میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ حضور، یہ ظالم میرے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اسی نے آخر کار مجھے گمراہ کر کے چھوڑا، اس لیے سزا اس کو ملنی چاہیے۔ اور شیطان جواب میں کہتا ہے کہ سرکار، میرا اس پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ یہ سرکش نہ بننا چاہتا ہو اور میں نے زبردستی اس کو سرکش بنا دیا ہو۔ یہ کم بخت تو خود نیکی سے نفور اور بدی پر فریفتہ تھا۔ اسی لیے انبیاء کی کوئی بات اسے پسند نہ آئی اور میری ترغیبات پر پھسلتا چلا گیا۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، حاشیہ: ۳۴)

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ تم دونوں ہی کو میں نے متنبہ کر دیا تھا کہ تم میں سے جو بہکائے گا وہ کیا سزا پائے گا اور جو بہکے گا اسے کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری اس تنبیہ کے باوجود جب تم دونوں اپنے اپنے حصے کا جرم کرنے سے باز نہ آئے تو اب جھگڑنے سے حاصل کیا ہے۔ بہکنے والوں کو بہکنے کی اور بہکانے والے کو بہکانے کی سزا تو اب لازماً ملنی ہی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۵، قٓ، حاشیہ: ۳۵)

۱۰۸۔ اَلْمُبْدِئُ: ابتداءً وجود بخشنے والا

سورہ یونس آیت ۴ میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ۔

''بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔''

سورۃ البروج آیت ۱۳ میں ہے:

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ۔

''وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔''

نوعِ انسانی کو ابتداءً وجود بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر ہر انسان کو وجود عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ عورت کے رحم میں نطفے کو ٹھیرانا، پھر اس خفیف سے حمل کو پرورش کر کے ایک زندہ بچے کی صورت دینا، پھر اس بچے کے اندر طرح طرح کی قوتیں اور قابلیتیں ودیعت کرنا اور اس کو صحیح و سالم انسان بنا کر پیدا کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

(تفہیم القرآن)

جب تمہاری ابتدا کا سرا بھی اللہ کے ہاتھ میں اور انتہا کا سرا بھی اسی کے ہاتھ میں، تو خود اپنے خیر خواہ بن کر سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جا رہا ہے کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں اللہ کے سوا کسی اور کو تمہاری بندگیوں اور نیازمندیوں کا حق پہنچ گیا ہے۔ یہ ابتدائے خلق اور اعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۴۲)

سورۃ النمل آیت ۶۴ میں ارشاد ہے:

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ۔

''اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟''

یہ سادہ سی بات جس کو ایک جملے میں بیان کر دیا گیا ہے اپنے اندر ایسی تفصیلات رکھتی ہے کہ آدمی ان کی گہرائی میں جتنی دور تک اترتا جاتا ہے اتنے ہی وجود الٰہ اور وحدتِ الٰہ کے شواہد اسے ملتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے تو بجائے خود تخلیق ہی کو دیکھیے۔ انسان کا علم آج تک یہ راز نہیں پا سکا کہ زندگی کیسے اور کہاں سے آتی ہے۔ اس وقت تک مسلّم سائنٹیفک حقیقت یہی ہے کہ بے جان مادّے کی محض ترکیب سے خود بخود جان پیدا نہیں ہو سکتی۔ حیات کی پیدائش کے لیے جتنے عوامل درکار ہیں ان سب کا ٹھیک تناسب کے ساتھ بالکل اتفاقاً جمع ہو کر زندگی کا آپ سے آپ وجود میں آ جانا دہریوں کا ایک غیر علمی مفروضہ تو ضرور ہے، لیکن اگر ریاضی کے قانون بخت و اتفاق (Law of Change) کو اس پر منطبق کیا جائے تو اس کے وقوع کا امکان صفر سے زیادہ نہیں نکلتا۔ اب تک تجربی طریقے پر سائنس کے معملوں (Laboratories) میں بے جان مادّے سے جاندار مادّہ پیدا کرنے کی جتنی کوششیں بھی کی گئی ہیں، تمام ممکن تدابیر استعمال کرنے کے باوجود وہ سب قطعی ناکام ہو چکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پیدا کی جا سکی ہے وہ صرف وہ مادّہ ہے جسے اصطلاح میں (D.N.A) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مادّہ ہے جو زندہ خلیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ جوہر حیات تو ضرور ہے مگر خود جاندار نہیں ہے۔ زندگی اب بھی بجائے خود ایک معجزہ ہی ہے جس کی علمی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک خالق کے امر و ارادہ اور منصوبے کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد آگے دیکھیے۔ زندگی محض ایک مجرد صورت میں نہیں بلکہ بے شمار متنوع صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت روئے زمین پر حیوانیات کی تقریباً ۱۰ لاکھ اور نباتات کی تقریباً دو لاکھ انواع کا پتہ چلا ہے۔ یہ لکھوکھا انواع اپنی ساخت اور نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے ایسا واضح اور قطعی امتیاز رکھتی ہیں، اور قدیم ترین معلوم زمانے سے اپنی اپنی صورتِ نوعیہ کو اس طرح مسلسل برقرار رکھتی چلی آ رہی ہیں کہ ایک خدا کے تخلیقی منصوبے (Design) کے سوا زندگی کے اس عظیم تنوع کی کوئی اور معقول توجیہ کر دینا کسی ڈارون کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج تک کہیں بھی دو نوعوں کے درمیان کی کوئی ایک کڑی بھی نہیں مل سکی ہے جو ایک کی ساخت اور خصوصیات کا ڈھانچہ توڑ کر نکل آئی ہو اور ابھی دوسری نوع کی ساخت اور خصوصیات تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔ متحجرات (Fossils) کا پورا ریکارڈ اس کی نظیر سے خالی ہے اور موجودہ حیوانات میں بھی یہ خنثیٰ مشکل کہیں نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نوع کا جو فرد بھی ملا ہے اپنی پوری صورتِ نوعیہ کے ساتھ ہی ملا ہے، اور ہر وہ افسانہ جو کسی مفقود کڑی کے بہم پہنچ جانے کا وقتاً فوقتاً سنا دیا جاتا ہے، تھوڑی مدت بعد حقائق اس کی ساری پھونک نکال دیتے ہیں۔ اس وقت تک یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل اٹل ہے کہ ایک صانع حکیم، ایک خالق الباری المصور ہی نے زندگی کو یہ لاکھوں متنوع صورتیں عطا کی ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۳، النمل، حاشیہ: ۸۰)

۱۰۹- اَلْمُعِیْدُ: دوبارہ زندگی بخشنے والا، دوبارہ پیدا کرنے والا

سورۂ یونس آیت ۴ میں ارشاد ہے:

اِنَّہٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ۔

”بے شک پیدائش کی ابتدا وہی کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔“

یہ فقرہ دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ خدا دوبارہ انسان کو پیدا کرے گا اور اس پر دلیل یہ دی گئی

ہے کہ اسی نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا۔ جو شخص یہ تسلیم کرتا ہو کہ خدا نے خلق کی ابتدا کی ہے (اور اس سے بجز ان دہریوں کے جو محض پادریوں کے مذہب سے بھاگنے کے لیے خلق بے خالق جیسے احمقانہ نظریے کو اوڑھنے پر آمادہ ہو گئے اور کون انکار کر سکتا ہے) وہ اس بات کو ناممکن یا بعید از فہم قرار نہیں دے سکتا کہ وہی خدا اس خلق کا پھر اعادہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ اعادہ خلق، عقل و انصاف کی رو سے ضروری ہے اور یہ ضرورت تخلیق ثانیہ کے سوا کسی دوسرے طریقے سے پوری نہیں ہو سکتی۔ خدا کو اپنا واحد رب مان کر جو لوگ صحیح بندگی کا رویہ اختیار کریں وہ اس کے مستحق ہیں کہ انھیں اپنے اس بجا طرزِ عمل کو پوری پوری جزا ملے۔ اور جو لوگ حقیقت سے انکار کر کے اس کے خلاف زندگی بسر کریں وہ بھی اس کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے اس بے جا طرزِ عمل کا برا نتیجہ دیکھیں۔ یہ ضرورت اگر موجودہ دنیوی زندگی میں پوری نہیں ہو رہی ہے (اور ہر شخص جو ہٹ دھرم نہیں ہے جانتا ہے کہ نہیں ہو رہی ہے) تو اسے پورا کرنے کے لیے یقیناً دوبارہ زندگی ناگزیر ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۱۰)

کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جو کام ہر طرف نظر آ رہے ہیں جن کے بڑے بڑے نشانات سورج اور چاند اور لیل و نہار کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں، اس سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس عظیم الشان کارگاہ ہستی کا خالق کوئی بچہ نہیں ہے جس نے محض کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ بنایا ہو اور پھر دل بھر لینے کے بعد یونہی اس گھروندے کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ صریح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس کے ہر کام میں نظم ہے، حکمت ہے۔ مصلحتیں ہیں اور ذرّے ذرّے کی پیدائش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ پس جب وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کے آثار و علائم تمہارے سامنے علانیہ موجود ہیں، تو اس سے یہ توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاقی حس اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشنے کے بعد اس کے کارنامۂ زندگی کا حساب کبھی نہ لے گا اور عقلی اور اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر جزا و سزا کا جو استحقاق لازماً پیدا ہوتا ہے اسے یونہی مہمل چھوڑ دے گا۔

(نتیجہ یہ نکلا) کہ دوسری زندگی ممکن ہے کیونکہ پہلی زندگی کا امکان واقعہ کی صورت میں موجود ہے۔ اور یہ کہ دوسری زندگی کی ضرورت ہے، کیونکہ موجودہ زندگی میں انسان اپنی اخلاقی ذمہ داری کو صحیح یا غلط طور پر جس طرح ادا کرتا ہے اور اس سے سزا اور جزا کا جو استحقاق پیدا ہوتا ہے اس کی بنا پر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں ہر شخص اپنے اخلاقی رویہ کا وہ نتیجہ دیکھے جس کا وہ مستحق ہے۔

جب عقل و انصاف کی رو سے دوسری زندگی کی ضرورت ہے تو یہ ضرورت یقیناً پوری کی جائے گی، کیونکہ انسان اور کائنات کا خالق حکیم ہے اور حکیم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ حکمت و انصاف جس چیز کے متقاضی ہوں اسے وہ وجود میں لانے سے باز رہ جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۱۱)

تخلیق کی ابتدا کے متعلق تو مشرکین مانتے ہی تھے کہ یہ صرف اللہ کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔ رہا تخلیق کا اعادہ تو ظاہر ہے کہ جو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہی اس عملِ پیدائش کا اعادہ بھی کر سکتا ہے، مگر جو ابتداءً ہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادہ پیدائش پر قادر ہو سکتا ہے۔ یہ بات اگرچہ صریحاً ایک معقول بات ہے اور

خودمشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات بالکل ٹھکانے کی ہے،لیکن انھیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پرتأمل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکارِآخرت مشکل ہوجاتا ہے(حالانکہ حقیقت یہی ہے) کہ ابتدائے خلق اوراعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ (تفہیم القرآن،ج۲،یونس،حاشیہ:۴۱)

اب ذرااعادۂ خلق پرغورکیجیے۔خالق نے ہرنوع حیوانی اورنباتی کی ساخت وترکیب میں وہ حیرت انگیز نظام العمل (Mechanism) رکھ دیا ہے جواس کے بے شمارافراد میں سے بے حدوحساب نسل ٹھیک اسی کی صورتِ نوعیہ اورمزاج و خصوصیات کے ساتھ نکالتا چلا جاتا ہےاورکبھی جھوٹوں بھی ان کروڑہا کروڑ چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں یہ بھول چوک نہیں ہوتی کہ ایک نوع کا کارخانۂ تناسل کسی دوسری نوع کا ایک نمونہ نکال کر پھینک دے۔جدید علم تناسل (Genetics) کے مشاہدات اس معاملے میں حیرت انگیز حقائق پیش کرتے ہیں۔ہر پودے میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ اپنی نوع کا سلسلہ آگے کی نسلوں تک جاری رکھنے کا ایسامکمل انتظام کرے جس سے آنے والی نسل اس کی نوع کی تمام امتیازی خصوصیات کی حامل ہواوراس کا ہرفرددوسری تمام انواع کے افراد سے اپنی صورت نوعیہ میں ممیز ہو۔یہ بقاے نوع اور تناسل کا سامان ہر پودے کے ایک خلیہ (Cell) کے ایک حصہ میں ہوتا ہے جسے بمشکل انتہائی طاقتور خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے۔یہ چھوٹا سا انجینئر پوری صحت کے ساتھ پودے کے سارے نشوونما کوحتماً اسی راستے پرڈالتا ہے جواس کی اپنی صورتِ نوعیہ کا راستہ ہے۔ اسی کی بدولت گیہوں کے ایک دانہ سے آج تک جتنے پودے بھی دنیا میں کہیں پیدا ہوئے ہیں انھوں نے گیہوں ہی پیدا کیا ہے،کسی آب وہوااورکسی ماحول میں یہ حادثہ کبھی رونمانہیں ہوا کہ دانۂ گندم کی نسل سے کوئی ایک ہی دانۂ جو پیدا ہوجاتا۔ایسا ہی معاملہ حیوانات اورانسان کا بھی ہے کہ ان میں سے کسی کی تخلیق بھی بس ایک دفعہ ہوکرنہیں رہ گئی ہے،بلکہ ناقابلِ تصوّروسیع پیمانے پر ہرطرف اعادۂ خلق کا ایک عظیم کارخانہ چل رہا ہے جو ہرنوع کے افراد سے پیہم اسی نوع کے بے شمارافرادوجود میں لاتا چلاجارہا ہے۔اگرکوئی شخص توالدوتناسل کے اس خوردبینی تخم کو دیکھے جوتمام نوعی امتیازات اورموروثی خصوصیات کو اپنے ذراسے وجود کے بھی محض ایک حصے میں لیے ہوئے ہوتا ہے،اورپھراس انتہائی نازک اورپیچیدہ عضوی نظام اوربےانتہا لطیف وپرپیچ عملیات(Progresses) کودیکھےجن کی مدد سے ہرنوع کے ہرفرد کاتخم تناسل اسی نوع کا فردوجود میں لاتا ہے،تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصورنہیں کرسکتا کہ ایسانازک اورپیچیدہ نظام العمل کبھی خودبخودبن سکتا ہےاورپھرمختلف انواع کے اربوں ملین افراد میں آپ سے آپ ٹھیک چلتا بھی رہ سکتا ہے۔یہ چیز نہ صرف اپنی ابتدا کے لیے ایک صانع حکیم چاہتی ہے، بلکہ ہرآن اپنے درست طریقہ پرچلتے رہنے کے لیے بھی ایک ناظم ومدبراورایک حیّ وقیوم کی طالب ہے جوایک لحظہ کے لیے بھی ان کارخانوں کی نگرانی ورہنمائی سے غافل نہ ہو۔

یہ حقائق ایک دہریے کے انکارخدا کی بھی اسی طرح جڑ کاٹ دیتے ہیں جس طرح ایک مشرک کے شرک کی۔کون احمق یہ گمان کرسکتا ہے کہ خدائی کے اس کام میں کوئی فرشتہ یاجن یانبی یاولی ذرہ برابربھی کوئی حصہ رکھتا ہےاورکون صاحب عقل آدمی تعصب سے پاک ہوکریہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ساراکارخانۂ خلق واعادۂ خلق اس کمال حکمت ونظم کے ساتھ اتفاقاًشروع ہوااور آپ سے آپ چلے جارہا ہے۔ (تفہیم القرآن،ج۳،نمل،حاشیہ:۸۰)

سورۃ الانبیاءآیت ۱۰۴ بھی اس کی وضاحت کرتی ہے:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ، كَمَا بَدَأْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، وَعْدًا عَلَيْنَا، اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔

”وہ دن جب کہ ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔“

سورۃ العنکبوت آیت ۲۰ میں ارشاد ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ۔ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

”ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے، پھر اللہ بار دیگر بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اسی سورہ کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔

”کیا ان لوگوں نے کبھی دیکھا نہیں ہے کہ اللہ کس طرح خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ کے لیے آسان تر ہے۔“

ایک طرف بے شمار اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں، اور دوسری طرف ہر نوع کے افراد کے مٹنے کے ساتھ پھر ویسے ہی افراد وجود میں آتے چلے جاتے ہیں۔ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی صفت خلق وایجاد کا نتیجہ ہے انھیں اللہ کے خالق ہونے سے انکار نہ تھا، جس طرح آج کے مشرکین کو نہیں ہے۔ اس لیے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی ہے کہ جو خدا تمہارے نزدیک اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیاء کی جگہ پھر ویسی ہی اشیاء پے در پے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے، اس کے بارے میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے مر جانے کے بعد وہ پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کھڑا نہیں کر سکتا۔

جب خدا کی کاریگری سے بارِ اوّل کی تخلیق کا تم خود مشاہدہ کر رہے ہو تو تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اس خدا کی کاریگری سے بارِ دیگر بھی تخلیق ہو گی۔ ایسا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، العنکبوت، حاشیہ ۳۲-۳۳)

صریح عقل اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ جس کے لیے خلق کی ابتدا کرنا ممکن ہے اس کے لیے اسی خلق کا اعادہ کرنا بدرجۂ اولیٰ ممکن ہے۔ خلق کی ابتدا تو ایک امر واقعہ ہے جو سب کے سامنے موجود ہے۔ اس کے بعد یہ خیال کرنا سراسر نامعقول بات ہے کہ وہی خدا جس نے اس خلق کی ابتدا کی ہے اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۱۳)

پہلی مرتبہ پیدا کرنا اگر اس کے لیے مشکل نہ تھا، تو آخر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا؟ پہلی مرتبہ کی پیدائش میں تو تم خود جیتے جاگتے موجود ہو۔ اس لیے اس کا مشکل نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ اب یہ بالکل سیدھی سادھی عقل کی بات ہے کہ ایک دفعہ جس نے کسی چیز کو بنایا ہو اس کے لیے وہی چیز دوبارہ بنانا نسبتاً زیادہ ہی آسان ہونا چاہیے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۳۸)

سورۃ الروم کی آیت ۲۷ سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ۔

''وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔''

۱۱۰-اَلْمُحْىِ : زندگی بخشنے والا

سورۃ الروم آیت ۵۰ میں ارشاد ہے:

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْىِ الْمَوْتٰى۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

''یقیناً وہ مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۃ الحج آیت ۶ میں ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْىِ الْمَوْتٰى۔

''یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔''

''اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔'' یہ سن کر لوگوں کو اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مردے جلا رہا ہے۔ جن ماڈوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ نمکیات، کچھ ہوائیں، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفسِ انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر انہی مردہ، بے جان ماڈوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر انھیں ماڈوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گردوپیش کی زمین پر نظر ڈالیے۔ بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوندِ خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گردوپیش کی سوکھی زمین ان لاکھوں مردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مردہ جڑ اپنی قبر سے جی اٹھی اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے اموات کا عمل ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۹)

یہ منظر ہر سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے کہ زمین بالکل چٹیل میدان پڑی ہوئی ہے، زندگی کے کوئی آثار

موجود نہیں، نہ گھاس پھونس ہے، نہ بیل بوٹے، نہ پھول پتی، اور نہ کسی قسم کے حشرات الارض۔ اتنے میں بارش کا موسم آ گیا اور ایک دو چھینٹے پڑتے ہی اسی زمین سے زندگی کے چشمے ابلنے شروع ہو گئے۔ زمین کی تہوں میں دبی ہوئی بے شمار جڑیں یکا یک جی اٹھیں اور ہر ایک کے اندر سے وہی نباتات پھر برآمد ہو گئی جو پچھلی برسات میں پیدا ہونے کے بعد مر چکی تھی۔ بے شمار حشرات الارض جن کا نام ونشان تک گرمی کے زمانے میں باقی نہ رہا تھا، یکا یک پھر اسی شان سے نمودار ہو گئے جیسے پچھلی برسات میں دیکھے گئے تھے۔ یہ سب کچھ اپنی زندگی میں بار بار تم دیکھتے رہتے ہو، اور پھر بھی تمھیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس حیرت کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمہارا مشاہدہ بے عقل حیوانوں کا سا مشاہدہ ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، حاشیہ: ۵۳ الف)

نادان لوگ آخرت کو بعید از امکان سمجھتے ہیں اور اسی لیے اپنی جگہ اس خیال میں مگن ہیں کہ دنیا میں یہ خواہ کچھ کرتے رہیں بہر حال وہ وقت کبھی آنا نہیں ہے جب انھیں جواب دہی کے لیے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ لیکن یہ محض ایک خیال خام ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ قیامت کے روز تمام اگلے پچھلے مرے ہوئے انسان اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر بالکل اسی طرح یکا یک جی اٹھیں گے جس طرح ایک بارش ہوتے ہی سونی پڑی ہوئی زمین یکا یک لہلہا اٹھتی ہے اور مدتوں کی مری ہوئی جڑیں سرسبز وشاداب ہو کر زمین کی تہوں میں سے سر نکالنا شروع کر دیتی ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الفاطر، حاشیہ: ۱۹)

جو خدا ہر آن تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ کام کر رہا ہے وہ آخر انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے سے عاجز کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ہر وقت زندہ انسانوں اور حیوانات میں سے فضلات (Waste Matter) خارج کر رہا ہے جن کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر لمحہ بے جان مادے (Dead Matter) کے اندر زندگی کی روح پھونک کر بے شمار جیتے جاگتے حیوانات، نباتات اور انسان وجود میں لا رہا ہے، حالانکہ بجائے خود ان مادوں میں، جن سے ان زندہ ہستیوں کے جسم مرکب ہوتے ہیں، قطعاً کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن یہ منظر تمھیں دکھا رہا ہے کہ بنجر پڑی ہوئی زمین کو جہاں پانی میسر آیا اور یکا یک وہ حیوانی اور نباتی زندگی کے خزانے اگلنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کو چلانے والا خدا انسان کے مر جانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز ہے تو حقیقت میں وہ عقل کا اندھا ہے۔ اس کے سر کی آنکھیں جن ظاہری مناظر کو دیکھتی ہیں، اس کی عقل کی آنکھیں ان کے اندر نظر آنے والے روشن حقائق کو نہیں دیکھتیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ۲۵)

۱۱۱-اَلْمُمِیْتُ: جان سلب کرنے والا، مارنے والا، موت دینے والا

سورۃ البقرۃ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

”تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمھیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔“

سورۃ المومنون آیت ۸۰ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔

''وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔''

سورۃ الحج آیت ٦٦ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ، ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ۔

''وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی تم کو پھر زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکرِ حق ہے۔''

سورۃ الروم آیت ۴۰ میں ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ۔

''اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔''

رزق، موت و زیست اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ مرجانے کے بعد زندہ کرنے پر بھی وہی قادر ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الروم، حاشیہ: ٦٣)

موت کے خوف سے بھاگنا فضول ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے مرسکتا ہے اور نہ اس کے بعد جی سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، آل عمران، حاشیہ: ۱۰۴)

انسان اپنی پیدائش اور اپنی تقدیر کے معاملہ ہی میں نہیں بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی یہ اپنے خالق کے آگے بالکل بے بس ہے۔ نہ اپنے اختیار سے پیدا ہوسکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مرسکتا ہے، اور نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لیے بھی ٹال سکتا ہے۔ جس وقت، جہاں، جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اسی وقت، اسی جگہ اور اسی حال میں یہ مرکر رہتا ہے، اور جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لیے طے کر دی گئی ہے اسی نوعیت کی قبر میں ودیعت ہو جاتا ہے، خواہ وہ زمین کا پیٹ ہو، یا سمندر کی گہرائیاں، یا آگ کا الاؤ، یا کسی درندے کا معدہ، انسان خود تو درکنار، ساری دنیا مل کر بھی اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملہ میں خالق کے اس فیصلے کو بدل نہیں سکتی۔ (تفہیم القرآن، ج ٦، عبس، حاشیہ: ۱۴)

سورۃ الجاثیہ آیت ۲٦ میں ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔

''ان سے کہو اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

آیت ۲۴ میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا مَاهِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ۔

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ''زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔ درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔''

کوئی ذریعہ علم ایسا نہیں ہے جس سے ان کو بہ تحقیق یہ معلوم ہو گیا ہو کہ اس زندگی کے بعد انسان کے لیے کوئی دوسری زندگی نہیں ہے، اور یہ بات بھی انھیں معلوم ہو گئی ہو کہ انسان کی روح کسی خدا کے حکم سے قبض نہیں کی جاتی ہے بلکہ آدمی محض گردش ایام سے مر کر فنا ہو جاتا ہے۔ منکرین آخرت یہ باتیں کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔ علمی حیثیت سے اگر وہ بات کریں تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ بس یہ ہے کہ ''ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں۔'' لیکن یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ''ہم جانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔'' اسی طرح علمی طریقہ پر وہ یہ جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آدمی کی روح خدا کے حکم سے نکالی نہیں جاتی ہے بلکہ وہ محض اسی طرح مر کر ختم ہو جاتا ہے جیسے ایک گھڑی چلتے چلتے رک جائے۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کہہ سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ فی الواقع کیا صورت پیش آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب انسانی ذرائع علم کی حد تک زندگی بعد موت کے ہونے یا نہ ہونے، اور قبض روح واقع ہونے یا گردش ایام سے آپ ہی آپ مر جانے کا یکساں احتمال ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ امکان آخرت کے احتمال کو چھوڑ کر حتمی طور پر انکار آخرت کے حق میں فیصلہ کر ڈالتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور ہے کہ دراصل اس مسئلے کا آخری فیصلہ وہ دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی خواہش کی بنا پر کرتے ہیں؟ چوں کہ ان کا دل یہ نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہو اور موت کی حقیقت نیستی اور عدم نہیں بلکہ خدا کی طرف سے قبضِ روح ہو، اس لیے وہ اپنے دل کی مانگ کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور دوسری بات کا انکار کر دیتے ہیں (حالانکہ) نہ انھیں زندگی اتفاقاً ملتی ہے، نہ موت خود بخود واقع ہو جاتی ہے۔ ایک خدا ہے جو زندگی دیتا ہے اور وہی اسے سلب کرتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۴، الجاثیہ، حاشیہ: ۳۴-۳۷)

موت کچھ یوں ہی نہیں آ جاتی کہ ایک گھڑی چل رہی تھی، کوک ختم ہوئی اور وہ چلتے چلتے یکا یک بند ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آ کر باقاعدہ روح کو ٹھیک اسی طرح وصول کرتا ہے جس طرح ایک سرکاری امین (Official Receiver) کسی چیز کو اپنے قبضہ میں لیتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیلات جو بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر موت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور روح کو جسم سے نکالنے اور اس کو قبضے میں لینے کی بہت سی ''مختلف النوع'' خدمات انجام دیتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ قرآن کے الفاظ ''موت کا فرشتہ تم کو پورے کا پورا اپنے قبضے میں لے گا'' اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، کیوں کہ کوئی معدوم چیز قبضے میں نہیں لی جاتی۔ قبضے میں لینے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ مقبوضہ چیز قابض کے پاس رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت جو چیز قبضے میں لی جاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی زندگی (Biological Life) نہیں بلکہ اس کی وہ خودی، اس کی وہ انا (Ego) ہے جو ''میں'' اور ''ہم'' اور ''تم'' کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ انا دنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پوری کی پوری، جوں کی توں (Intact) نکال لی جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے اوصاف میں

کوئی کمی بیشی ہو۔اور یہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹائی جاتی ہے۔اسی کو آخرت میں نیا جنم اور نیا جسم دیا جائے گا۔اسی پر مقدمہ قائم کیا جائے گا،اسی سے حساب لیا جائے گا،اور اسی کو جزاوسزا دیکھنی ہوگی۔ (تفہیم القرآن، ج۴،السجدہ،حاشیہ:۲۱)

۱۱۲-اَلُجَامِعُ : جمع کرنے والا

ہرانسان جو آدم سے لے کر قیامت کی آخری ساعت تک پیدا ہوا ہے،خواہ ماں کے پیٹ سے نکل کر اس نے ایک ہی سانس لیا ہو،اس وقت دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور سب کو ایک وقت میں جمع کر دیا جائے گا۔

سورہ آل عمران آیت ۹ میں ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ۔

”پروردگار!تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے،جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں،تو ہرگز اپنے وعدہ سے ٹلنے والا نہیں ہے۔“

سورۃ النساء آیت ۱۴۰ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنَافِقِيۡنَ وَالۡكَافِرِيۡنَ فِيۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعًا۔

”یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔“

سورۃ الشوریٰ آیت ۲۹ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ۔

”وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کرسکتا ہے۔“

جس طرح وہ انھیں پھیلا دینے پر قادر ہے اسی طرح وہ انھیں جمع کر لینے پر بھی قادر ہے،لہٰذا یہ خیال کرنا غلط ہے کہ قیامت نہیں آسکتی اور تمام اولین وآخرین کو بیک وقت اٹھا کر اکٹھا نہیں کیا جاسکتا۔

سورۃ الکہف آیت ۹۹ میں ارشاد ہے:

وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ يَّمُوۡجُ فِيۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا۔

”اور اس روز ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں اور صور پھونکا جائے گا اور ہم سب انسانوں کو ایک ساتھ جمع کریں گے۔“

سورۃ التغابن آیت ۹ میں ارشاد ہے:

يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ يَوۡمُ التَّغَابُنِ۔

”جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔“

اجتماع کے دن سے مراد ہے قیامت اور سب کو اکٹھا کرنے سے مراد ہے تمام ان انسانوں کو بیک وقت زندہ کر کے جمع کرنا جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک دنیا میں پیدا ہوئے ہوں۔قرآن مجید میں جگہ جگہ کھول کر اسے بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً سورہ ہود آیت:۱۰۳ میں فرمایا:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔

''وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب انسان جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔''

اور سورۃ واقعہ آیت:۵۰ میں فرمایا:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔

''ان سے کہو کہ تمام پہلے گزرے ہوئے اور بعد میں آنے والے لوگ یقیناً ایک مقررہ دن کے وقت جمع کیے جانے والے ہیں۔''

وہ دن بھی (یقیناً) آنا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کر کے ان کا حساب لے گا۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اپنی گمراہی و بدعملی کے برے نتائج سے بچ بھی نکلا تو اس دن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور بڑا ہی بدقسمت ہے وہ جو یہاں بھی خراب ہوا اور وہاں بھی اس کی شامت آئے۔

سورۃ النساء آیت ۸۷ میں فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ تم سب کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔''

کافر اور مشرک اور ملحد اور دہریے جو کچھ کر رہے ہیں اس سے خدا کی خدائی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کا خدائے واحد اور خدائے مطلق ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی کے بدلے بدل نہیں سکتی۔ پھر ایک دن وہ سب انسانوں کو جمع کر کے ہر ایک کو اس کے عمل کا نتیجہ دکھا دے گا۔ اس کی قدرت کے احاطہ سے بچ کر کوئی بھاگ بھی نہیں سکتا۔ لہٰذا خدا ہرگز اس بات کا حاجت مند نہیں ہے کہ اس کی طرف سے کوئی اس کے باغیوں پر جلے دل کا بخار نکالتا پھرے اور کج خلقی اور ترش کلامی کو زخم دل کا مرہم بنائے۔

دنیا کی زندگی میں جو شخص جس طریقے پر چاہے چلتا رہے اور جس راہ میں اپنی کوششیں اور محنتیں صرف کرنا چاہتا ہے کیے جائے، آخر کار سب کو ایک دن اس خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پھر ہر ایک اپنی سعی و عمل کے نتائج دیکھ لے گا۔

سورۃ الجاثیہ آیت ۲۶ میں فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ۔

''اے نبیؐ! ان سے کہو اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

(جب ان لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے) کہ موت کے بعد دوسری زندگی ہوگی تو وہ کہتے ہیں اٹھالاؤ ہمارے باپ دادا

کو، گویا لازماً قبر سے ایک مردہ اٹھا کر ان کے سامنے لے آنا چاہیے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو وہ یہ نہیں مان سکتے کہ مرے ہوئے انسان کسی وقت از سرِ نو زندہ کر کے اٹھائے جانے والے ہیں۔ حالانکہ یہ بات سرے سے کسی نے بھی ان سے نہیں کی تھی کہ اس دنیا میں متفرق طور پر وقتاً فوقتاً مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جاتا رہے گا۔ بلکہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ یہ تھا کہ قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام انسانوں کو از سرِ نو زندہ کرے گا یہ متفرق طور پر نہیں ہوگا، بلکہ ایک دن سب انسانوں کو جمع کرنے کے لیے مقرر ہے اس میں ان سب کے اعمال کا محاسبہ کر کے جزا اور سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔

(منکرین کا یہ خیال کہ) ابتدائے آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزاء جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، یہ سراسر ان کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے (ورنہ) واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ہر جز جس شکل میں جہاں بھی ہے، اللہ تعالیٰ براہ راست اس کو جانتا ہے اور مزید براں اس کا پورا ریکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے جس وقت اللہ کا حکم ہوگا اسی وقت آناً فاناً اس کے فرشتے اس ریکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرے کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنا دیں گے جن میں رہ کر انھوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔

عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا بلکہ انسان وہاں دوبارہ اسی طرح جسم و روح کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے جس طرح وہ اب دنیا میں ہیں۔ یہی نہیں، ان کو جسم بھی وہی دیا جائے گا جس میں اب وہ رہتے ہیں۔ وہی تمام اجزاء اور جواہر (Atoms) جن سے ان کے بدن اس دنیا میں مرکب تھے، قیامت کے روز جمع کر دیے جائیں گے۔ اور وہ اپنے انہی سابق جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن کے اندر رہ کر وہ دنیا میں کام کر چکے تھے۔

۱۱۳-اَلْمُحْصِیُ : ایک ایک چیز کو گن کر رکھنے والا

خدا کے ہاں ہر شخص کا ہر کرتوت نوٹ ہو چکا ہے۔ کس شخص نے، کب، کہاں، کیا حرکت کی، اس حرکت کے بعد اس کا اپنا ردِّ عمل کیا تھا، اور اس کے کیا نتائج، کہاں کہاں، کس کس شکل میں برآمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، حاشیہ: ۱۷)

سورۃ الجن آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًا۔

''اور وہ ان کے پورے ماحول کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔''

جو پیغامات اللہ تعالیٰ (اپنے انبیاء ورسل کی طرف) بھیجتا ہے ان کا حرف حرف گنا ہوا ہے۔ رسولوں اور فرشتوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ان میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی کر سکیں۔ (تفہیم القرآن، ج ٦، الجن، حاشیہ: ۳۰)

سورہ مریم آیت ۹۳، ۹۴ میں ارشاد ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔

''زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں، سب پر وہ محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔''

سورہ یٰسٓ آیت ۱۲ میں ارشاد ربانی ہے:

وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ۔

''ہر ایک چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔''

انسان کا نامہ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔دوسرے، اپنے گردوپیش کی اشیاء اور خود اپنے جسم کے اعضاء پر جو نقوش (Impressions) بھی انسان مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں، اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح ابھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوح ذہن پر لکھی نظر آئے گی، اور اس کے ایک ایک اچھے اور برے فعل اور اس کی تمام حرکات و سکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی۔تیسرے اپنے مرنے کے بعد اپنی آئندہ نسل پر اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور برے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے۔اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بری تربیت اس نے دی ہے، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا برائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں، اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا برے پھل لاتی رہے گی۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، یٰسٓ، حاشیہ: ۹)

سورہ نبأ آیت ۲۷، ۲۸، ۲۹ میں ارشاد ہے:

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا۔ وَّكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا وَكُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ كِتٰبًا۔

''وہ کبھی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیات کو انھوں نے بالکل جھٹلا دیا تھا اور حال یہ تھا کہ ہم نے ہر چیز گن گن کر لکھ رکھی تھی۔''

ان کے اقوال و افعال، ان کی حرکات و سکنات، حتّٰی کہ ان کی نیتوں اور خیالات اور مقاصد تک کا مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جا رہے تھے جن سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہ تھی، اور وہ بے وقوف اس سے بے خبر اپنی جگہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ کسی اندھیر نگری میں جی رہے ہیں جہاں وہ اپنی مرضی اور خواہش سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں، اس کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۶، النبا، حاشیہ: ۱۸)

۱۱۴-اَلۡوَاجِدُ: موجود، پانے والا

۱۱۵-اَلۡوَاحِدُ: ایک، اکیلا، یکتا

سورہ بقرہ آیت ۱۶۳ میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ۔

''تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اس رحمٰن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔''

سورہ نساء آیت ۱۷۱ میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ اِنْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

''اور نہ کہو کہ تین'' ہیں۔ باز آ جاؤ، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔''

سورہ مائدہ آیت ۷۳ میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔''

سورہ انعام آیت ۱۹ میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

''کہو! خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔''

سورہ یوسف آیت ۳۹ میں ہے:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوٰحِدُ الْقَهَّارُ۔

''تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔''

سورۃ الرعد آیت ۱۶ میں ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

''کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔''

سورہ ابراہیم آیت ۴۸ میں ارشاد ہے:

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔''

سورہ ابراہیم آیت ۵۲ میں ارشاد ہے:

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

''یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے۔''

سورۃ النحل آیت ۲۲ میں ارشاد ہے:

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

''تمہارا خدا بس ایک ہی ہے۔''

سورۃ النحل آیت ۵۱ میں ہے:

قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

"اللہ کا فرمان ہے کہ دو خدا نہ بنالو، خدا تو بس ایک ہی ہے۔"

سورۃ الکہف آیت ۱۱۰ میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

"اے محمدؐ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔"

سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۸ میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

"ان سے کہو میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک خدا ہے۔"

سورۃ الحج آیت ۳۴ میں ہے:

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا۔

"پس تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔"

سورۃ العنکبوت آیت ۴۶ میں ہے:

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

"ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔"

سورۃ الصافات آیت ۴ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔

"تمہارا معبود حقیقی بس ایک ہی ہے۔ وہ جو زمین اور آسمانوں کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں اور سارے مشرقوں کا مالک۔"

سورہ صٓ آیت ۶۵ میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

"(اے نبی!) ان سے کہو "میں تو بس خبردار کردینے والا ہوں۔ کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ، جو یکتا ہے، سب پر غالب۔"

سورۃ الزمر آیت ۴ میں آیا ہے:

سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

"پاک ہے وہ اس سے (کہ کوئی اس کا بیٹا ہو) وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب ہے۔"

سورہ مؤمن آیت ۱۶ میں ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''(اس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے؟ (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔''

سورۂ حٰم سجدہ آیت ٦ میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

''اے نبیؐ، ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا: مجھے وحی کے ذریعہ سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے۔''

وہ اکیلا اپنی ذات میں واحد ہے، کسی جنس کا فرد نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد لازماً ہم جنس ہوا کرتی ہے۔ نیز اولاد کا کوئی تصور ازدواج کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور ازدواج بھی ہم جنس سے ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص سخت جاہل و نادان ہے جو اس یکتا و یگانہ ہستی کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، الزمر، حاشیہ: ۹)

معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہی ہے، کیونکہ وہ سب پر غالب ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے، اور کائنات کی ہر چیز اس کی مِلک ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص، حاشیہ: ۵۸)

سورۃ المؤمن، رکوع ۲، آیت ١٦ میں ارشاد ہے:

يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ۔ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''وہ دن جب کہ سب لوگ بے پردہ ہوں گے، اللہ سے ان کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہ ہوگی (اس روز پکار کر پوچھا جائے گا) آج بادشاہی کس کی ہے (سارا عالم پکار اٹھے گا) اللہ واحد قہار کی۔''

دنیا میں تو بہت سے برخود غلط لوگ اپنی بادشاہی و جباری کے ڈنکے پیٹتے رہے اور بہت سے احمق ان کی بادشاہیاں اور کبریائیاں مانتے رہے، اب بتاؤ کہ بادشاہی فی الواقع کس کی ہے؟ اختیارات کا اصل مالک کون ہے؟ اور حکم کس کا چلتا ہے۔ یہ ایسا مضمون ہے جسے اگر کوئی شخص گوشِ ہوش سے سنے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا بادشاہ یا آمر مطلق بنا بیٹھا ہو اس کا زہرہ آب ہوجائے اور ساری جباریت کی ہوا اس کے دماغ سے نکل جائے۔ اس موقع پر تاریخ کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ سامانی خاندان کا فرماں روا نصر بن احمد (۳۰۱-۳۳۱ھ) جب نیشاپور میں داخل ہوا تو اس نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمایش کی کہ کارروائی کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت سے ہو۔ یہ سن کر ایک بزرگ آگے بڑھے اور انھوں نے یہی رکوع تلاوت کیا۔ جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے تو نصر پر ہیبت طاری ہوگئی۔ لرزتا ہوا تخت سے اترا۔ تاج سر سے اتار کر سجدے میں گر گیا اور بولا اے رب، بادشاہی تیری ہی ہے نہ کہ میری۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، المؤمن، حاشیہ: ۲۷)

خدا تو بس ایک ہی خدا ہے۔ کسی اور کو خدا نہ بناؤ، کسی اور کی بندگی و پرستش نہ کرو، کسی اور کو مدد کے لیے نہ پکارو، کسی اور کے آگے سر تسلیم و اطاعت خم نہ کرو، کسی اور کے رسم و رواج اور قانون و ضابطہ کو شریعت واجب الاطاعت نہ مانو۔

(تفہیم القرآن ج ۴، حٰم السجدہ، حاشیہ: ۷)

۱۱۶-اَلْمُنْتَقِمُ : بدلہ لینے والا، انتقام لینے والا، سزا دینے والا

سورۃ السجدہ آیت ۲۲ میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔''

رب کی آیات، یعنی اس کی نشانیوں کے الفاظ بہت جامع ہیں جن کے اندر تمام اقسام کی نشانیاں آ جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے جملہ بیانات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں چھ قسموں پر مشتمل ہیں۔

۱- وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔

۲- وہ نشانیاں جو انسان کی ابتدائی اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

۳- وہ نشانیاں جو انسان کے وجدان میں، اس کے لاشعور وتحت الشعور میں اور اس کے اخلاقی تصوّرات میں پائی جاتی ہیں۔

۴- وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔

۵- وہ نشانیاں جو انسان پر آفاتِ ارضی وسماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔

۶- اور ان سب کے بعد وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بھیجیں تاکہ معقول طریقے سے انسان کو انہی حقائق سے آگاہ کیا جائے جن کی طرف اوپر کی تمام نشانیاں اشارہ کر رہی ہیں۔ یہ ساری نشانیاں پوری ہم آہنگی اور بلند آہنگی کے ساتھ انسان کو یہ بتا رہی ہیں کہ تو بے خدا نہیں ہے، نہ بہت سے خداؤں کا بندہ ہے، بلکہ تیرا خدا صرف ایک ہی خدا ہے جس کی عبادت واطاعت کے سوا تیرے لیے کوئی دوسرا راستہ صحیح نہیں ہے۔ تو اس دنیا میں آزاد وخود مختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنے کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے عمل کے لحاظ سے جزا اور سزا پانی ہے۔ پس تیری اپنی خیر اسی میں ہے کہ تیرے خدا نے تیری رہنمائی کے لیے اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کی پیروی کر اور خود مختاری کی روش سے باز آ جا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو، جس کی فہمائش کے لیے طرح طرح کی اتنی بے شمار نشانیاں فراہم کی گئی ہوں، اور جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل کی نعمتیں بھی دی گئی ہوں، وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سمجھانے والوں کی تذکیر ونصیحت کے لیے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے، اور اپنے دل ودماغ سے بھی اوندھے فلسفے ہی گھڑنے کا کام لیتا ہے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو بغاوت کی بھرپور سزا پائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، حاشیہ: ۳۴)

سورۃ الزخرف آیت ۴۱ میں ارشاد ہے:

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ۔

''اب تو ہمیں ان کو سزا دینی ہے خواہ تمہیں دنیا سے اٹھالیں۔''

کفارِ مکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد ﷺ کی ذات ہی ان کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے، یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے تو پھر سب اچھا ہو جائے گا۔ اسی گمانِ فاسد کی بنا پر وہ شب وروز بیٹھ بیٹھ کر مشورے کرتے تھے کہ آپ کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے رخ پھیر کر اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم زندہ رہو گے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ان کی شامت آئے گی، اٹھالیے جاؤ گے تو تمہارے پیچھے ان کی خبر لی جائے گی۔ شامت اعمال اب ان کی دامن گیر ہو چکی ہے جس سے یہ بچ نہیں سکتے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الزخرف، حاشیہ: ۳۷)

سورۃ الدخان آیت ۱۶ میں بھی ارشاد فرمایا:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۔

''جس روز ہم بڑی ضرب لگائیں گے وہ دن ہوگا ہم تم سے انتقام لیں گے۔''

قیامت کا انتظار کرو، اس وقت جب پوری طرح شامت آئے گی۔ تب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا تھا۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، الدخان، حاشیہ: ۱۳)

سورہ آل عمران آیت ۴ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ۔

''اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں، ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔''

سورہ ابراہیم آیت ۴۷ میں ارشاد ہے:

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ۔

''پس اے نبیؐ! تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔''

اس جملے میں کلام کا رخ بظاہر نبی ﷺ کی طرف ہے، مگر دراصل سنانا آپؐ کے مخالفین کو مقصود ہے۔ انھیں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے جو وعدے کیے تھے وہ پورے کیے اور ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا اور اب بھی جو وعدہ وہ اپنے رسول، محمد ﷺ سے کر رہا ہے اسے پورا کرے گا اور ان لوگوں کو تہس نہس کر دے گا جو اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، حاشیہ: ۵۶)

(جنگ بدر میں) مسلمان اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود کفار کی کثیر التعداد اور بہتر اسلحہ رکھنے والی فوج کے مقابلے میں جس طرح کامیاب ہوئے، اس سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔

اللہ کی غالب طاقت سے غافل ہو کر جو لوگ اپنے سروسامان اور اپنے حامیوں کی کثرت پر پھولے ہوئے تھے ان

کے لیے یہ واقعہ ایک تازیانہ تھا کہ اللہ کس طرح چند مفلس وقلاّچ غریب الوطن مہاجروں اور مدینے کے کاشتکاروں کی ایک مٹھی بھر جماعت کے ذریعہ سے قریش جیسے قبیلہ کو شکست دلوا سکتا ہے، جو تمام عرب کا سرتاج تھا۔ (تفہیم القرآن، ج۱، آل عمران، حاشیہ:۱۰)

سورۃ الروم آیت ۴۷ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

''اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر جنھوں نے جرم کیا ان سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

سورۃ الحجر آیت ۷۸-۷۹ میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ۔

''اور ایکہ والے ظالم تھے، تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی ان سے انتقام لیا۔''

۱۱۷-اَلْمُقْسِطُ :(العادل) عدل وانصاف کرنے والا،

اس کی وضاحت العدل کے تحت ملاحظہ ہو۔

۱۱۸-اَلْمُغْنِیُ :بے نیاز کرنے والا

سورۃ النور آیت ۳۲ میں ارشاد ہے:

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

''اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔''

سورۃ التوبہ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَآءَ۔

''اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

سورۃ النساء آیت ۱۳۰ میں ارشاد ہے:

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا۔

''لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔'' اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔''

سورۃ النجم آیت ۴۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى۔

''اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور جائداد بخشی۔''

سورۃ الضحیٰ آیت ۸ میں نبی ﷺ سے خطاب ہے:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنیٰ۔

''اور تمھیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔''

نبی ﷺ کے لیے آپؐ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔ اس طرح آپؐ کی زندگی کی ابتدا افلاس کی حالت میں ہوئی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے تجارت میں آپؐ کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ اس کے بعد انھوں نے آپؐ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپؐ نے سنبھال لیا۔ اس طرح آپؐ نہ صرف یہ کہ مالدار ہو گئے، بلکہ آپؐ کی مالداری اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپؐ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، الضحیٰ، حاشیہ: ۸)

(نکاح کے بارے میں لڑکے اور لڑکی والے ضرورت سے زیادہ ہی حسابی بن جاتے ہیں اور لوگوں کو اس بارے میں زیادہ حسابی نہ بننا چاہیے) لڑکی والوں کو چاہیے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی چاہیے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے اور نوجوانوں کو بھی چاہیے کہ زیادہ کشائش کے انتظام میں اپنی شادی کے معاملے کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔ بسا اوقات خود شادی ہی آدمی کے حالات درست ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آ جاتے ہیں۔ ذمہ داریاں سر پر آ جانے کے بعد آدمی خود بھی پہلے سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے لگتا ہے۔ بیوی معاش کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ مستقبل میں کس کے لیے کیا لکھا ہے، اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ اچھے حالات برے حالات میں بھی بدل سکتے ہیں اور برے حالات اچھے حالات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آدمی کو ضرورت سے زیادہ حساب لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۱۹- الضَّآرُّ: نقصان اور ضرر کا مالک

(ہر انسان کو) یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اعتماد اس کے قلب میں ایسی قوت پیدا کر دے گا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے اس کو نجات مل جائے گی اور وہ اشرار کو ان کے حال پر چھوڑ کر پورے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا۔ اللہ پر توکل کرنے والا مومن نہ تھڑدلا ہوتا ہے کہ ہر اندیشہ و گمان اس کے سکون کو غارت کر دے۔ نہ کم ظرف ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر خود بھی خلاف انصاف حرکتیں کرنے لگے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، المجادلہ، حاشیہ: ۲۵)

معبودان غیر اللہ کسی کے قطعاً نافع اور ضار نہیں، کیوں کہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع و ضرر کی قدرت نہیں رکھتے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۱۸)

(کوئی نبی کسی کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔
''کہو میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔''

میرا یہ دعویٰ ہر گز نہیں ہے کہ خدا کی خدائی میں میرا کوئی دخل ہے، یا لوگوں کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کا کوئی اختیار مجھے حاصل ہے۔ میں تو صرف ایک رسول ہوں اور جو خدمت میرے سپرد کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات تمہیں پہنچادوں۔ باقی رہے خدائی کے اختیارات، تو وہ سارے کے سارے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو نفع یا نقصان پہنچانا تو درکنار، مجھے تو خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی حاصل نہیں۔ اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتا، اور اللہ کے دامن کے سوا کوئی ملجاو ماویٰ میرے لیے نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۶، الجن، حاشیہ:۲۲)

اللہ کا نبی اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدا رسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً کیا کرتے ہیں۔ جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ''حضرت'' قسم کے لوگ ہر اس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے۔ بلکہ مرجانے کے بعد ان کی قبر کی بھی اگر کوئی توہین کر گزرے، یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی برا خیال ہی دل میں لے آئے تو وہ اس کا تختہ الٹ دیتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر ''حضرتوں'' کا اپنا پھیلایا ہوا ہوتا ہے، اور نیک لوگ جو خود ایسی باتیں نہیں کرتے، ان کے نام اور ان کی ہڈیوں کو اپنے کاروبار کا سرمایہ بنانے کے لیے کچھ دوسرے ہوشیار لوگ ان کے متعلق اس خیال کو پھیلاتے ہیں۔ بہر حال عوام میں اسے روحانیت و خدا رسیدگی کا لازمہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کو قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے اختیارات حاصل ہیں۔
(تفہیم القرآن، ج۴، الشوریٰ، حاشیہ:۷)

(یہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں) سورۃ الانعام آیت ۱۷ میں فرمایا۔
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ۔
''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے۔''

کفار مکہ نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخیاں کرتے ہو اور ان کے خلاف زبان کھولتے ہو تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کیسی زبردست با کرامت ہستیاں ہیں۔ ان کی توہین تو جس نے بھی کی وہ برباد ہو گیا۔ تم بھی اگر اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو یہ تمہارا تختہ الٹ دیں گے۔

ان احمقوں کو اپنے معبودوں کی طاقت وعزت کا تو بڑا خیال ہے، مگر انھیں اس بات کا خیال کبھی نہیں آتا کہ اللہ بھی کوئی زبردست ہستی ہے اور شرک کرکے اس کی جو توہین یہ کر رہے ہیں اس کی بھی کوئی سزا انھیں مل سکتی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج۴، الزمر، حاشیہ:۵۵-۵۶)

خوشی اور غم، دونوں کے اسباب اسی کی طرف سے ہیں۔ اچھی اور بری قسمت کا سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے کسی کو اگر راحت ومسرت نصیب ہوئی ہے تو اسی کے دینے سے ہوئی ہے۔ اور کسی کو مصائب وآلام سے سابقہ پیش آیا ہے تو اسی کی

مشیت سے پیش آیا ہے۔کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کسی قسم کا دخل رکھتی ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۵،النجم، حاشیہ:۴۰)

۱۲۰-اَلنَّافِعُ : نفع پہنچانے والا۔نفع کا مالک

(نافع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) معبودان غیر اللہ قطعاً نافع وضار نہیں۔کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع و ضرر کی قدرت نہیں رکھتے۔ان سے دعائیں مانگ کر اور ان کے آگے حاجت روائی کے لیے ہاتھ پھیلا کر وہ اپنا ایمان تو فوراً اور یقیناً کھو دیتا ہے۔رہی یہ بات کہ وہ نفع اسے حاصل ہو جس کی امید پر اس نے انھیں پکارا تھا، تو حقیقت سے قطع نظر ظاہر حال کے لحاظ سے بھی وہ خود مانے گا کہ اس کا حصول نہ تو یقینی ہے اور نہ قریب الوقوع۔ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کو مزید فتنے میں ڈالنے کے لیے کسی آستانے پر اس کی مراد برلائے، اور ہوسکتا ہے کہ اس آستانے پر وہ اپنا ایمان بھی بھینٹ چڑھا آئے اور اپنی مراد بھی نہ پائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳،الحج، حاشیہ:۱۸)

قیامت کے روز بھی کسی کی یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے۔کوئی وہاں ایسا بااثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالت خداوندی میں اَڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسل ہے، اسے تو بخشنا ہی ہوگا۔خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی برے افعال کر کے آیا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۶،الانفطار، حاشیہ:۸)

مشرکین کا بزرگ انسانوں یا فرشتوں یا دوسری ہستیوں کے متعلق یہ گمان کہ خدا کے ہاں ان کا بڑا زور چلتا ہے۔جس بات پر اَڑ بیٹھیں، وہ منوا کر چھوڑتے ہیں اور جو کام چاہیں خدا سے لے سکتے ہیں (محض باطل پر مبنی اور بے بنیاد ہے) وہاں کسی کا زور چلانا تو درکنار، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر اور کوئی مقرب ترین فرشتہ اس پادشاہ ارض وسما کے دربار میں بلا اجازت زبان تک کھولنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ (تفہیم القرآن، ج ۱،البقرۃ، حاشیہ:۲۸۱)

خدائی کے سارے اختیارات تنہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔کوئی دوسرا سرے سے یہ اختیار رکھتا ہی نہیں ہے کہ تمہاری اچھی یا بری تقدیر بنا سکے۔اچھا وقت آسکتا ہے تو اسی کے لائے آسکتا ہے، اور برا وقت ٹل سکتا ہے تو اسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔لہٰذا جو شخص سچے دل سے اللہ کو خدائے واحد مانتا ہو اس کے لیے اس کے سوا سرے سے کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور دنیا میں ایک مومن کی حیثیت سے اپنا فرض اس یقین کے ساتھ انجام دیتا چلا جائے کہ خیر بہر حال اسی راہ میں ہے جس کی طرف اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔اس راہ میں کامیابی نصیب ہوگی تو اللہ ہی کی مدد اور تائید وتوفیق سے ہوگی، کوئی دوسری طاقت مدد کرنے والی نہیں ہے اور اس راہ میں اگر مشکلات ومصائب اور خطرات ومہالک سے سابقہ پیش آئے گا تو ان سے بھی وہی بچائے گا، کوئی دوسرا بچانے والا نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵،التغابن، حاشیہ:۲۸)

سورۃ الفتح آیت ۱۱ میں ارشاد ہے:

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا۔

''ان سے کہنا ''اچھا'' یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے۔''

۱۲۱-عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ :غائب وحاضر ہر چیز کا جاننے والا

سورۃ الانعام آیت ۷۳ میں ارشاد ہے:

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

''اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز پادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے۔''

سورۃ التوبہ آیت ۹۴ میں ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

''پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کا جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔''

سورۃ التوبہ آیت ۱۰۵ میں ہے:

وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

''پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے۔''

سورۃ الرعد آیت ۹ میں ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ۔

''وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔''

سورۃ المومنون آیت ۹۲ میں ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

'' کھلے اور چھپے کا جاننے والا، وہ بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ تجویز کر رہے ہیں۔''

سورۃ السجدہ آیت ۶ میں ہے:

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔

''وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ زبردست اور رحیم۔''

سورہ سبا آیت ۳ میں ہے:

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ۔

''کہو، قسم ہے میرے عالم الغیب پروردگار کی، وہ تم پر آ کر رہے گی۔''

سورہ فاطر آیت ۳۸ میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔

''بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے، وہ تو سینوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔''

سورۃ الزمر آیت ۴۶ میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

''کہو، خدایا! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، حاضر و غائب کو جاننے والے۔''

سورۃ الحشر آیت ۲۲ میں ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

''وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

سورۃ الجمعہ آیت ۸ میں ہے:

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

''پھر تم اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔''

سورۃ التغابن آیت ۱۸ میں ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

''حاضر اور غائب ہر چیز کو جانتا ہے، زبردست اور دانا ہے۔''

سورۃ الجن آیت ۲۶ میں ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا۔

''وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔''

آسمان و زمین میں جو بھی مخلوقات ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا جن یا انبیاء اور اولیاء یا دوسرے انسان اور غیر انسان سب کا علم محدود ہے۔ سب سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ ہے، سب کچھ جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی بات پوشیدہ نہیں، جو ماضی و حال اور مستقبل سب کو جانتا ہے۔

غیب کے معنی مخفی، پوشیدہ اور مستور کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو معلوم نہ ہو، جس تک ذرائع معلومات کی رسائی نہ ہو۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فرداً فرداً بعض انسانوں کے علم میں ہیں اور بعض کے علم میں نہیں ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی کے علم میں نہ کبھی تھیں، نہ آج ہیں، نہ آئندہ کبھی آئیں گی۔ ایسا ہی معاملہ جنوں اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات کا ہے کہ بعض چیزیں ان میں سے کسی سے مخفی اور کسی کو معلوم ہیں، اور بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو ان سب سے مخفی ہیں اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ تمام اقسام کے غیب صرف ایک ذات پر روشن ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز غائب نہیں۔ سب شہادت ہی شہادت ہے۔

اب یہ ہر صاحب عقل کا کام ہے کہ وہ اپنی جگہ اس امر پر غور کرے کہ فی الحقیقت کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے

کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا عالم الغیب ہو، یعنی تمام ان احوال اور اشیا اور حقائق کا جاننے والا ہو جو کائنات میں کبھی تھیں، یا اب ہیں، یا آئندہ ہوں گی۔ اور اگر کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے اور نہیں ہوسکتا تو پھر کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ جو لوگ پوری طرح حقائق اور احوال سے واقف ہی نہیں ہیں ان میں سے کوئی بندوں کا فریاد رس اور حاجت روا اور مشکل کشا ہو سکے؟

الوہیّت اور علمِ غیب کے درمیان ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ قدیم ترین زمانے سے انسان نے جس ہستی میں خدائی کے کسی شائبے کا گمان کیا ہے اس کے متعلق یہ خیال ضرور کیا ہے کہ اس پر سب کچھ روشن ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ گویا انسان کا ذہن اس حقیقت سے بالکل بدیہی طور پر آگاہ ہے کہ قسمتوں کا بنانا اور بگاڑنا دعاؤں کا سننا، حاجتیں پوری کرنا اور ہر طالب امداد کی مدد کو پہنچنا صرف اسی ہستی کا کام ہوسکتا ہے جو سب کچھ جانتی ہو اور جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو۔ اسی بنا پر تو انسان جس کو بھی خدائی اختیارات کا حامل سمجھتا ہے اسے لازماً عالم الغیب بھی سمجھتا ہے، کیونکہ اس کی عقل بلا ریب شہادت دیتی ہے کہ علم اور اختیارات باہم لازم وملزوم ہیں۔ اب اگر یہ حقیقت ہے کہ خالق اور مدبّر اور مجیب الدعوات اور رازق خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، تو آپ سے آپ یہ بھی حقیقت ہے کہ عالم الغیب بھی خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آخر کون اپنے ہوش وحواس میں یہ تصور کرسکتا ہے کہ کسی فرشتے یا جن یا نبی یا ولی کو، یا کسی مخلوق کو بھی یہ معلوم ہوگا کہ سمندر میں اور ہوا میں اور زمین کی تہوں میں اور سطح زمین کے اوپر کس کس قسم کے کتنے جانور کہاں کہاں ہیں؟ اور عالم بالا کے بے حد وحساب سیاروں کی ٹھیک تعداد کیا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک میں کس کس طرح کی مخلوقات موجود ہیں؟ اور ان مخلوقات کا ایک ایک فرد کہاں ہے اور کیا اس کی ضروریات ہیں؟ یہ سب کچھ اللہ کو تو لازماً معلوم ہونا چاہیے، کیونکہ اس نے انھیں پیدا کیا ہے، اور اسی کو ان کے معاملات کی تدبیر اور ان کے حالات کی نگہبانی کرنی ہے اور وہی ان کے رزق کا انتظام کرنے والا ہے۔ لیکن دوسرا کوئی اپنے محدود وجود میں یہ وسیع ومحیط علم رکھ کیسے سکتا ہے اور اس کا کیا تعلق اس کارِ خلّاقی ورزّاقی سے ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانے؟

پھر یہ صفت قابلِ تجزیہ بھی نہیں ہے کہ کوئی بندہ مثلاً صرف زمین کی حد تک، اور زمین میں بھی صرف انسانوں کی حد تک عالم الغیب ہو۔ یہ اسی طرح قابل تجزیہ نہیں ہے جس طرح خدا کی خلّاقی ورزّاقی اور قیومی و پروردگاری قابل تجزیہ نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوں گے، رحم مادر میں استقرار کے وقت سے آخری ساعت حیات تک ان سب کے تمام حالات وکیفیات کو جاننا آخر کس بندے کا کام ہوسکتا ہے؟ اور وہ کیسے اور کیوں اس کو جانے گا؟ کیا وہ اس بے حد وحساب خلقت کا خالق ہے؟ کیا اس نے ان کے باپوں کے نطفے میں ان کے جرثومے کو وجود بخشا تھا؟ کیا اس نے ان کی ماؤں کے رحم میں ان کی صورت گری کی تھی؟ کیا اس نے ان کی زندہ ولادت کا انتظام کیا تھا؟ کیا اس نے ان میں سے ایک ایک شخص کی قسمت بنائی تھی؟ کیا وہ ان کی موت وحیات، ان کی صحت اور مرض، ان کی خوش حالی اور بدحالی اور ان کے عروج اور زوال کے فیصلے کرنے کا ذمہ دار ہے؟ اور آخر یہ کام کب سے اس کے ذمے ہوا ہے؟ اس کی اپنی ولادت سے پہلے یا اس کے بعد؟ اور صرف انسانوں کی حد تک یہ ذمہ داریاں محدود کیسے ہوسکتی ہیں؟ یہ کام تو لازماً زمین اور آسمانوں کے عالم گیر انتظام کا ایک جز ہے۔ جو ہستی ساری کائنات کی تدبیر کررہی ہے وہی تو انسانوں کی پیدائش وموت اور ان کے رزق کی تنگی وکشادگی اور ان کی قسمتوں کے بناؤ اور بگاڑ کی ذمہ دار ہوسکتی ہے۔ اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے، اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کر دے، لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔'' (الانعام، آیت:۵۹) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ۔ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا۔ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ ''اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے۔ اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی۔'' (لقمان:۳۴) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ ''وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کر سکتے۔ اِلّا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انھیں علم دے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۵)

قرآن مجید مخلوقات کے لیے علم غیب کی اس عام اور مطلق نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیاء علیہم السلام، اور خود محمد ﷺ کے بارے میں اس امر کی صاف صاف تصریح کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو غیب کا صرف اتنا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے درکار تھا۔ سورۃ الانعام آیت ۵۰، الاعراف آیت ۱۸۷، التوبہ آیت ۱۰۱، ہود آیت ۳۱، الاحزاب آیت ۶۳، الاحقاف آیت ۹، التحریم آیت ۳، اور الجن آیات ۲۶ تا ۲۸، اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

اس کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع مَا کان ومایکون کا علم رکھتا ہے، قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ شیخین، ترمذی، نسائی، امام احمد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ (اَیِ النَّبِیُّ ﷺ) يَعْلَمُ مَايَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا، کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے اے نبی تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔''

ابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا۔ ''اے محمدؐ! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے، بارش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے، وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا ہے، کل میں کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں، مروں گا کہاں؟ ان سوالات کے جواب میں سورۂ لقمان کی یہ آیت حضورؐ نے سنائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ پھر بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث کی وہ مشہور روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع

میں حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آ کر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے جواب دیا ما المسؤل عنھا با علم من السّائل "جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا۔"
(تفہیم القرآن، ج ۳، النمل، حاشیہ: ۸۳)

دوسرے جو بھی ہیں ان کے لیے ایک چیز ظاہر ہے تو بے شمار چیزیں ان سے پوشیدہ ہیں۔ فرشتے ہوں یا جن، یا نبی اور ولی اور برگزیدہ انسان، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو سب کچھ جاننے والا ہو۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے، جو کچھ موجود ہے اور جو کچھ آنے والا ہے، سب اس پر روشن ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، السجدہ، حاشیہ: ۱۰)

ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیوی طاقت بھی عالم الغیب والشہادۃ نہیں ہے۔ بہت سے جرائم اس کی نگاہ سے بچ کر کیے جاسکتے ہیں۔ اور ہر دنیوی طاقت کی گرفت سے بچنے کی بے شمار تدبیریں ممکن ہیں۔ پھر کسی دنیوی طاقت کے قوانین بھی تمام برائیوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ بیشتر برائیاں ایسی ہیں جن پر دنیوی قوانین کوئی گرفت سرے سے کرتے ہی نہیں، حالانکہ وہ ان برائیوں سے قبیح تر ہیں جن پر وہ گرفت کرتے ہیں۔ اس لیے دین حق نے اخلاق کی پوری عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ اس ان دیکھے خدا سے ڈر کر برائی سے اجتناب کیا جائے جو ہر حال میں انسان کو دیکھ رہا ہے، جس کی گرفت سے انسان بچ کر کہیں نہیں جاسکتا، جس نے خیر وشر کا ایک ہمہ گیر، عالم گیر اور مستقل معیار انسان کو دیا ہے۔ اسی کے ڈر سے بدی کو چھوڑنا اور نیکی کو اختیار کرنا وہ اصل بھلائی ہے جو دین کی نگاہ میں قابل قدر ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری وجہ سے اگر کوئی انسان بدی نہیں کرتا، یا اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے جو افعال نیکی میں شمار ہوتے ہیں ان کو اختیار کرتا ہے تو آخرت میں اس کے یہ اخلاق کسی قدر اور وزن کے مستحق نہ ہوں گے، کیوں کہ ان کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو ریت پر تعمیر ہوئی ہو۔
(تفہیم القرآن، ج ۶، الملک، حاشیہ: ۱۸)

جن معاملات سے انسان کی قریب ترین دلچسپیاں وابستہ ہیں، انسان ان کے متعلق بھی کوئی علم نہیں رکھتا، پھر بھلا یہ جاننا اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ساری دنیا کے انجام کا وقت کب آئے گا۔ تمہاری خوش حالی و بدحالی کا بڑا انحصار بارش پر ہے، مگر اس کا سررشتہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب، جہاں، جتنی چاہتا ہے برساتا ہے اور جب چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں، کس وقت کتنی بارش ہوگی اور کون سی زمین اس سے محروم رہ جائے گی، یا کس زمین پر بارش الٹی نقصان دہ ہو جائے گی۔ تمہاری اپنی بیویوں کے پیٹ میں تمہارے اپنے نطفے سے حمل قرار پاتا ہے جس سے تمہاری نسل کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ کیا چیز اس کے پیٹ میں پرورش پا رہی ہے اور کس شکل میں، کن بھلائیوں یا برائیوں کو لیے ہوئے وہ برآمد ہوگی۔ تم کو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آنا ہے۔ ایک اچانک حادثہ تمہاری تقدیر بدل سکتا ہے، مگر ایک منٹ پہلے بھی تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تمہاری اس زندگی کا خاتمہ آخر کہاں کس طرح ہوگا۔ یہ ساری معلومات اللہ نے اپنے پاس رکھی ہیں اور ان میں سے کسی کا علم بھی تم کو نہیں دیا۔ ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جسے تم چاہتے ہو کہ پہلے سے تمہیں اس کا علم ہو جائے تو کچھ اس کے لیے پیش بندی کرسکو۔ لیکن تمہارے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ ان معاملات میں اللہ ہی کی تدبیر اور اسی کی قضا پر بھروسہ کرو۔ اسی طرح دنیا کے

اختتام کی ساعت کے معاملے میں بھی اللہ کے فیصلے پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔اس کا علم بھی نہ کسی کو دیا گیا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے۔غیب نام ہی اس چیز کا ہے جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو اور صرف اللہ پر روشن ہو، اور فی الحقیقت اس غیب کی کوئی حد نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴،لقمان، حاشیہ:۶۳)

۱۲۲-اَلْبَاقِی :باقی رہنے والی ذات

سورۃ الرحمٰن آیت ۲۶، ۲۷ میں ارشاد ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

’’ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔‘‘

لافانی اور لازوال تو صرف اس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔اب اگر تم میں سے کوئی شخص ہم چومن دیگرے نیست کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ محض اس کی کم ظرفی ہے، اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، یا چند بندے جو اس کے ہتھے چڑھیں، ان کا خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے۔کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک مٹر کے دانے برابر بھی نہیں ہے۔اس کے ایک کونے میں دس بیس یا پچاس برس جو خدائی اور کبریائی چلے اور پھر قصہ ماضی بن کر رہ جائے، وہ آخر کیا خدائی اور کیا کبریائی ہے جس پر کوئی پھولے۔

اللہ جل شانہٗ کے سوا دوسری جن ہستیوں کو بھی تم معبود و مشکل کشا اور حاجت روا بناتے ہو، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء، یا چاند اور سورج، یا اور کسی قسم کی مخلوق، ان میں سے کوئی تمہاری کسی حاجت کو پورا نہیں کرسکتا۔وہ بے چارے تو خود اپنی حاجات و ضروریات کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔ان کے ہاتھ تو خود اس کے آگے پھیلے ہوئے ہیں۔وہ خود اپنی مشکل کشائی بھی اپنے بل بوتے پر نہیں کرسکتے تو تمہاری مشکل کشائی کیا کریں گے۔زمین سے آسمانوں تک اس ناپیدا کنار کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے تنہا ایک خدا کے حکم سے ہو رہا ہے۔کارفرمائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے کہ وہ کسی معاملہ میں کسی بندے کی قسمت پر اثرانداز ہوسکے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵،الرحمٰن، حاشیہ:۲۵)

اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ آیت ۷۳ میں فرمایا ہے۔وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔اس کائنات میں ایک خدا کے سوا کوئی غیر فانی اور لازوال نہیں ہے، اور چھوٹے سے بڑے تک کوئی موجود ایسا نہیں جو اپنے وجود میں اور ضروریاتِ وجود کے لیے خدا کا محتاج نہ ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۵،الرحمٰن :تمہید موضوع و مضمون)

۱۲۳-اَلرَّشِيْدُ : راہ راست دکھانے والا

دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے کہ اس کو کھانے پینے پہننے اور زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچے اور آفات، مصائب، نقصانات سے وہ محفوظ رہے۔بلکہ اس کی ایک ضرورت اور درحقیقت سب سے بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور وہ جانے کہ اپنی ذات کے ساتھ اپنی قوتوں اور

قابلیتوں کے ساتھ، اس سروسامان کے ساتھ جو روئے زمین پر اس کے تصرف میں ہے، ان بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے، اور مجموعی طور پر اس نظام کائنات کے ساتھ جس کے ماتحت رہ کر ہی بہر حال اس کو کام کرنا ہے، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کرے جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں۔

یہ انسان کی ضرورت ہے کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور جس کو دیے ہوئے قوانین حیات کی پیروی پورے اعتماد واطمینان کے ساتھ کی جا سکے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہے، صرف وہی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یونس، حاشیہ: ۴۳)

۱۲۴۔ اَلصَّبُوْرُ : بہت صبر کرنے والا، صبر دینے والا

۱۲۵۔ اَلْبَاعِثُ : بھیجنے والا، اٹھانے والا

سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۳ میں ارشاد ربّانی ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے۔''

ایک مدت تک نسل آدم راہِ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے نئے راستے اور مختلف طریقے ایجاد کر لیے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہش مند تھے۔ اسی خرابی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کرنا شروع کیا۔ یہ انبیاء اس لیے نہیں بھیجے گئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بنا ڈالے اور اپنی ایک نئی امت بنالے۔ بلکہ ان کے بھیجے جانے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی ہوئی راہ حق کو واضح کر کے انھیں پھر سے ایک امت بنا دیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۱، البقرۃ، حاشیہ: ۲۳۰)

سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ارشاد ربّانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

سورۃ الجمعہ آیت ۲ میں ارشادِ ربّانی ہے:

هُوَالَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

''وہی ہے جس نے امّیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات چار مقامات پر بیان کی گئی ہیں، اور ہر جگہ ان کے بیان کی غرض مختلف ہے۔ البقرۃ آیت ۱۲۹ میں ان کا ذکر اہل عرب کو یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ آں حضور ﷺ کی بعثت، جسے وہ اپنے لیے زحمت و مصیبت سمجھ رہے تھے، درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اپنی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ البقرۃ آیت ۱۵۱ میں انھیں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان حضور ﷺ کی قدر پہچانیں اور اس نعمت سے پورا پورا فیض حاصل کریں جو حضور ﷺ کی بعثت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے۔ آل عمران آیت ۱۶۴ میں منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لیے ان کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وہ کتنا بڑا احسان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اپنا رسول بھیج کر کیا ہے اور یہ لوگ کتنے نادان ہیں کہ قدر نہیں کرتے۔ اب چوتھی مرتبہ انھیں اس سورہ میں دہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہودیوں کو یہ بتانا ہے کہ محمد ﷺ تمہاری آنکھوں کے سامنے جو کام کر رہے ہیں صریحاً ایک رسول کا کام ہے، وہ اللہ کی آیات سنا رہے ہیں جن کی زبان، مضامین، انداز بیان، ہر چیز اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ فی الواقع وہ اللہ ہی کی آیات ہیں۔ وہ لوگوں کی زندگیاں سنوار رہے ہیں، ان کے اخلاق اور عادات اور معاملات کو ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر رہے ہیں اور ان کو اعلیٰ درجے کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کر رہے ہیں۔ یہ وہی کام ہے جو اس سے پہلے تمام انبیا کرتے رہے ہیں۔ پھر وہ صرف آیات ہی سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اپنے قول اور عمل سے اور اپنی زندگی کے نمونے سے لوگوں کو کتاب الٰہی کا منشا سمجھا رہے ہیں اور ان کو اس حکمت و دانائی کی تعلیم دے رہے ہیں جو انبیا کے سوا آج تک کسی نے نہیں دی ہے۔ یہی سیرت اور کردار اور کام ہی تو انبیا کا وہ نمایاں وصف ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ پھر یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ جس کا رسول ہونا اس کے کارناموں سے علانیہ ثابت ہو رہا ہے اس کو ماننے سے تم نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ اللہ نے اسے تمہاری قوم کے بجائے اس قوم میں سے اٹھایا جسے تم اُمّی کہتے ہو۔
(تفہیم القرآن، ج ۵، الجمعہ، حاشیہ: ۳)

جہاں تک قوموں کا تعلق ہے ان کے اٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین ان کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کر لے تو اس کی مہلت عمل گھٹا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے برے اوصاف کو اچھے اوصاف سے بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھا دی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہو سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، حاشیہ: ۱۸)

سورۃ النحل آیت ۸۴ میں ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ۔

''(انھیں کچھ ہوش بھی ہے کہ اس روز کیا ہوگا) جب کہ ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔''

اس امت کا نبی، یا کوئی ایسا شخص جس نے نبی کے گزر جانے کے بعد اس اُمت کو توحید اور خالص خدا پرستی کی دعوت دی ہو، شرک اور مشرکانہ اوہام و رسوم پر متنبہ کیا ہو، اور روز قیامت کی جواب دہی سے خبردار کردیا ہو۔ وہ اس امر کی شہادت دے گا کہ میں نے پیغامِ حق ان لوگوں کو پہنچا دیا تھا، اس لیے جو کچھ انھوں نے کیا وہ ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ جانتے بوجھتے کیا۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، النحل، حاشیہ: ۸۰)

سورۃ النحل آیت ۸۹ میں ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔

''(اے محمدؐ! انھیں اس دن سے خبردار کردو) جب کہ ہم ہر امت میں خود اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اس کے مقابلہ میں شہادت دے گا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمھیں لائیں گے۔''

سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں ارشاد ربّانی ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے) ایک پیغامبر نہ بھیج دیں۔''

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدالت میں پیغمبر ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ پیغمبر اور اس کا لایا ہوا پیغام ہی بندوں پر خدا کی حجت ہے۔ یہ حجت قائم نہ ہو تو بندوں کو عذاب دینا خلافِ انصاف ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں وہ یہ عذر پیش کرسکیں گے کہ ہمیں آگاہ کیا ہی نہ گیا تھا پھر اب ہم پر یہ گرفت کیسی۔ مگر جب یہ حجت قائم ہوجائے تو اس کے بعد انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کو سزا دی جائے جنھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغام سے منہ موڑا ہو، یا اسے پاکر پھر اس سے انحراف کیا ہو۔ بے وقوف لوگ اس طرح کی آیات پڑھ کر اس سوال پر غور کرنے لگتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس کسی نبی کا پیغام نہیں پہنچا ان کی پوزیشن کیا ہوگی۔ حالانکہ ایک عقل مند آدمی کو غور اس بات پر کرنا چاہیے کہ تیرے پاس تو پیغام پہنچ چکا ہے۔ اب تیری اپنی پوزیشن کیا ہے۔ رہے دوسرے لوگ، تو یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے پاس کب، کس طرح اور کس حد تک اس کا پیغام پہنچا اور اس نے اس کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کیا اور کیوں کیا۔ عالم الغیب کے سوا کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ کس پر اللہ کی حجت پوری ہوئی ہے اور کس پر نہیں ہوئی۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، بنی اسرائیل، حاشیہ: ۱۷)

سورۃ النحل آیت ۳۸ میں ارشاد ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

''یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ''اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کرکے نہ اٹھائے گا۔ اٹھائے گا کیوں نہیں، یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

دنیا میں جب سے انسان پیدا ہوا ہے، حقیقت کے بارے میں بے شمار اختلافات رونما ہوئے ہیں۔ انہی اختلافات کی بنا پر نسلوں اور قوموں اور خاندانوں میں پھوٹ پڑی ہے۔ انہی کی بنا پر مختلف نظریات رکھنے والوں نے اپنے الگ مذہب، الگ معاشرے، الگ تمدن بنائے یا اختیار کیے ہیں۔ ایک ایک نظریے کی حمایت اور وکالت میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے مختلف زمانوں میں جان، مال، آبرو، ہر چیز کی بازی لگادی ہے۔ اور بے شمار مواقع پر ان مختلف نظریات کے حامیوں میں ایسی سخت کشاکش ہوئی ہے کہ ایک نے دوسرے کو بالکل مٹا دینے کی کوشش کی ہے، اور مٹنے والے نے مٹتے مٹتے بھی اپنا نقطۂ نظر نہیں چھوڑا ہے۔ عقل چاہتی ہے کہ ایسے اہم اور سنجیدہ اختلافات کے متعلق کبھی تو صحیح اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ فی الواقع ان کے اندر حق کیا تھا اور باطل کیا، راستی پر کون تھا اور ناراستی پر کون۔ اس دنیا میں تو کوئی امکان اس پردے کے اٹھنے کا نظر نہیں آتا۔ اس دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں حقیقت پر سے پردہ اٹھ نہیں سکتا لہٰذا لامحالہ عقل کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ایک دوسرا ہی عالم درکار ہے۔

اور یہ صرف عقل کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ کیوں کہ ان اختلافات اور ان کشمکشوں میں بہت سے فریقوں نے حصہ لیا ہے۔ کسی نے ظلم کیا ہے اور کسی نے سہا ہے۔ کسی نے قربانیاں کی ہیں اور کسی نے ان قربانیوں کو وصول کیا ہے۔ ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی رویہ اختیار کیا ہے اور اس سے اربوں اور کھربوں انسانوں کی زندگیاں برے یا بھلے طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ آخر کوئی وقت تو ہونا چاہیے جب کہ ان سب کا اخلاقی نتیجہ صلے یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس دنیا کا نظام اگر صحیح اور مکمل اخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہوسکیں۔ (تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ: ۳۵)

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور تمام اگلے پچھلے انسانوں کو بیک وقت جلا اٹھانا کوئی بڑا ہی مشکل کام ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے کے لیے کسی سروسامان، کسی سبب اور وسیلے اور کسی سازگاریٔ احوال کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا ہر ارادہ محض اس کے حکم سے پورا ہوتا ہے۔ اس کا حکم ہی سروسامان وجود میں لاتا ہے۔ اس کے حکم ہی سے اسباب و وسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس کا حکم ہی اس کی مراد کے عین مطابق احوال تیار کرتا ہے۔ اس وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی مجرد حکم سے وجود میں آئی ہے اور دوسری دنیا بھی آناً فاناً صرف ایک حکم سے ظہور میں آسکتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ: ۳۶)

سورۃ الحج آیت ۷ میں ارشادِ ربّانی ہے:

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ۔

''قیامت کی گھڑی آکر رہے گی، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں جاچکے ہیں۔''

اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لوگوں کو تو یہ سن کر اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مردے جلا رہا ہے۔ جن مادّوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ

پرورش پاتا ہے اُن کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ نمکیات کچھ ہوائیں، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفس انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر انہی مردہ اور بے جان مادوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر ان ہی مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گردو پیش کی زمین پر نظر ڈالیے۔ بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوند خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گردو پیش کی سوکھی زمین ان لاکھوں مردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہانے لگی۔ ہر مُردہ جڑ اپنی قبر سے جی اٹھی، اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے اموات کا عمل ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الحج، حاشیہ: ۹)

سورۃ الانعام آیت ۳۶ میں ارشاد ہے:

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔

”رہے مردے تو انھیں اللہ بس قبروں ہی سے اٹھائے گا۔“

سورۃ المجادلہ آیت ۶ میں ارشاد ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا۔ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا۔

”جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور انھیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔“

سورۃ التغابن آیت ۷ میں ارشاد ہے:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا، قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ۔

”منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ ان سے کہو۔ ”نہیں میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا۔“

سورۃ القصص آیت ۵۹ میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔

”اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔“

پہلے جو قومیں تباہ ہوئیں ان کے لوگ ظالم ہو چکے تھے۔ مگر خدا نے ان کو تباہ کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر انھیں متنبہ کیا، اور جب ان کی تنبیہ پر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہ آئے تو انھیں ہلاک کر دیا۔ یہی معاملہ اب تمہیں درپیش ہے۔ تم بھی ظالم ہو چکے ہو، اور ایک رسول تمہیں بھی متنبہ کرنے کے لیے آ گیا ہے۔ اب تم کفر وانکار کی روش اختیار کر کے اپنے عیش اور خوشحالی کو بچاؤ گے نہیں بلکہ الٹا خطرے میں ڈالو گے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، القصص، حاشیہ: ۸۳)

۱۲۶-الرَّبُّ : پروردگار، آقا، مالک، حاکم

سورہ فاتحہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔''

سورہ بقرہ آیت ۲۱ میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ۔

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔''

سورہ انعام آیت ۷۱ میں ہے:

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰىؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

''کہو! حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی رہنمائی ہے، اور اس کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو۔''

سورہ انعام آیت ۱۶۴ میں ارشاد ہے:

قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیۡءٍ۔

''کہو! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالاں کہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔''

سورہ رعد آیت ۱۶ میں ہے:

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔

''ان سے پوچھو، آسمان اور زمین کا رب کون ہے؟''

سورہ انبیاء آیت ۲۲ میں ہے:

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ۔

''پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

سورہ المومنون آیت ۱۱۶ میں ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِیۡمِ۔

''پس بالا و برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی، کوئی خدا اس کے سوا نہیں، مالک ہے عرشِ بزرگ کا۔''

اس لفظ کا مادہ (ر ب ب) ہے۔ جس کا ابتدائی اور اساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرّف، خبر گیری، اصلاح حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں۔

۱- پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً ربیب اور ربیبة پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں، نیز اس بچے کو جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے، پالنے والی دائی کو بھی ربیہ کہتے ہیں۔ رابّہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کی پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رَابّ سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مربب یا مربی اس دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر رکھی جائے۔ رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا کے معنی اضافہ کرنے، بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں جیسے رب النعمة یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

۲- سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے فلان یرب الناس یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مرب کہیں گے۔ سمیٹنے اور فراہم ہو جانے کو مربب کہیں گے۔

۳- خبر گیری کرنا، اصلاح حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا مثلاً رب ضَیْعَتَہٗ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابوسفیان نے کہا تھا لَانْ یَرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِنْ قُرَیشٍ اَحَبُّ الَیَّ مِنْ اَنْ یَرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِنْ هَوَازِنَ یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔ فلان یرب صنعَته عند فلان کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں شخص کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاریگری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴- فوقیت، بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قَدْرَبَّ فلَانٌ قَوْمَہٗ یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ رَبَبْتُ الْقَوْمَ یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہو گیا۔

۵- مالک ہونا، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی ﷺ نے پوچھا أَرَبَّ غَنَمٍ اَمْ رَبَّ اِبِلٍ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؟ اسی معنی میں گھر کے مالک کو رَبُّ الدَّارِ، اونٹنی کے مالک کو رَبُّ النَّاقَةِ، جائداد کے مالک کو رَب الضیعة کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هُوَ اِنْشَاءُ الشَّیُٔ حَالًا فَحَالًا اِلیٰ حَدِّالتَّمَامِ (یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایہ کمال کو پہنچانا) حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسب ذیل مفہومات پر حاوی ہے۔

۱- پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشوونما دینے والا۔

۲- کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳- وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس پر متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴- سید مطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے جس کو تصرف کے اختیارات ہوں۔

۵- مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیات قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ (یوسف:۲۳)

''اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔''

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم وبیش شامل ہے۔

فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعَالَمِیۡنَ الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَهُوَ یَهۡدِیۡنِ۔ وَالَّذِیۡ هُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَیَسۡقِیۡنِ۔ وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ یَشۡفِیۡنِ۔ (الشعراء: ۷۷-۸۰)

''تمہارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز رب کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔''

وَمَا بِکُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ ثُمَّ اِذَا کَشَفَ الضُّرَّ عَنۡکُمۡ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡکُمۡ بِرَبِّهِمۡ یُشۡرِکُوۡنَ۔ (النحل:۵۳-۵۴)

''تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے ہو، مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ (اس نعمت کی بخشش اور مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔''

قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیۡءٍ۔ (انعام:۱۶۴)

''کہو! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے۔''

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَکِیۡلًا۔ (المزمل: ۹)

''وہ مشرق ومغرب کا رب ہے جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ لہٰذا اسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنالے۔''

تیسرے معنی میں:

هُوَ رَبُّکُمۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ۔ (هود: ۳۴)

''وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کرلے جائے جاؤ گے۔''

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ (الزمر:۷)

''پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری واپسی ہے۔''

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا (سبا:۲٦)

''کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔''

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ فِيْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ (انعام:۳۸)

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور ہوا میں اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمہاری ہی طرح ایک امت نہ ہو۔ اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔''

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (یٰس: ۵۱)

''اور جونہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب کی طرف نکل پڑیں گے۔''

چوتھے معنی:

میں جس کے ساتھ کم وبیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۱)

''انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔''

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران:٦٤)

''اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔''

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا ہو۔ جس کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو۔ جنھیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ...... وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ۔ (یوسف:۴۲)

''یوسف نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا...اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاوے میں ڈال دیا اور اس کو اپنے رب سے یوسف کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔''

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَابَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ۔ (یوسف:۵۰)

''جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔''

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعون مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسف علیہ السلام اپنا رب اللہ کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ اور صاحب امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ (قریش:۳-۴)

''لہٰذا انھیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انھیں بدامنی سے محفوظ رکھا ہے۔''

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (صافات:۱۸۲)

''تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (الانبیاء:۲۲)

''اللہ جو عرش کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ (المومنون:۸۶)

''پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش بزرگ کا مالک کون ہے؟''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ (الصّافات: ۵)

''وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم: ۴۹)

''اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔''

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (Sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور ''رب'' کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطان مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمام جہان کا پروردگار، مربی اور حاجت روا ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا کفیل، خبر گیراں، مختار کار اور معتمد علیہ ہے۔

اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرماں روا ہے۔

اہل عرب اور دنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انھوں نے پانچ مختلف النوع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہوسکتی ہیں اور متعلق ہیں۔ لیکن قرآن اپنے طاقتور استدلال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجایش نہیں ہے کہ اقتدار اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اسی ایک خدا کے لیے مختص ہے، جو اس نظام کو وجود میں لایا۔ لہٰذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز وکسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے، اور امر واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: قرآن کی دعوت)

قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانہ نزول قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گمراہی اور مشترک گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے ربوبیت کے ان پانچ مفہومات کو جو ہم ابتداء میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

رب کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگہبانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا۔ اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگرچہ رب اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں اور غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیاء اور اولیاء اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

اور رب کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدار اعلیٰ کا مالک، ہدایت و رہنمائی کا منبع، قانون کا ماٗخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کے بجائے صرف انسانوں ہی کو رب مانتے تھے۔ یا نظری طور پر اللہ کو رب ماننے کے باوجود عملاً انسانوں کی اخلاقی و تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سر اطاعت خم کیے رہتے تھے۔

ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہٗ ہے۔ ربوبیت ناقابل تقسیم ہے، اس کا کوئی جزو کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا،

جس پر ایک ہی خدا فرماں روائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات واقتدارات کا مالک ایک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر وانتظام میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی فرماں روائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمہارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی وتمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمہارا معبود ہے۔ وہی تمہارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمہاری دعاؤں کا ملجا و ماویٰ ہے، وہی تمہارے توکل واعتماد کا سہارا ہے، وہی تمہاری ضرورتوں کا کفیل ہے۔

اور اسی طرح وہی پادشاہ ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ وہی شارع وقانون ساز اور وہی امرونہی کا مختار بھی ہے، ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں جن کو جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ کیا ہے، حقیقت میں خدائی کا لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہے۔ انھیں نہ ایک دوسرے سے منفک کیا جاسکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھہرانا درست ہے۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: قرآن کی دعوت)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ اس کی رہنمائی، پرورش، نگہداشت، حفاظت اور حاجت روائی کا ذمہ بھی خود ہی لے لیا ہے۔ جس لمحے انسان دنیا میں قدم رکھتا ہے اسی وقت ایک طرف اس کی ماں کے سینے میں دودھ پیدا ہوجاتا ہے تو دوسری طرف کوئی ان دیکھی طاقت اسے دودھ چوسنے اور حلق سے اتارنے کا طریقہ سکھادیتی ہے۔ پھر اس تربیت ورہنمائی کا سلسلہ اول روز پیدائش سے شروع ہوکر موت کی آخری ساعت تک برابر جاری رہتا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں انسان کو اپنے وجود اور نشوونما اور بقا وارتقاء کے لیے جس جس نوعیت کے سروسامان کی حاجت پیش آتی ہے وہ سب اس کے پیدا کرنے والے نے زمین سے لے کر آسمان تک ہر طرف مہیا کر دیا ہے۔ اس سروسامان سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے کے لیے جن جن طاقتوں اور قابلیتوں کی اس کو حاجت پیش آتی ہے وہ سب بھی اس کی ذات میں ودیعت کردی ہیں اور ہر شعبۂ حیات میں جس جس طرح کی رہنمائی اس کو درکار ہوتی ہے اس کا بھی پورا انتظام اس نے کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے انسانی وجود کی حفاظت کے لیے اور اس کو آفات سے، بیماریوں سے، مہلک جراثیم سے اور زہریلے اثرات سے بچانے کے لیے خود اس کے جسم میں اتنے زبردست انتظامات کیے ہیں کہ انسان کا علم ابھی تک ان کا پورا احاطہ بھی نہیں کرسکا ہے۔ اگر یہ قدرتی انتظامات موجود نہ ہوتے تو ایک معمولی کانٹا چبھ جانا بھی انسان کے لیے مہلک ثابت ہوتا اور اپنے علاج کے لیے آدمی کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکتی۔ خالق کی یہ ہمہ گیر رحمت وربوبیت جب ہر آن ہر پہلو سے انسان کی دست گیری کررہی ہے تو اس سے بڑی حماقت وجہالت اور کیا ہوسکتی ہے، اور اس سے بڑھ کر احسان فراموشی بھی اور کون سی ہوسکتی ہے کہ انسان اس کو چھوڑ کر کسی دوسری ہستی کے آگے سرنیاز جھکائے اور حاجت روائی ومشکل کشائی کے لیے کسی اور کا دامن تھامے۔

(تفہیم القرآن، ج۳، الشعراء، حاشیہ: ۵۸)

۱۲۷-اَلْمَنَّانُ : بہت احسان کرنے والا، بہت نوازنے والا

سورہ ابراہیم آیت ۱۱ میں ہے:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا، واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔''

(اللہ کے رسولوں نے اپنے اوپر اس کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا) بلاشبہ ہم ہیں تو انسان، مگر اللہ نے تمہارے درمیان ہم کو ہی علم حقیقت اور بصیرت کاملہ عطا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس میں ہمارے بس کی کوئی بات نہیں یہ تو اللہ کے اختیارات کا معاملہ ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو جو کچھ چاہے دے۔ ہم نہ یہ کر سکتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آیا ہے وہ تمہارے پاس بھجوادیں اور نہ یہی کر سکتے ہیں کہ جو حقیقتیں ہم پر منکشف ہوئی ہیں ان سے آنکھیں بند کرلیں۔
(تفہیم القرآن، ج ۲، ابراہیم، حاشیہ: ۲۱)

سورۃ النساء آیت ۹۴ میں فرمایا:

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا۔

''آخر اسی حالت میں تم خود بھی تو اس سے پہلے مبتلا رہ چکے ہو۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو۔''

(روئے سخن صحابہ کرام کی جانب ہے) کہ ایک وقت تم پر بھی ایسا گزر چکا ہے کہ انفرادی طور پر مختلف کافر قبیلوں میں منتشر تھے، اپنے اسلام کو ظلم وستم کے خوف سے چھپانے پر مجبور تھے، اور تمہارے پاس ایمان کے زبانی اقرار کے سوا اپنے ایمان کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ اب یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو اجتماعی زندگی عطا کی اور تم اس قابل ہوئے کہ کفار کے مقابلہ میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اٹھے ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، النساء، حاشیہ: ۱۲۷)

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے روبرو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۔ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔

''اس نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔''

صحرائی گلہ بانوں کے خاندان کا ایک فرد جس کو خود اس کے بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کردینا چاہا تھا۔ زندگی کے نشیب وفراز دیکھتا ہوا بالآخر دنیوی عروج کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس کے قحط زدہ اہل خاندان اب اس کے دست نگر ہو کر اس کے حضور آئے ہیں اور وہ حاسد بھائی بھی جو اس کو مار ڈالنا چاہتے تھے، اس کے تخت شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔ یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فخر جتانے، ڈینگیں مارنے اور گلے شکوے کرنے اور طعن وملامت کے تیر برسانے کا تھا۔ مگر ایک سچا اور خدا پرست انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس عروج پر فخر کرنے کے بجائے اس خدا کے احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، یوسف، حاشیہ: ۷۱)

سورۃ الحجرات آیت ۱۷ میں ارشاد ہے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

''یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو۔''

جو لوگ دل کی تصدیق کے بغیر محض زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور پھر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ گویا اسلام قبول کر کے انھوں نے کوئی احسان کیا ہے۔ دنیا میں تو ان کا شمار مسلمانوں میں ہوسکتا ہے، معاشرے مین ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا سلوک بھی کیا جاسکتا ہے، مگر اللہ کے ہاں وہ مومن قرار نہیں پا سکتے (حالانکہ) اللہ تعالیٰ کا یہ ان پر احسان ہے کہ اس نے انھیں ایمان کی ہدایت دی۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، الحجرات: موضوع اور مباحث)

سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

جس انسان کا بال بال اللہ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے وہ اپنے محسن کی نعمتوں کا جواب کیسی کیسی نمک حرامیوں بے وفائیوں، غدّاریوں اور سرکشیوں سے دے رہا ہے، اور پھر اس کا محسن کیسا رحیم و حلیم ہے کہ ان ساری حرکتوں کے باوجود وہ سالہا سال ایک نمک حرام شخص کو اور صدہا برس ایک باغی قوم کو اپنی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ یہاں وہ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو علانیہ خالق کی ہستی کے منکر ہیں اور پھر بھی نعمتوں سے مالا مال ہوئے جا رہے ہیں۔ وہ بھی پائے جاتے ہیں جو خالق کی ذات، صفات، اختیارات، حقوق، سب میں غیر خالق ہستیوں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ غیر منعموں کو ادا کر رہے ہیں، پھر بھی نعمت دینے والا ہاتھ نعمت دینے سے نہیں رکتا۔ وہ بھی ہیں جو خالق کو خالق اور منعم ماننے کے باوجود اس کے مقابلے میں سرکشی اور نافرمانی ہی کو اپنا شیوہ اور اس کی اطاعت سے آزادی ہی کو اپنا مسلک بنائے رکھتے ہیں، پھر بھی مدت العمر اس کے بے حد وحساب احسانات کا سلسلہ ان پر جاری رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، النحل حاشیہ: ۱۷)

۱۲۸-اَلْحَکَمُ : فیصلہ کرنے والا

سورۃ الانعام آیت ۱۱۴ میں ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔

''کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کردی ہے؟''

(اس قرآنی ارشاد کا) مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف تمام حقیقتیں بیان کردی ہیں اور

یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ فوق الفطری مداخلت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبۂ حق کی جدوجہد کرنی ہوگی، تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحب امر تلاش کروں جو اللہ کے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرے اور ایسا کوئی معجزہ بھیجے جس سے یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں؟

سورۃ النساء آیت ۳۵ میں حَکَمٌ بمعنی فیصلہ کرنے والا بیان ہوا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۔ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔

’’اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔‘‘

اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جس کی کوئی اپیل نہیں۔ اور وہ جو فیصلہ کرتا ہے خالص علم اور کامل انصاف کے ساتھ کرتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ہود، حاشیہ: ۴۸)

مآخذ

(۱) بخاری، ج ۲، کتاب التوحید باب ان لِلّٰہ مائۃ اسم اِلَّا وَاحِدًا۔

(۲) بخاری، ج ۲، کتاب الدعوات باب لِلّٰہِ تعالیٰ مائۃ اسم غیر واحد۔

(۳) مسلم، ج ۲، کتاب الذکر والدعاء باب فی اسماء اللّٰہِ تعالیٰ وفضل من احصاھا۔

(٤) ترمذی ج ۲، ابواب الدعوات۔

(٥) سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء باب اسماء اللّٰہ عزوجل۔

(٦) المستدرک للحاکم، ج ۱، کتاب الایمان باب اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وتِسْعِیْن اسمًا من اَحْصَاھَا دخل الجنة۔ کنز العُمّال ج ۱، بحوالہ (ابوالشیخ وابن مردویه فی التفسیر وابونعیم فی الاسماء الحنسی عَنْ ابی ھریرۃ)۔

فصل چہارم

شرک اور اس کے نتائج واثرات

خودساختہ معبود جہنم میں اپنے پوجنے والوں کے ساتھ ہوں گے

٥٤۔ نَعَمْ، كُلُّ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْبَدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهٗ۔

ترجمہ: ''ہاں ہر وہ شخص جس نے پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اس کی بندگی کی جائے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنھوں نے اس کی بندگی کی۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے خلق خدا کو خدا پرستی کی تعلیم دی تھی اور لوگ انہی کو معبود بنا بیٹھے تھے، یا جو غریب اس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ دنیا میں ان کی بندگی کی جارہی ہے اور اس فعل میں ان کی خواہش اور مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے، ان کے جہنم میں جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں[1]۔ البتہ جنھوں نے خود معبود بننے کی کوشش کی اور جن کا خلق خدا کے اس شرک میں واقعی دخل ہے وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جنھوں نے اپنی اغراض کے لیے غیر اللہ کو معبود بنوایا، کیونکہ اس صورت میں مشرکین کے اصلی معبود وہی قرار پائیں گے نہ کہ وہ جن کو ان اشرار نے بظاہر معبود بنوایا تھا۔ شیطان بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ کیوں کہ اس کی تحریک پر جن ہستیوں کو معبود بنایا جاتا ہے، اصل معبود وہ نہیں بلکہ خود شیطان ہوتا ہے جس کے امر کی اطاعت میں یہ فعل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پتھر اور لکڑی کے بتوں اور دوسرے سامان پرستش کو بھی مشرکین کے ساتھ جہنم میں داخل کیا جائے گا تاکہ وہ ان پر آتش جہنم کے اور زیادہ بھڑکنے کا سبب بنیں اور یہ دیکھ کر انھیں مزید تکلیف ہو کہ جن سے وہ شفاعت کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے وہ ان پر الٹے عذاب کی شدت کے موجب بنے ہوئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۳، الانبیاء، حاشیہ:۹۵)

تخریج: حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: ثَنَا سَلَمَةُ عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ، قَالَ: جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا بَلَغَنِيْ يَوْمًا مَعَ الْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ، فَجَاءَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ حَتّٰى جَلَسَ مَعَهُمْ، وَفِي

---

[1] وہ تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پوجا گیا، اور وہ تمام جنّ، ارواح، اسلاف، اجداد، انبیا، اولیاء، شہداء وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھہرا کر وہ حقوق انھیں ادا کیے گئے جو دراصل خدا کے حقوق تھے، وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو۔ تمہاری کوئی دعا، کوئی التجا، کوئی پکار اور فریاد، کوئی نذر و نیاز، کوئی چڑھاوے کی چیز، کوئی تعریف و مدح اور ہمارے نام کی جاپ اور کوئی سجدہ ریزی وآستانہ بوسی و درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی۔ (تفہیم القرآن، ج۲، یونس، حاشیہ:۳۷)

الْمَجْلِسِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ رِّجَالِ قريش، فتكلّم رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَعَرَضَ لَهُ النَّضْرُبْنُ الْحَارِثِ وَكَلَّمَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حتى افحمه ثُمَّ تلاعليه وعليهم اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔ لَوْكَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَا وَرَدُوْهَا وَ كُلٌّ فِيْهَا خَالِدُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اَقْبَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزِبَعْرٰى بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيِّ السَّهْمِيُّ حَتّٰى جَلَسَ فَقَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزِّبَعْرٰى وَاللّٰهِ، مَا قَامَ النَّضْرُبْنُ الْحَارِثِ لِابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ انِفًا، وَمَا قَعَدَ وَقَدْ زَعَمَ اَنَّا وَمَا نَعْبُدُ مِنْ اٰلِهَتِنَا هٰذِهٖ حَصَبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزِّبَعْرٰى: اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُّهٗ لَخَصَمْتُهٗ۔ فَسَلُوْا مُحَمَّدًا اَكُلُّ مَنْ عَبَدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فِيْ جَهَنَّمَ مَعَ مَنْ عَبَدَهٗ فَنَحْنُ نَعْبُدُ الْمَلَائِكَةَ وَالْيَهُوْدُ تَعْبُدُ عُزَيْرًا، وَالنَّصَارٰى تَعْبُدُ الْمَسِيْحَ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَعَجِبَ الْوَلِيْدُ ابْنُ الْمُغِيْرَةِ وَمَنْ كَانَ فِي الْمَجْلِسِ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزِّبَعْرٰى وَرَأَوْا اَنَّهٗ قَدْ خَاصَمَ وَاحْتَجَّ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِ بْنِ الزِّبَعْرٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :نَعَمْ كُلُّ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْبَدَمِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهٗ۔(۱)

ترجمہ: ابنِ اسحاق کہتے ہیں جوروایت مجھ تک پہنچی ہے اس کے مطابق ایک روز نبی ﷺ ولید کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ نضر بن الحارث ادھر آ نکلا اور ان کے ساتھ شریک مجلس ہوگیا۔ اس مجلس میں کئی قریشی لوگ اور بھی شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے گفتگو کا آغاز فرمایا، تو نضر بن حارث درمیان میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے گفتگو اس انداز اور سلیقے سے فرمائی کہ وہ لاجواب ہوگیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے نضر بن حارث اور دیگر قریشی لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت مبارک پڑھی: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔ لَوْكَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّاوَرَدُوْهَا وَ كُلٌّ فِيْهَا خَالِدُوْنَ سے وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ تک۔ اس کے بعد آپ اٹھ گئے اور عبداللہ بن زِبَعری آیا اور بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ بولا بہ خدا نضر بن حارث، ابن عبدالمطلب (محمد ﷺ) کے احترام کی خاطر کھڑا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے لیے پھر بیٹھا۔ کیوں کہ ابن عبدالمطلب کا زعم ہے کہ ہم اور ہمارے معبود جنھیں ہم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس پر ابن زِبعری بول اٹھا کہ خدا کی قسم! اگر میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں مخاصمہ کروں گا۔

لہٰذا تم محمدؐ سے پوچھو کہ کیا وہ سب جہنمی ہیں جنھیں اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے یعنی یہ معبود اور عابد دونوں جہنم میں جائیں گے؟ (اگر ایسا ہے) تو ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جب کہ یہود عزیر کی اور نصاریٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ مجلس میں موجود ولید بن مغیرہ اور دیگر اصحاب نے زبعری کے اس اعتراض کو بہت عمدہ قرار دیا اور انھوں نے خیال کیا کہ اس شخص نے بڑی وزنی دلیل دی ہے اور جیت گیا ہے جب یہ گفتگو نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ہر وہ شخص جس نے پسند کیا کہ اللہ کے بجائے اس کی بندگی کی جائے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنھوں نے اس کی بندگی کی۔''

بچوں کے ذہن میں نقشِ توحید کس طرح بٹھایا جائے؟

۵۵۔ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَفْصَحَ الْغُلَامُ مِنْ بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَّمَهٗ هٰذِهِ الْاٰيَةَ۔

ترجمہ: نبی ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ حضورؐ کے خاندان میں جب کسی بچے کی زبان کھل جاتی تھی تو آپ یہ آیت اسے سکھاتے تھے۔

مصنّف عبدالرزاق و مَصنَّفِ ابن ابی شیبۃ، بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ۔

تشریح: (اس حدیث میں جس آیت کی تعلیم کا ذکر ہے، سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱۱ میں ہے کہ وہ جو زمین اور آسمانوں کا بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی)۔

اس آیت میں توحید کی پوری تعلیم سمیٹ دی گئی ہے۔ قرآن کی جامع آیات میں سے یہ ایک عظیم الشان آیت ہے جس کے چند الفاظ میں اتنا بڑا مضمون سمو دیا گیا ہے کہ ایک پوری کتاب بھی اس کی وسعتوں کا احاطہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہوسکتی۔ (حضور کا بچوں کو یہ آیت سکھانا واضح کرتا ہے کہ) آدمی کے ذہن میں توحید کا پورا تصور بٹھانے کے لیے یہ آیت ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کے بچے جب ہوشیار ہونے لگیں تو آغاز ہی میں ان کے ذہن پر یہ نقش ثبت کردے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۸)

تخریج: ﴿۱﴾ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ اَبِىْ اُمَيَّةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُ الْغُلَامَ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ اِذَا اَفْصَحَ سَبْعَ مَرَّاتٍ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ۔(۲)

ترجمہ: عبدالکریم ابوامیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ آپ بنی ہاشم کے ہر بچے کو جب وہ بولنا شروع کرتا سات مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ کی تعلیم دیتے تھے یعنی ''تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا، اور جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔''

﴿۲﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، قَالَ: كَانَ الْغُلَامُ اِذَا اَفْصَحَ مِنْ بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَلَّمَهُ النَّبِيُّ ﷺ هٰذِهِ الْاٰيَةَ سَبْعًا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ مِنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ (۳)

مشرکین سے ایک سوال

۵۶۔ بَلِ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَجَلُّ وَاَكْرَمُ۔

ترجمہ: روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب سورہ نمل کی آیت ۵۹ تلاوت فرماتے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى

عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ آٰللّٰہُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۔ کہ (ان سے پوچھو) اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنھیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ تو فوراً اس کے جواب میں فرماتے: ''نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا اور بزرگ و برتر ہے۔''

تشریح: بظاہر یہ سوال عجیب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بہتر ہے یا معبودانِ باطل۔ حقیقت کے اعتبار سے تو معبودانِ باطل میں کسی خیر کا سوال ہی نہیں ہے کہ اللہ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ رہے مشرکین تو وہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ تھے کہ اللہ کا اور اِن کے معبودوں کا کوئی مقابلہ ہے۔ لیکن یہ سوال ان کے سامنے اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا میں کوئی کام بھی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک وہ اپنے نزدیک اس میں کسی بھلائی یا فائدے کا خیال نہ رکھتا ہو۔ اب اگر یہ مشرک لوگ اللہ کی عبادت کے بجائے ان معبودوں کی عبادت کرتے تھے، اور اللہ کو چھوڑ کر ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور ان کے آگے نذرونیاز پیش کرتے تھے، تو یہ اس کے بغیر بالکل بے معنی تھا کہ ان معبودوں میں کوئی خیر ہو۔ اسی بنا پر ان کے سامنے صاف الفاظ میں یہ سوال رکھا گیا کہ بتاؤ اللہ بہتر ہے یا تمہارے یہ معبود؟ کیونکہ اس دوٹوک سوال کا مقابلہ کرنے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ ان میں سے کوئی کٹے سے کٹا مشرک بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں۔ اور یہ مان لینے کے بعد کہ اللہ بہتر ہے، ان کے پورے دین کی بنیاد ڈھے جاتی تھی، اس لیے کہ پھر یہ بات سراسر نامعقول قرار پاتی تھی کہ بہتر کو چھوڑ کر بدتر کو اختیار کیا جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، النمل حاشیہ: ۷۲)

تخریج: وَفِیۡ بَعۡضِ الۡاٰثَارِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَرَأَ ھٰذِہِ الۡاٰیَۃَ، قَالَ: بَلِ اللّٰہُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی وَاَجَلُّ وَاَکۡرَمُ۔(٤)

خواہش نفس بدترین معبود

۵۷۔ مَا تَحۡتَ ظِلِّ السَّمَآءِ مِنۡ اِلٰہٍ یُّعۡبَدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعۡظَمُ عِنۡدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مِنۡ ھَوًی یُّتَّبَعُ۔

ترجمہ: اس آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود بھی پوجے جا رہے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔ (طبرانی)

تشریح: خواہش نفس کو خدا بنا لینے سے مراد اس کی بندگی کرنا ہے اور یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے ویسا ہی شرک ہے جیسا بت کو پوجنا یا کسی مخلوق کو معبود بنانا۔ جو شخص اپنی خواہش کو عقل کے تابع رکھتا ہو اور عقل سے کام لے کر فیصلہ کرتا ہو کہ اس کے لیے صحیح راہ کون سی ہے اور غلط کون سی۔ وہ اگر کسی قسم کے شرک یا کفر میں مبتلا بھی ہو تو اس کو سمجھا کر سیدھی راہ پر لایا جاسکتا ہے، اور یہ اعتماد بھی کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ راہ راست اختیار کرنے کا فیصلہ کر لے گا تو اس پر ثابت قدم رہے گا۔ لیکن نفس کا بندہ اور خواہشات کا غلام ایک شتر بے مہار ہے۔ اسے تو اس کی خواہشات جدھر جدھر لے جائیں گی وہ ان کے ساتھ ساتھ بھٹکتا پھرے گا۔ اس کو سرے سے یہ فکر ہی نہیں ہے کہ صحیح و غلط اور حق و باطل میں تمیز کرے اور ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے۔ پھر بھلا کون اسے سمجھا کر راستی کا قائل کرسکتا ہے۔ اور بالفرض اگر وہ بات مان بھی لے تو اسے کسی ضابطہ اخلاق کا پابند بنا دینا تو کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۵۶)

تخریج: عَنْ اَبِی اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا تَحْتَ ظِلِّ السَّمَآءِ مِنْ اِلٰہٍ یُّعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ تَعَالیٰ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ھَوًی یُّتَّبَعُ۔ (۵)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود بھی پوجے جارہے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جارہی ہو۔

کیاشرک کے ساتھ نیکی کا کوئی وزن ہے؟

۵۸۔ **ترجمہ:** نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، ایک شرک، دوسرے والدین کی حق تلفی، تیسرے میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔

ہر شخص جو کسی نوعیت کا شرک کرتا ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی تکذیب کرتا ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں حضرت نے میری بیماری دور کردی، اصل میں یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ شافی نہیں ہے بلکہ وہ حضرت شافی ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کی عنایت سے مجھے روزگار مل گیا، حقیقت میں یہ کہنا ہے کہ رازق اللہ نہیں ہے بلکہ وہ بزرگ رازق ہیں۔ کسی کا یہ کہنا کہ فلاں آستانے سے میری مراد برآئی، گویا دراصل یہ کہنا ہے کہ دنیا میں حکم اللہ کا نہیں بلکہ اس آستانے کا چل رہا ہے۔ غرض ہر مشرکانہ عقیدہ اور مشرکانہ قول آخری تجزیہ میں صفاتِ الٰہی کی تکذیب ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی دوسروں کو سمیع وبصیر، عالم الغیب، فاعل مختار، قادر ومتصرف اور الوہیت کے دوسرے اوصاف سے متصف قرار دے رہا ہے اور اس بات کا انکار کررہا ہے کہ اکیلا اللہ ہی ان صفات کا مالک ہے۔

تخریج: وَقَالَ الْحَافِظُ اَبُوالْقَاسِمِ الطَّبْرَانِیُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ مُحَمَّدُبْنُ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیٰ بْنِ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ اَبُو النَّصْرِ، حَدَّثَنَا یَزِیْدُبْنُ رَبِیْعَةَ، حَدَّثَنَا اَبُوالْاَشْعَثِ، عَنْ ثَوْبَانَ مَرْفُوْعًا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا یَنْفَعُ مَعَھُنَّ عَمَلٌ۔ الشِّرْکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ۔ (٦)

وھذا ایضا حدیث غریب جدا۔

ترجمہ: ابوالاشعث حضرت ثوبان سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "تین گناہ ایسے ہیں ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، دوسرا والدین کی نافرمانی وحق تلفی اور تیسرا میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔"

شرک سب سے بڑا گناہ ہے

۵۹۔ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ۔ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَةَ اَنْ یَطْعَمَ مَعَکَ۔ اَنْ تَزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِکَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا، سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا "یہ کہ تو کسی کو

اللہ کا مدّ مقابل اور ہمسر ٹھیرائے، حالانکہ تجھے اللہ نے پیدا کیا ہے۔" پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا" یہ کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گا۔" پوچھا گیا پھر؟ فرمایا" یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، احمد)

تشریح: اگرچہ کبیرہ گناہ اور بھی بہت سے ہیں (مگر اس حدیث میں تین کا ذکر کیا گیا ہے) عرب کی سوسائٹی پر اُس وقت سب سے زیادہ تسلّط انہی تین گناہوں کا تھا۔

اہلِ عرب اگرچہ شرک میں مبتلا تھے اور سخت تعصّب کی حد تک مبتلا تھے، مگر درحقیقت اس کی جڑیں اوپری سطح ہی تک محدود تھیں، کچھ گہری اتری ہوئی نہ تھیں، اور دنیا میں کبھی کہیں بھی شرک کی جڑیں انسانی فطرت میں گہری اتری ہوئی نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس خالص خدا پرستی کی عظمت اُن کے ذہن کی گہرائیوں میں رچی ہوئی موجود تھی جس کو اُبھارنے کے لیے اوپر کی سطح کو بس ذرا زور سے کھرچ دینے کی ضرورت تھی۔ جاہلیت کی تاریخ کے متعدد واقعات ان دونوں باتوں کی شہادت دیتے ہیں۔ مثلاً اَبرَہہ کے حملے کے موقع پر قریش کا بچہ بچہ یہ جانتا تھا کہ اس بلا کو وہ بُت نہیں ٹال سکتے جو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے جس کا یہ گھر ہے۔ آج تک وہ اشعار اور قصائد محفوظ ہیں جو اصحاب الفیل کی تباہی پر ہم عصر شعراء نے کہے تھے۔ اُن کا لفظ لفظ گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ اس واقعہ کو محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ سمجھتے تھے اور اس امر کا ادنیٰ سا گمان بھی نہ رکھتے تھے کہ اُس میں ان کے معبودوں کا کوئی دخل ہے۔ اسی موقعہ پر شرک کا یہ بدترین کرشمہ بھی قریش اور تمام مشرکینِ عرب کے سامنے آیا تھا کہ ابرہہ جب مکّے کی طرف جاتے ہوئے طائف کے قریب پہنچا تو اہلِ طائف نے اس اندیشے سے کہ یہ کہیں ان کے معبود "لات" کے مندر کو بھی نہ گرا دے، اپنی خدمات کعبے کو منہدم کرنے کے لیے اس کے آگے پیش کر دیں اور اپنے بدرقے اس کے ساتھ کر دیے تاکہ وہ پہاڑی راستوں سے اس کے لشکر کو بخیریت مکّہ تک پہنچا دیں۔ اس واقعہ کی تلخ یاد مدّتوں تک قریش کو ستاتی رہی اور سالہا سال تک وہ اُس شخص کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے جو طائف کے بدرقے کا سردار تھا۔ علاوہ بریں قریش اور دوسرے اہلِ عرب اپنے دین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اپنے بہت سے مذہبی اور معاشرتی مراسم اور خصوصاً مناسکِ حج کو دینِ ابراہیم کے اجزاء قرار دیتے تھے، اور یہ بھی مانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خالص خدا پرست تھے، بتوں کی پرستش انہوں نے کبھی نہیں کی۔ ان کے ہاں کی روایات میں یہ تفصیلات بھی محفوظ تھیں کہ بُت پرستی اُن کے ہاں کب سے رائج ہوئی اور کون سا بُت کب، کہاں سے، کون لایا۔ اپنے معبودوں کی جیسی کچھ عزت ایک عام عرب کے دل میں تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کبھی اس کی دعاؤں اور تمناؤں کے خلاف کوئی واقعہ ظہور میں آجاتا تو بسا اوقات وہ معبود صاحب کی توہین بھی کر ڈالتا تھا اور اس کی نذر و نیاز سے ہاتھ کھینچ لیتا تھا۔ ایک عرب اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ذوالخَلَصَہ نامی بُت کے آستانے پر جا کر اس نے فال کھلوائی۔ جواب نکلا کہ یہ کام نہ کیا جائے۔ اس پر عرب طیش میں آگیا۔ کہنے لگا:

لَوْ كُنْتَ يَا ذَا الْخَلَصِ الْمَوْتُورَا مِثْلِي وَكَانَ شَيْخُكَ الْمَقْبُورَا

لَمْ تَنْهَ عَنْ قَتْلِ الْعِدَاةِ زُورًا

''یعنی اے ذوالخَلَصہ ! اگر میری جگہ تو ہوتا اور تیرا باپ مارا گیا ہوتا تو ہرگز تو یہ جھوٹی بات نہ کہتا کہ ظالموں سے بدلہ نہ لیا جائے۔''

ایک اور عرب صاحب اپنے اونٹوں کا گلہ اپنے معبود سَعد نامی کے آستانے پر لے گئے تاکہ ان کے لیے برکت حاصل کریں۔ یہ ایک لمبا تڑنگا بت تھا جس پر قربانیوں کا خون لتھڑا ہوا تھا۔ اونٹ اسے دیکھ کر بھڑک گئے اور ہر طرف بھاگ نکلے۔ عرب اپنے اونٹوں کو اس طرح تتر بتّر ہوتے دیکھ کر غصّے میں آ گیا۔ بُت پر پتھر مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ''خدا تیرا ستیاناس کرے۔ میں آیا تھا برکت لینے کے لیے اور تو نے میرے رہے سہے اونٹ بھی بھگا دیے۔'' متعدد بُت ایسے تھے جن کی اصلیت کے متعلق نہایت گندے قصّے مشہور تھے مثلاً اساف اور نائلہ جن کے مجسّمے صفا اور مروہ پر رکھے ہوئے تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ دراصل ایک عورت اور ایک مرد تھے جنھوں نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تھا اور خدا نے ان کو پتھر بنا دیا۔ یہ حقیقت جن معبودوں کی ہو، ظاہر ہے کہ ان کی کوئی حقیقی عزّت تو عابدوں کے دِل میں نہیں ہوسکتی۔ ان مختلف پہلوؤں کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ خالص خدا پرستی کی ایک گہری قدر و منزلت تو دلوں میں موجود تھی، مگر ایک طرف جاہلانہ قدامت پرستی نے اس کو دبا رکھا تھا، اور دوسری طرف قریش کے پروہت اُس کے خلاف تعصّبات بھڑکاتے رہتے تھے، کیونکہ بتوں کی عقیدت ختم ہوجانے سے ان کو اندیشہ تھا کہ عرب میں ان کو جو مرکزیت حاصل ہے وہ ختم ہوجائے گی اور ان کی آمدنی میں بھی فرق آ جائے گا۔ ان سہاروں پر جو مذہب شرک قائم تھا وہ توحید کی دعوت کے مقابلے میں کسی وقار کے ساتھ کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الفرقان، حاشیہ: ۸۴)

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ اَبِي وَائِلٍ، عَنْ اَبِي مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: وَحَدَّثَنِي وَاصِلٌ عَنْ اَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَكْبَرُ؟ قَالَ: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ اَنْ تَزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ، قَالَ وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَصْدِيْقًا لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا آپؐ سے پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا ''یہ کہ تو کسی کو اللہ کا ہمسر و مدّ مقابل ٹھہرائے حالانکہ تجھے پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔'' پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا ''یہ کہ تو اپنے بچّے کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے گا۔'' پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔'' اس کے بعد عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ''جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔''

کیا اسلام میں قبر پرستی کی گنجائش ہے؟

۶۰۔ لَعَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ ھِمْ مَسَاجِدَ۔

(احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ : اللہ نے لعنت فرمائی یہود اور نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔
(تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ:۲۱)

تشریح : (اس) سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیتِ عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کَلْب، تَغْلِب، قُضَاعَہ، کِنَانہ، حَرِث، کعب، کِندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے۔ اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے، پھر مشرکینِ عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنالیا تھا۔

تخریج : ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَمْرُو النَّاقِدُ، قَالَا: نا ھَاشِمُ ابْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: نا شَیْبَانٌ عَنْ ھِلَالِ بْنِ اَبِیْ حُمَیْدٍ، عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَۃَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ: لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ ھِمْ مَسَاجِدَ۔ (۸)

قَالَتْ فَلَوْلَا ذَاکَ اُبْرِزَ قَبْرُہٗ غَیْرَ اَنَّہٗ خُشِیَ اَنْ یُتَّخَذَ مَسْجِدًا وفی روایۃ ابنِ ابی شیبۃ وَلَوْلَا ذَاکَ لَمْ یذکر قالت۔

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے مروی ہے بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں ارشاد فرمایا جس سے آپؐ اٹھ نہ سکے۔ ''اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی یہود و نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔''

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ، عَنْ مَالِکٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَاتَلَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ۔ (۹)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ یہود کا ستیاناس کرے انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔'' (یعنی ان پر سجدے کرنے لگے)۔

انہی سے مروی دوسری روایت میں لَعَنَ اللّٰهُ الیهود و النّصاریٰ اتّخذوا قبور انبیاء هم مساجد کے الفاظ بھی ہیں۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا اَبُو الیَمان، قَالَ : اَخبَرَنَا شُعَیبٌ عَنِ الزُّهرِیِّ، قَالَ : اَخبَرَنِی عُبَیدُ اللّٰهِ ابنُ عَبدِاللّٰهِ بنِ عُتبَة۔اَنَّ عَائِشَةَ وَعَبدَ اللّٰهِ بنَ عَبَّاسٍ قَالَا: لَمَّا نُزِلَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ یَطرَحُ خَمِیصَةً لَهٗ عَلٰی وَجهِهٖ فَاِذَا اغتَمَّ بِهَا کَشَفَهَا عَن وَجهِهٖ فَقَالَ وَهُوَ کَذٰلِكَ: لَعنَةُ اللّٰهِ عَلَی الیَهُودِ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِیَآءِ هِم مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مَاصَنَعُوا۔ (۱۰)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ دونوں سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ شدید علیل ہوئے تو کبھی آپؐ اپنے چہرہ مبارک پر چادر ڈال لیتے اور جب مرض شدت اختیار کرتا تو آپؐ اپنے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا دیتے۔

اسی حالت میں ارشاد فرمایا۔ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، اس فرمان سے آپ کا مقصد مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں سے ڈرانا اور تنبیہ کرنا تھا۔

۶۱ ۔ بخاری میں ابنِ عباس کی روایت ہے کہ وَدّ، سُواع، یغوث، یعُوق، نسر، یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ اِساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔ اسی طرح کی روایات لات اور مناۃ اور عُزّیٰ کے بارے میں بھی موجود ہیں۔ اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایات میں آیا ہے کہ لات اور عُزّیٰ اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عُزّیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے۔ سُبحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُونَ۔
(تفہیم القرآن، ج۲، النحل، حاشیہ:۱۹)

تخریج : حَدَّثَنَا اِبرَاهِیمُ بنُ مُوسٰی، قَالَ: اَخبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابنِ جُرَیجٍ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ بنِ عَبَّاسٍ، صَارَتِ الاَوثَانُ الَّتِی کَانَت فِی قَومِ نُوحٍ فِی العَرَبِ بَعدُ۔ اَمَّا وُدٌّ کَانَت لِکَلبٍ بِدُومَةِ الجَندَلِ، وَاَمَّا سُوَاعٌ فَکَانَت لِهُذَیلٍ، وَاَمَّا یَغُوثُ، فَکَانَت لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِی غُطَیفٍ بِالجَوفِ عِندَ سَبَا وَاَمَّا یَعُوقُ فَکَانَت لِهَمدَانَ، وَاَمَّا نَسرٌ فَکَانَت لِحِمیَرَ لِاٰلِ ذِی الکُلَاعِ وَنَسرًا اَسمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِینَ مِن قَومِ نوحٍ۔ فَلَمَّا هَلَکُوا اَوحَی الشَّیطَانُ اِلٰی قَومِهِم اَنِ انصِبُوا اِلٰی مَجَالِسِهِمُ الَّتِی کَانُوا یَجلِسُونَ اَنصَابًا وَسَمُّوهَا بِاَسمَائِهِم فَفَعَلُوا فَلَم تُعبَد حَتّٰی اِذَا هَلَكَ اُولٰٓئِكَ وَتَنَسَّخَ العِلمُ عُبِدَت۔ (۱۱)

زیارتِ قبور

۶۲ ۔ لَعَنَ اللّٰهُ تَعَالٰی زَائِرَاتِ القُبُورِ وَالمُتَّخِذِینَ عَلَیهَا المَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ: ۲۱)

تخریج :〈۱〉 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُالْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (۱۲)

وفی الباب عن ابی هريرة وَعَائشة، قَال ابوعيسى حديث ابن عباس حديث حسن۔

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور ان پر مساجد بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

〈۲〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔ وفی الباب عن ابن عباس وحسان بن ثابت۔قَالَ ابوعيسى وهذاحديث حسن صحيح۔

وَقَدْ رَاٰی بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يُرَخِّصَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِیْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّمَا كَرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُوْرِ فِی النِّسَاءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَ كَثْرَةِ جَزْعِهِنَّ۔ (۱۳)

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ بعض اہلِ علم کی یہ رائے ہے کہ آپ کا یہ ارشاد زیارتِ قبور کی رخصت دیے جانے سے پہلے کا ہے۔ جب آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی تو اس میں مرد و عورت سبھی شامل ہوگئے۔ بعض اہلِ علم نے اس کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ عورتوں کے زیارتِ قبور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدہ اس بناء پر ٹھیرایا ہے کہ ان میں صبر بہت کم ہے اور جزع فزع بہت کرتی ہیں۔

ابن ماجہ میں عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت عن ابیہ اور ابن عباس دونوں کی روایات ہیں۔ (۱۴)

۶۳۔ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهٰكُمْ عَنْ ذَالِكَ۔ (مسلم)

ترجمہ : خبردار رہو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے تھے، میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم) (تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ: ۲۱)

تخریج : حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ بَكْرٍ، قَالَ اِسْحَاقُ: اَنَا وَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: نَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِیٍّ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِیْ اُنَيْسَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ النَّجْرَانِیِّ، قَالَ : حَدَّثَنِیْ جُنْدُبٌ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ: اِنِّيْ اَبْرَأُ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا۔ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، اَلَا! فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (۱۵)

ترجمہ : جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل بناؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً وہ (حضرت) ابوبکر ہوتے جنہیں میں اپنا خلیل بناتا۔ سنو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تم قبروں کو مساجد نہ بنالینا۔ میں تمہیں اس فعل کے ارتکاب سے منع کرتا ہوں۔

٦٤ ۔ اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ : ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجدیں بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے۔ یہ قیامت کے روز بدترین مخلوقات ہوں گے۔

تشریح: احادیث نمبر ۶۲، ۶۳، ۶۴ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تصریحات کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرأت کرسکتا ہے کہ قرآن مجید (سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۲۱[1]) میں عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا حکایۃً ذکر کیا گیا ہے اس کو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل وحجت ٹھہرائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، الکہف، حاشیہ:۲۱)

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَنِيْسَةً رَاَتْهَا بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَذَكَرَتْ لَهٗ مَا رَاَتْ فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ اَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (۱۶)

---

[1] وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ (الکہف: ۲۱)

ترجمہ : اس طرح ہم نے اہلِ شہر کو ان کے حال پر مطلع کیا تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ قیامت کی گھڑی بے شک آ کر رہے گی (مگر ذرا خیال کرو کہ جب سوچنے کی اصل بات یہ تھی) اس وقت وہ آپس میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ان (اصحاب کہف) کے ساتھ کیا کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا۔ ''ان پر ایک دیوار چُن دو، ان کا رب ہی ان کے معاملہ کو بہتر جانتا ہے۔'' مگر جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انہوں نے کہا'' ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے۔''

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے ماریہ نامی ایک گرجا کا ذکر کیا جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ اس میں جو تصاویر وغیرہ دیکھی تھیں ان کا ذکر بھی کیا۔ یہ سب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں کا کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں آویزاں کر دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سب سے بدتر اور شریر لوگ ہیں۔''

ایک روایت میں اُم حبیبہ اور اُم سلمہ دونوں کا نام ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَاَيْنَهَا بِا لْحَبَشَةِ فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَذَكَرَتَاذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ اُولٰٓئِكَ اِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ وَاُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱۷)

اس روایت میں صورتِ واقعہ بیان کرنے میں حضرت امّ سلمہؓ کے ساتھ حضرت امّ حبیبہؓ کا بھی ذکر ہے۔

مقبولیّتِ دُعا کے لیے قبروں پر چلّہ کشی

اوّل تو دین میں اصل چیز کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہے نہ کہ بزرگوں کے اقوال وافعال۔ دوسرے خود بزرگوں کے اقوال وافعال کے متعلق جو مواد تذکروں میں ملتا ہے، وہ بھی ایسا مستند نہیں ہے کہ اس کی بناء پر اطمینان کیا جاسکے کہ واقعی ان بزرگوں کے اقوال وافعال وہی تھے جو ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ایسی چیزوں کو ماخذ مان کر اُن کی پیروی کرنا میرے نزدیک سخت بے احتیاطی ہے۔ محفوظ طریقہ وہی ہے جو ہمیں قرآن وحدیث سے ملتا ہے، اور جس کو امّت کے محدّثین اور فقہاء نے منقّح اور مدوّن کر کے رکھ دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص دین کی یقینی اور قابلِ اعتماد راہ پر چلنا چاہتا ہے، اس کو اس محفوظ طریقے سے تجاوز کا کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ باہر جو کچھ ہے وہ کم از کم خطرے سے تو خالی نہیں ہے۔ جن تذکروں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ فلاں فلاں بزرگوں نے یہ کام کیا تھا، ان کی روایات کا حدیث کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلہ میں بھی آخر کیا پایہ ہے؟ کس سند کی بنا پر اعتماد یا گمانِ غالب ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوں نے واقعی ایسا کیا تھا؟ فرض کیجیے کہ حقیقت میں انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔ اس صورت میں اُن بے سند روایات کی پیروی کر کے ہم آخرت میں کس چیز کا سہارا لے کر جواب دہی کر سکیں گے؟ اگر عاقبت کی ہمیں فکر ہو اور ہم خود بھی اپنی خیر چاہتے ہوں تو یہ کام کرنے سے پہلے ہم کو دین کے محفوظ طریقہ کی طرف رجوع کر کے اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہاں کسبِ فیض یا قبولیّتِ دعا کے لیے یہ راستہ بتایا گیا ہے یا نہیں؟ صحابہ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر کبھی چلّہ کھینچا یا مراقبہ کیا؟ تابعین نے کبھی کسی صحابی کی قبر پر یہ کام کیا۔ فقہاء ومحدثین میں سے کسی نے اس کو مشروع طریقہ بنایا؟ سب سے بڑھ کر خود اللہ میاں نے قرآن میں کہیں یہ تعلیم دی کہ قبروں پر حصولِ فیض یا استجابتِ دعا کے لیے جاؤ؟ یا اللہ کے رسولؐ نے اس طریق کار کی طرف کوئی اشارہ کیا؟ ان ذرائع سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہو تو اطمینان کے ساتھ یہ کام کیا جاسکتا ہے ورنہ یہ بالکل غلط نہ سہی مشتبہ تو ماننا ہی پڑے گا۔ ایسا مشتبہ کام کر کے کیا میں یہ خطرہ مول نہ لوں گا کہ شاید آخرت میں وہ غلط ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ کو اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکوں کہ جب دین کی حقیقی راہ معلوم کرنے کے قابل اعتماد ذرائع موجود تھے تو میں مشتبہ ذرائع کی طرف کیوں گیا؟

(رسائل ومسائل حصہ سوم: مقبولیت دعا کے لیے قبروں پر چلّہ کشی)

علماء اور درویشوں کو رب بنانا

٦٥ ۔ترجمہ : حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم، جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے تو انہوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۱ میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔

تشریح : اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعمِ خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حقِ شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں خدا بناتے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، التوبہ، حاشیہ: ۳۱)

ایک طرف اللہ کی خداوندی کا اقرار کرنا اور دوسری طرف اللہ سے پھرے ہوئے لوگوں کے احکام پر چلنا اور ان کے مقرر کیے ہوئے طریقوں کی پابندی کرنا، شرک ہے، توحید یہ ہے کہ زندگی سراسر اللہ کی اطاعت میں بسر ہو۔ اللہ کے ساتھ اگر دوسروں کو اعتقاداً مستقل بالذّات مُطاع مان لیا جائے تو یہ اعتقادی شرک ہے اور اگر عملاً ایسے لوگوں کی اطاعت کی جائے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہوکر خود امر و نہی کے مختار بن گئے ہوں تو یہ عملی شرک ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۸۷)

اسلام کے نقطۂ نظر سے جس طرح پرستش کا مستحق تنہا اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح بندوں کے لیے قانون بنانے اور جائز و ناجائز کی حدیں مقرر کرنے کا حق دار بھی صرف اللہ ہے۔ لہٰذا جس طرح کسی دوسرے کے آگے پرستش کے افعال میں سے کوئی فعل کرنا اسے خدا کا شریک بنانے کا ہم معنی ہے، اسی طرح کسی کے خود ساختہ قانون کو برحق سمجھتے ہوئے اسکی پابندی کرنا اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کو واجب الاطاعت ماننا بھی اسے خدائی میں اللہ کا شریک قرار دینے کا ہم معنی ہے۔ یہ دونوں افعال بہر حال شرک ہیں، خواہ ان کا مرتکب ان ہستیوں کو زبان سے اِلٰہ اور رب کہے یا نہ کہے جن کے آگے وہ نذر و نیاز پیش کرتا ہے یا جن کے مقرر کیے ہوئے قانون کو واجب الاطاعت مانتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، الانعام، حاشیہ: ۱۰۷)

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اربابا من دون اللّٰہ کا اطلاق پتھر کے بتوں پر نہیں ہوتا بلکہ ان جیتے جاگتے آقاؤں پر راست آتی ہے جو عملاً آدمی کو متضاد احکام دیتے ہیں اور فی الواقع اس کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ پتھر کے بُت کسے حکم دیا کرتے ہیں اور کب کسی کو کھینچ کر اپنی خدمت کے لیے بلاتے ہیں۔ یہ کام تو زندہ آقاؤں ہی کے کرنے کے ہیں۔ ایک آقا آدمی کے اپنے نفس میں بیٹھا ہوا ہے جو طرح طرح کی خواہشات اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسے مجبور کرتا رہتا ہے کہ وہ انہیں پورا کرے۔ دوسرے بے شمار آقا گھر میں، خاندان میں، برادری میں، قوم اور ملک کے معاشرے میں، مذہبی پیشواؤں میں، حکمرانوں اور قانون سازوں میں، کاروبار اور معیشت کے دائروں میں اور دنیا کے تمدّن پر غلبہ رکھنے والی طاقتوں میں ہر طرف موجود ہیں جن کے متضاد تقاضے اور مختلف مطالبے ہر وقت آدمی کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں اور ان میں سے جن کا تقاضا پورا کرنے میں بھی وہ کوتاہی کرتا ہے وہ اپنے دائرۂ کار میں اس کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ البتہ ہر ایک کی

سزا کے ہتھیار الگ الگ ہیں۔ کوئی دل مسوستا ہے، کوئی روٹھ جاتا ہے۔ کوئی نِکّو بنا تا ہے۔ کوئی مقاطعہ کرتا ہے، کوئی دیوالہ نکالتا ہے۔ کوئی مذہب کا وار کرتا ہے اور کوئی قانون کی چوٹ لگاتا ہے۔ اس ضیق سے نکلنے کی کوئی صورت انسان کے لیے اس کے سوانہیں ہے کہ وہ توحید کا مسلک اختیار کر کے صرف ایک خدا کا بندہ بن جائے اور ہر دوسرے کی بندگی کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکے۔ (تفہیم القرآن، ج۴، الزمر، حاشیہ:۴۸)

تخریج: 〈۱〉 حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ يَزِيْدَ الْكُوفِيُّ نَا عَبْدُالسَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ غُطَيْفِ ابْنِ اَعْيُنَ، عَنْ مُصْعَبِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ : اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ عُنُقِيْ صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ : يَا عَدِيُّ اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثْنَ وَسَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فِيْ سُوْرَةِ بَرَاءَ ةٍ۔ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ اَمَا اَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ۔(۱۸)

هذا حديث حسن غريب لانعرفه الامن حديث عبدالسلام بن حرب وغطيف بن اعين ليس بمعروف فى الحديث۔

ترجمہ : حضرت عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت سونے کی صلیب میرے گلے میں لٹک رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ''اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے اتار پھینک۔'' (تعمیلِ ارشاد میں، میں نے اسے اتار پھینکا اور آپؐ کے قریب پہنچ گیا)۔ اس وقت آپ سورہ براۃ کی تلاوت فرما رہے تھے، چنانچہ آپؐ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله۔ یعنی انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔ (تو میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے) حضورؐ نے فرمایا، ''کیا وہ اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام نہیں ٹھیراتے تھے۔ ان کی پیروی میں پھر تم لوگ بھی اسے حرام مان لیتے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھیرایا ہوتا اسے وہ حلال قرار دیتے اور اسے حلال مان لیتے۔''

〈۲〉 حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ عَمْرٍو السَّكُوْنِيُّ، قَالَ: ثنا بَقِيَّةُ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عَبْدِالسَّلَامِ بْنِ حَرْبٍ النَّهْدِيِّ عَنْ غُطَيْفٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ سُوْرَةَ بَرَاءَ ةٍ فَلَمَّا قَرَأَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، قُلْتُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَمَا اَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يُصَلُّوْنَ لَهُمْ، قَالَ:صَدَقْتَ وَلٰكِنْ كَانُوْا يُحِلُّوْنَ لَهُمْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيَسْتَحِلُّوْنَهٗ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَهُمْ فَيُحَرِّمُوْنَهٗ۔(۱۹)

ترجمہ : حضرت عدی بن حاتم نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ براءت کی قرأت فرماتے سنا۔ جب آپ نے آیت اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون الله پڑھی تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ ان کے لیے نمازیں تو نہیں پڑھتے تھے۔ حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ''تو نے ٹھیک کہا ہے لیکن ان پادریوں اور راہبوں نے اللہ تعالیٰ

کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دے دیا تو انہوں نے ان چیزوں کو حلال مان لیا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو انہوں نے حرام قرار دیا تو حرام مان لیا۔“

ماں باپ بھی شرک کا حکم دیں تو انکار کردو

٦٦۔ **ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاص، ۱۸، ۱۹ سال کے تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی ماں حمنہ بنتِ سفیان بن اُمیہ (ابوسفیان کی بھتیجی) کو جب معلوم ہوا کہ بیٹا مسلمان ہوگیا ہے تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے گا میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، نہ سائے میں بیٹھوں گی۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔ حضرت سعد اس پر سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

”ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھیرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔“

تشریح: منشا یہ ہے کہ انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں، لیکن ماں باپ بھی اگر انسان کو شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات قبول نہ کرنی چاہیے۔ کجا کہ کسی اور کے کہنے پر آدمی ایسا کرے۔ پھر الفاظ یہ ہیں کہ وَاِنْ جَاهَدَاكَ ”اگر وہ دونوں تجھے مجبور کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ کم تر درجے کا دباؤ، یا ماں باپ میں سے کسی ایک کا زور دینا تو بدرجہ اولیٰ رد کر دینے کے لائق ہے۔ اس کے ساتھ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (جسے تو میرے شریک کی حیثیت سے نہیں جانتا) کا فقرہ بھی قابل غور ہے۔

اس میں ان کی بات نہ ماننے کے لیے ایک معقول دلیل دی گئی ہے۔ ماں باپ کا یہ حق تو بے شک ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے، ان کا ادب و احترام کرے، ان کی جائز باتوں میں ان کی اطاعت کرے۔ لیکن یہ حق ان کو نہیں پہنچتا کہ آدمی اپنے علم کے خلاف ان کی اندھی تقلید کرے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک بیٹا یا بیٹی صرف اس بنا پر ایک مذہب کی پیروی کیے جائے کہ یہ اس کے ماں باپ کا مذہب ہے۔ اگر اولاد کو یہ علم ہو جائے کہ والدین کا مذہب غلط ہے تو اسے اس مذہب کو چھوڑ کر صحیح مذہب اختیار کرنا چاہیے اور ان کے دباؤ ڈالنے پر بھی اس طریقے کی پیروی نہ کرنی چاہیے جس کی گمراہی اس پر کھل چکی ہو۔ اور یہ معاملہ جب والدین کے ساتھ ہے تو پھر دنیا کے ہر شخص کے ساتھ بھی یہی ہونا چاہیے۔ کسی شخص کی تقلید بھی جائز نہیں ہے جب تک آدمی یہ نہ جان لے کہ وہ شخص حق پر ہے۔

یہ دنیا کی رشتہ داریاں اور ان کے حقوق تو بس اسی دنیا کی حد تک ہیں۔ آخر کار ماں باپ کو بھی اور اولاد کو بھی اپنے خالق کے حضور پلٹ کر جانا ہے، اور وہاں ہر ایک کی باز پرس اس کی شخصی ذمہ داری کی بنا پر ہونی ہے۔ اگر ماں باپ نے اولاد کو

گمراہ کیا ہے تو وہ پکڑے جائیں گے۔ اگر اولاد نے ماں باپ کی خاطر گمراہی قبول کی ہے تو اسے سزا ملے گی۔ اور اگر اولاد نے راہ راست اختیار کی اور ماں باپ کے جائز حقوق ادا کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی، لیکن ماں باپ نے صرف اس قصور پر اسے ستایا کہ اس نے گمراہی میں ان کا ساتھ کیوں نہ دیا تو وہ اللہ کے مواخذہ سے بچ نہ سکیں گے۔ (تفہیم القرآن، ج۳، العنکبوت، حاشیہ:۱۱-۱۲)

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ، حَدَّثَنِی اَبِی، ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: اُنْزِلَتْ فِيَّ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ يَوْمَ بَدْرٍ اَصَبْتُ سَيْفًا فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَفِّلْنِيْهِ، فَقَالَ: ضَعْهُ، ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَفِّلْنِيْهِ۔ فَقَالَ: ضَعْهُ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَفِّلْنِيْهِ، اجعَلْ كَمَنْ لَا غِنَاءَ لَهٗ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ضَعْهُ مِنْ حَيْثُ اَخَذْتَهٗ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ، يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ۔ قَالَ: وَصَنَعَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ طَعَامًا فَدَعَانَا فَشَرِبْنَا الْخَمْرَحَتّٰى انْتَشَيْنَا، قَالَ: فَتَفَاخَرَتِ الْاَنْصَارُوَقُرَيْشٌ۔ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ: نَحْنُ اَفْضَلُ مِنْكُمْ وَقَالَتْ قُرَيْشٌ نَحْنُ اَفْضَلُ مِنْكُمْ، فَاَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ لَحْیَ جَزُوْرٍ فَضَرَبَ بِهٖ اَنْفَ سَعْدٍ فَفَزَرَهٗ، قَالَ: فَكَانَ اَنْفُ سَعْدٍ مَفْزُوْرًا، قَالَ: قَالَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّمَا الْخَمْرُوَالْمَيْسِرُوَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔قَالَ: وَقَالَتْ اُمُّ سَعْدٍ: اَلَيْسَ اللّٰهُ قَدْ اَمَرَ هُمْ بِالْبِرِّ۔ فَوَاللّٰهِ لَا اَطْعَمُ طَعَامًا، وَلَا اَشْرَبُ شَرَابًا حَتّٰى اَمُوْتَ اَوْتَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ۔

قَالَ: فَكَانُوْا اِذَا اَرَادُوْااَنْ يُطْعِمُوْهَا شَجَرُوْافَاهَا بِعَصًاثُمَّ اَوْجَرُوْهَا، قَالَ: فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ، وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔

قَالَ: وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى سَعْدٍ وَهُوَمَرِيْضٌ يَعُوْدُهٗ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰه! اُوْصِیْ بِمَالِیْ كُلِّهٖ؟ قَالَ لَا، قَالَ: فَبِثُلُثَيْهِ؟ فَقَالَ: لَا، قَالَ: فَبِثُلُثِهٖ؟ قَالَ: فَسَكَتَ۔ (۲۰)

ترجمہ: حضرت سعد سے مروی ہے انھوں نے بتایا کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں (پہلا موقع تو وہ تھا) جب غزوۂ بدر میں ایک تلوار میرے ہاتھ لگی۔ میں اسے لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار مجھے عنایت فرمادی جائے۔ آپؐ نے فرمایا ''رکھ دو اسے''۔ اس نے کھڑے ہو کر پھر پہلے والا مطالبہ دہرایا کہ ''مجھے یہ تلوار عنایت فرمادی جائے۔'' آپؐ نے پھر فرمایا ''اسے وہیں رکھ دو جہاں سے لیا ہے۔'' پھر اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھے یہ تلوار مالِ غنیمت کا میرا حصہ سمجھ کر عنایت فرمادیں۔'' آپؐ نے پھر اشارہ فرمایا کہ ''جہاں سے اسے لیا ہے وہیں رکھ دو۔'' اسی موقع کی مناسبت سے آیت انفال يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ الخ نازل ہوئی۔ ''یعنی آپؐ سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں ان سے کہہ دیں کہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔'' دوسرا موقع وہ ہے کہ ایک انصاری نے کھانا تیار کیا اور ہمیں اس پر مدعو کیا۔ ہم نے اتنی شراب نوشی کی کہ گتھم گتھا ہو گئے اور قریش اور انصاریوں کے

درمیان مجلس مفاخرت جم گئی۔انصار مدعی تھے کہ ہم تم سے افضل ہیں۔قریش اپنی جگہ دعوی دار تھے کہ ہمیں تم پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے۔اسی اثناء میں ایک انصاری نے اونٹ کی جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعدؓ کی ناک پر دے ماری جس سے ان کی ناک پھٹ گئی۔راوی کا بیان ہے کہ حضرت سعد کی ناک پھٹی ہوئی تھی تو اس موقع کی مناسبت سے یہ آیت نازل ہوئی۔ یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تیسرا موقع وہ ہے کہ جب اُمِ سعد نے کہا کہ کیا اللہ نے انھیں نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ’’بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک کہ وہ یعنی سعد محمد ﷺ کا انکار نہ کردے یا میں خود فاقہ کشی سے مرنہ جاؤں۔‘‘

راوی کا بیان ہے کہ جب اس کے اہل خانہ اسے کچھ کھلانا چاہتے تو لکڑی کی چھڑی سے ان کا منہ کھولتے پھر اس میں کچھ کھانا ڈالتے۔اس موقع کی مناسبت سے یہ آیت نازل ہوئی۔وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا۔ ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت سعد بیمار تھے، رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کیا ’’یارسول اللہ! میں اپنے سارے مال کی وصیت کردوں؟‘‘ آپ نے فرمایا ’’کہ ایسا نہ کرنا‘‘ تو انھوں نے دو تہائی مال وصیت کرنے کی اجازت مانگی۔آپؐ نے اس سے بھی منع فرمادیا، تو پھر سعد نے ایک تہائی مال وصیت کرنے کی اجازت طلب کی۔اس پر آپؐ خاموش رہے۔

شرک ظلم عظیم ہے

ظلم کے اصل معنی ہیں کسی کا حق مارنا اور انصاف کے خلاف کام کرنا۔شرک اس وجہ سے ظلم عظیم ہے کہ آدمی ان ہستیوں کو اپنے خالق اور رازق اور منعم کے برابر لاکھڑا کرتا ہے جن کا نہ اس کے پیدا کرنے میں کوئی حصہ، نہ اس کو رزق پہنچانے میں کوئی دخل، اور نہ ان نعمتوں کے عطا کرنے میں کوئی شرکت جن سے آدمی اس دنیا میں متمتع ہورہا ہے۔یہ ایسی بے انصافی ہے جس سے بڑھ کر کسی بے انصافی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔پھر آدمی پر اس کے خالق کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی بندگی وپرستش کرے۔مگر وہ دوسروں کی بندگی بجالا کر اس کا حق مارتا ہے۔پھر اس بندگیٔ غیر کے سلسلے میں آدمی جو عمل بھی کرتا ہے اس میں وہ اپنے ذہن وجسم سے لے کر زمین وآسمان تک کی بہت سی چیزوں کو استعمال کرتا ہے، حالانکہ یہ ساری چیزیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی پیدا کردہ ہیں اور ان میں سے کسی چیز کو بھی اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں استعمال کرنے کا اسے حق نہیں ہے۔پھر آدمی پر خود اس کے اپنے نفس کا یہ حق ہے کہ وہ اسے ذلت اور عذاب میں مبتلا نہ کرے، مگر وہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی کرکے اپنے آپ کو ذلیل بھی کرتا ہے اور مستحق عذاب بھی بناتا ہے۔اس طرح مشرک کی پوری زندگی ایک ہرجہتی اور ہمہ وقتی ظلم بن جاتی ہے جس کا کوئی سانس بھی ظلم سے خالی نہیں رہتا۔ (تفہیم القرآن، ج۴، لقمان، حاشیہ:۲۱)

ماٰخذ

(۱) تفسیر ابن جریر، ج۹، پ:۱۷ سورۃ الانبیاء ☆تفسیر ابن کثیر ج ۳، الانبیاء ☆سیرت ابن ھشام، ج۱، ذکر مالقی رسول اللّٰہ ﷺ من قومہ من الاذی۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق، ج ٤، کتاب العقیقہ باب مایستحب للصبیّ اَنْ یُعَلم اذا تکلّم۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱۰ ☆ الدرالمنثور للسیوطی ج ٤۔

(٤) روح المعانی جز ۲۱/۱۹، پ ۹ سورۃ النمل تفسیر زیرآیت آاللّٰہ خیرا مایشرکون۔

(٥) روح المعانی پ:۱۹، سورۃ الفرقان، آیت اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ بحوالہ طبرانی کبیر ، ابونعیم ☆مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۸۸ ۔ ☆ طبرانی کبیر کی روایت میں حسن بن دینارھے جو متروك الحدیث ھے۔

(٦) تفسیر ابن کثیر ج ۲، سورۃ الانفال ☆طبرانی کبیر ج ۲، وفیہ یزید بن ربیعہ ضعیف جدًا۔

(۷) بخاری، ج ۲، کتاب التفسیر سورۃ فرقان باب قولہ والذین لَایدعون مع اللّٰہ الٰھًا اٰخر الخ ☆بخاری، کتاب الادب ، ج ۲، باب قتل الولد خشیۃ ان یاکل معہ☆ مسلم کتاب الایمان ج ۱، ☆ ترمذی ابواب التفسیر سورۃ فرقان ☆نسائی کتاب تحریم الدم باب ذکر اعظم الذنب۔ ☆مسند احمد، ج۱، مرویات عبداللّٰہ بن مسعود ☆فتح القدیر للشوکانی، ج ٤، عن ابن مسعود۔

(۸) مسلم، ج ۱،کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور☆ نسائی کتاب الجنائز باب ۱تخاذ القبور مساجد۔

(۹) بخاری، ج۱، کتاب الصلوٰۃ ☆ مسلم، ج ۱،کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء السمجد علی القبور الخ ☆ابودائود کتاب الجنائز باب فی البناء علی القبر ☆نسائی کتاب الجنائز باب اتخاذ القبور مساجد ☆مسند احمد ج۲، عن ابی ھریرۃ۔

(۱۰) بخاری،ج ۱،کتاب الصلاۃ ☆ بخاری، کتاب الجنائز، کتاب الانبیاء، کتاب اللباس، کتاب المغازی ☆مسلم، ج۱، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور ☆دارمی کتاب الصلاۃ باب ۱۲۰ باب النھی عن اتخاذ القبور مساجد۔

(۱۱) بخاری کتاب التفسیر ج ۲، سورۃ نوح ۔ فتح القدیر للشوکانی ، ج ٥، بحوالہ ابن المنذر، ابن مردویہ ☆ابن جریر، ج ۱۲، پ ۱۹۔

(۱۲) ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجد☆ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی زیارۃ النساء القبور۔

(۱۳) ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی کراھیۃ زیارۃ القبور للنساء ☆ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی اتباع النساء الجنائز۔

(۱۴) مسند احمد ج ۱، ج ۲، ج ۵ ج ٦۔

(۱۵) مسلم، ج ۱، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور الخ۔

(۱٦) بخاری، ج ۱، کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ فی البیعۃ الخ وَقَالَ عمر رضی اللّٰہ عنہ انا لاند خل کنساء کم من اجل التماثیل التی فیھا۔☆مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور واتخاذ الصور فیھا والنھی عن اتخاذ القبور مساجد ☆نسائی کتاب المساجد باب النھی عن اتخاذ القبور مساجد۔

(۱۷) بخاری کتاب الصلاۃ، باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ج ۱ ☆مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور الخ۔

(۱۸) ترمذی ابواب التفسیر سورہ توبہ ج ۲، ☆ فتح القدیر للشوکانی، ج ۲، بحوالہ ابن سعد، عبدبن حمید ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابوالشیخ، ابن مردویہ، البیھقی فی سننہٖ۔تفسیر ابن جریر جلد ٦ سورۃ توبۃ ص ۸۱۔ زیر آیت اتخذوا احبار ھم ورھبانھم اربابا من دو ن اللّٰہ۔ اس نے آخر میں قَالَ فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ کا اضافہ بھی نقل کیا ھے۔

(۱۹) ابن جریر، ج ٦، سورہ برأۃ اتخذوا احبلر ھم ورھبا نھم۔

(۲۰) مسند احمد ج ۱، سعد بن ابی وقاص۔

فصل پنجم

قضاوقدر

قضاءِ مبرم اور قضاءِ معلّق

۶۷۔ لَا یَرُدُّالْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ۔

ترجمہ: قضا کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا۔

علم العقائد میں قضائیں دوطرح کی مانی جاتی ہیں۔ایک قضائے مبرم، دوسری قضائے معلّق۔قضائے معلّق کی تعریف یہی ہے کہ وہ دعا اور توبہ سے بدل جاتی ہے اور اس کی دلیلیں قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہیں۔

(مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی حصہ اوّل ص: ۱۴۲)

تخریج:〈۱〉 حَدَّثَنَا سَلْمَانُ بْنُ حُمَیْدِ الرَّازِیُّ وَسَعِیْدُبْنُ یَعْقُوْبَ، قَالَا : نَا یَحْیَی بْنُ الضُّرَیْسِ عَنْ اَبِی مَوْدُوْدٍ، عَنْ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیُ، عَنْ اَبِی عُثْمَانَ النَّھْدِیِّ، عَنْ سَلْمَانَ، قَال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمرِ اِلَّا الْبِرُّ۔ (۱)

وفی الباب عَن ابی اُسَیدٍ ھذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ اِلَّا من حدیث یحیٰ بن الضریس وابومودود اثنان احداھما یقال لہ فضة والآخر عبدالعزیز بن ابی سلیمان۔ احداھما بصری والآخرمدینی وکان فی عصر واحد۔

وابومودود الذی روی ھذا الحدیث اسمہ فضة بصری۔

ترجمہ: حضرت سلمان بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ’’قضا کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا، اور عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کرتی مگر نیکی۔‘‘

〈۲〉 لَا یَرُدُّالْقَدَرَاِلَّا الدُّعَآءُ۔ (۲)

ترجمہ: قدر کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا۔

〈۳〉 فَاِنَّ الدُّعَآءَ یَرُدُّالْقَضَآءَ الْمُبْرَمَ۔ (۳)

ترجمہ: بلاشبہ دعا قضاءِ مبرم کو بھی پھیر دیتی ہے۔

مستدرک حاکم کی روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُہٗ۔ (٤)

ترجمہ: اور آدمی اپنے خود کردہ گناہوں کی وجہ سے اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اسے پہنچ رہا ہوتا ہے۔

قضا کے معنی

قضا کے معنی فیصلہ کے ہیں اور قضا کو ٹال دینے اور فیصلے بدل دینے میں درحقیقت کوئی فرق نہیں ہے حضورؐ کے ارشاد لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (قضا کو کوئی چیز نہیں پھیرتی مگر دعا) کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو قضا دعا نہ کرنے کی صورت میں نافذ ہو جانے والی ہو وہ دعا کرنے سے پلٹ جاتی ہے یا نافذ ہونے سے رک جاتی ہے۔ اس کو اگر یوں بیان کیا جائے تو کیا قباحت ہے کہ دعا نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ روبعمل آنے والا ہوتا ہے اسے دعا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے فضل سے بدل دیتا ہے۔ یہی بات سورہ نوح میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ یعنی حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت قبول کرلو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور ایک وقت خاص تک تمہیں مہلت دے دے گا۔'' اس آیت میں یُؤَخِّرْکُمْ کا لفظ صاف اشارہ کر رہا ہے کہ کفر وشرک پر جمے رہنے کی صورت میں فیصلہ یہ تھا کہ اس قوم کو ہلاک کردیا جائے۔ لیکن اگر وہ بندگی اور تقویٰ اور اطاعت رسول اختیار کرلے تو وہ فیصلہ اس فیصلے سے بدل جائے تاکہ اسے مزید مہلت عمل دے دی جائے۔

(مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی، حصہ اوّل: ۱۴۵ ۳)

مسئلہ جبر وقدر

٦٨ ۔ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْابِہٖ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوا بِہٖ فَاِنَّہٗ یَصِیْرُ عَلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْہِ۔

ترجمہ: جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو اس کی تصدیق کرسکتے ہو لیکن اگر سنو کہ ایک شخص اپنی طینت سے ہٹ گیا تو اس کی ہرگز تصدیق نہ کرنا، کیونکہ آدمی ویسا ہی ہو کر رہتا ہے جیسا اس کا خمیر ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَاعَبْدُ اللّٰہِ، حَدَّثَنِی اَبِیْ، ثَنَا وَھْبُ بْنُ جَرِیْرٍ، قَالَ: ثَنَا اَبِیْ، قَالَ: سَمِعْتُ یُوْنُسَ یُحَدِّثُ عَنِ الزُّھْرِیِّ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَآءِ قَالَ: بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ نَتَذَاکَرُمَا یَکُوْنُ، اِذْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِہٖ فَصَدِّقُوْا وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِہٖ وَاِنَّہٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْہِ۔ (٥)

ترجمہ: یونس زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداؓ نے بتایا کہ ایک موقع پر ہم حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے اور آئندہ ہونے والے واقعات کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اس کی تصدیق کر سکتے ہو، لیکن اگر سنو کہ ایک شخص اپنی طینت سے ہٹ گیا ہے تو اس کی ہرگز تصدیق نہ کرنا، کیوں کہ آدمی ویسا ہی ہو کر رہتا ہے جیسا اس کا خمیر ہے۔

۶۹۔ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَآءُ۔

ترجمہ: دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے۔ (مسئلہ جبر وقدر: مقدمہ)

تخریج: ‹۱› حَدَّثَنَا ھَنَّادٌ، نَا اَبُوْ مُعَاوِیَةَ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ، عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ، فَقُلْتُ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَھَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ شَآءَ۔ (۶)

وفی الباب عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَاُمِّ سَلَمَةَ وَعَائِشَةَ وَاَبِیْ ذَرٍّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَھٰکَذَا رَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَحَدِیْثُ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ اَنَسٍ اَصَحُّ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ (اے دلوں کے پھیرنے والے، میرے قلب وضمیر کو اپنے دین پر ثبات عطا فرما) پڑھتے رہتے تھے حضرت انس کا بیان ہے کہ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا۔ یا نبیؐ اللہ ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی تمام تعلیمات پر ایمان لائے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے متعلق اندیشہ ہے؟ فرمایا: ''ہاں، بلاشبہ دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے۔

مسلم اور مسند احمد نے اس روایت کو مندرجہ ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے:

‹۲› اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو وبْنِ الْعَاصِ یَقُوْلُ، اِنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَاحِدٍ یُصَرِّفُهٗ حَیْثُ یَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَللّٰھُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ۔ (۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ سارے نبی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے کہ ایک دل ہو۔ پھیرتا ہے انھیں جس طرح چاہتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ۔'' اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ:

〈۳〉 اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: قَلْبُ بْنِ آدَمَ عَلٰی اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الْجَبَّارِ عَزَّوَجَلَّ اِذَا شَآءَ اَنْ یُقَلِّبَهٗ قَلَّبَهٗ فَکَانَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ۔(۸)

ترجمہ: آپؐ نے فرمایا: ''ابن آدم کا دل جبّار عزوجل کی دو انگلیوں پر ہے، جب اس کے دل کو پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے لہٰذا آپ بہ کثرت یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ پڑھتے رہتے تھے۔

مسئلہ تقدیر کی نوعیت

تقدیرِ سابق اور انسان کی آزادیٔ ارادہ کے درمیان کس نوعیت کا تعلق ہے اور ان دونوں کے حدود کیا ہیں، یہ مسئلہ درحقیقت ہماری گرفت سے باہر ہے اور اس کے متعلق کوئی یقینی بات کہنے کی پوزیشن میں ہم نہیں ہیں البتہ اصولی طور پر تین باتیں ایسی ہیں جو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ انسان اپنی تقدیر خود بنانے پر قادر نہیں ہے بلکہ جو طاقت پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے وہی انسان کی (بحیثیت نوع، بحیثیت قوم، بحیثیت گروہ اور بحیثیت فرد) تقدیر بناتی ہے۔ البتہ اس کا ایک حصہ (جس کی مقدار ہمیں معلوم نہیں) انسان کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کا علم سابق انسان کے تمام آنے والے حالات پر حاوی ہے۔ خدائی کا عظیم الشان کام ایک دن بھی نہیں چل سکتا اگر خدا اپنی کائنات میں ہونے والے واقعات سے بے خبر ہو اور کوئی واقعہ جب پیش آ جائے تب ہی اسے خبر ہو۔

تیسرے یہ کہ اللہ کی قدرت نے انسان کو محدود پیمانے پر کچھ اختیارات دیے ہیں جن کے لیے آزادیٔ ارادہ ناگزیر ہے اور اللہ کا علم خود اسی کی قدرت کے کسی فعل کو باطل نہیں کرتا۔

(رسائل و مسائل حصہ چہارم: مسئلہ تقدیر)

انسان اور شیطان کی باہمی آویزش

قرآن کا پیش کردہ تصوّر یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک محدود نوعیت کی آزادی و خودمختاری دے کر اس دنیا میں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے اور شیطان کو خود اس کے مطالبے پر یہ آزادی عطا کی ہے کہ وہ اس امتحان میں انسان کو نا کام کرنے کے لیے جو کوشش کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ صرف ترغیب و تحریص کی حد تک ہو۔ زبردستی اپنے راستے پر کھینچ لے جانے کے اختیارات اسے نہیں دیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود بھی انسان کو جبراً راہِ راست پر چلانے سے احتراز فرمایا ہے، اور صرف اس بات پر اکتفا فرمائی ہے کہ انسان کے سامنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعہ سے راہِ راست کو پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے آدمی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو خدا کی پیش کردہ راہ کو اپنے لیے چن لے اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرے اور چاہے تو شیطان کی ترغیبات قبول کر لے اور اس راہ میں اپنی کوششیں اور محنتیں صرف کرنے پر آمادہ ہو جائے جو شیطان اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان دونوں راہوں میں سے جس کو بھی انسان خود اپنے لیے انتخاب

کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی پر چلنے کے مواقع اسے دے دیتا ہے، کیوں کہ اس کے بغیر امتحان کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد بتایئے کہ شیطان کا چیلنج دراصل کس کے لیے ہے؟ خدا کے لیے یا انسان کے لیے؟ اور انسانوں میں سے جو لوگ شیطان کی راہ پر جاتے ہیں ان کے معاملہ میں شیطان کی جیت خدا پر ہوتی ہے یا انسان پر؟ خدا نے تو آدمی اور شیطان کو آزادانہ کشتی لڑنے کا موقع دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ آدمی جیتے گا تو جنت میں جائے گا، اور شیطان جیتے گا تو ہارنے والا آدمی اور اس کو غلط راہ پر لے جانے والا شیطان دونوں جہنم میں جائیں گے۔

(رسائل و مسائل حصہ چہارم: چند جدید ملحدانہ...۵)

فضول باتوں اور کثرتِ سوال سے اجتناب

۷۰۔ اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کے اسلام کی بہتری اس میں ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے۔ یہ حدیث امام زہری نے امام زین العابدین کے واسطے سے روایت کی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: حدیث نبوی میں کثرت سوال اور فضول باتوں میں تکلف کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ بھی منجملہ انہی مسائل کے ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بار بار تاکید فرمائی ہے کہ اس مسئلہ میں بحث کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

(مسئلہ جبر و قدر: صحیح اسلامی مسلک)

تخریج: مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِہَابٍ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ (۹)

ترمذی نے اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ نقل کر کے لکھا ہے: ھکذا روی غیر واحدٍ من اصحاب الزھری عن الزھری عن علی بن الحسین عن النبی ﷺ نحو حدیث مالک۔

ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی نقل کی ہے اور اس کے الفاظ: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ بیان کر کے لکھا ہے۔

ھذا حدیث غریب لانعرفه من حدیث ابی سلمة عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ الامن ھذہ الوجه۔

بخاری میں کتاب الایمان میں صرف ایک باب کا عنوان باب حسن اسلام المرء ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ (۱۰)

عَنْ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ قِلَّۃُ الْکَلَامِ فِیْمَا لَا یَعْنِیْہِ۔ (۱۱)

ترجمہ: حضرت حسین بن علی سے مروی ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''کہ آدمی کے اسلام کی بہتری اس میں ہے کہ بے فائدہ ولایعنی باتوں میں گفتگو کم کرے۔''

۷۱۔ **ترجمہ:** ایک مرتبہ صحابہؓ آپس میں اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے۔ اتنے میں آں حضرت ﷺ تشریف لے آئے اور یہ باتیں سن کر آپؐ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ''کیا انہی باتوں کا تم کو حکم دیا گیا؟ کیا اسی لیے میں تم میں بھیجا گیا ہوں؟ ایسی ہی باتوں سے پچھلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم اس معاملہ میں جھگڑا نہ کرو۔

ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص تقدیر کے بارے میں گفتگو کرے گا اس سے تو قیامت کے روز سوال کیا جائے گا، مگر جو خاموش رہے گا اس سے کچھ سوال نہ ہوگا۔''

یہ حدیث مختلف طریقوں سے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان معاملات میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں کوئی نہ کوئی رائے قائم کرنا شرعاً تمہارے لیے ضروری ہو۔ لہٰذا اگر تم اس معاملہ پر کوئی گفتگو نہ کرو، تو قیامت میں تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم نے کلام کیا تو لامحالہ وہ غلط ہوگا یا صحیح، اور غلط ہونے کی صورت میں تم ایک ایسی بات میں پکڑے جاؤ گے جس سے بحث کرنے کی تم کو ضرورت نہ تھی پس بولنے میں نقصان کا احتمال ہے اور نہ بولنے میں کوئی نقصان نہیں۔

تخریج:〈۱〉 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ ، نَا صَالِحٌ الْمُرِّيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حِبَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰى اَحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِیْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ: اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ؟ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَا زَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَلَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ۔(۱۲)

وفی الباب عن عمر و عائشة و انس۔

وهٰذَا حديثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ صَالِحِ الْمُرِّيِّ لَهٗ غَرَائِبُ يَتَفَرَّدُ بِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بحث کر رہے تھے (مسئلہ تقدیر میں) کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ہماری باتیں سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصّے سے انار کے دانوں کی طرح سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، کیا انہی باتوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ کیا اسی لیے میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ گزشتہ اقوام نے بھی جب اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کیا تو ہلاک ہو گئیں۔ میں تم پر یہ لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں جھگڑا نہ کرو۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنِ مُحَمَّدٍ، ثنا اَبُوْمُعَاوِیَةَ، ثَنا دَاوٗدُبْنُ اَبِی ھِنْدٍ، عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ اَبِیهِ، عَنْ جَدِّہٖ، قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ علیٰ اَصْحَابِہٖ وَھُمْ یَخْتَصِمُوْنَ فِی الْقَدْرِ فَکَاَنَّمَا یُفُقَأُفِی وَجْهِہٖ حَبُّ الرُّمَّانِ عَنِ الْغَضَبِ، فَقَالَ: بِھٰذَا اُمِرْتُمْ اَوْ بِھٰذَا خُلِقْتُمْ؟ تَضْرِبُوْنَ الْقُرْاٰنَ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ بِھٰذَاھَلَکَتِ الْاُمَمُ قَبْلَکُمْ۔ (۱۳)

فی الزوائد: ھذا اسناد صحیح، رجاله ثقات۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ وہ اس وقت تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے، یہ مباحثہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا گویا کہ اس پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ”کیا تمہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے یا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو کہ قرآن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ٹکراؤ۔ اسی وجہ سے پہلی امتیں تباہ و برباد ہوئیں۔“

﴿۳﴾حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ، قَالَ : ثَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ، ثَنَا یَحْیَی بْنُ عُثْمَانَ مَوْلٰی اَبِی بَکْرٍ، ثَنَا یَحٰی بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی مُلَیْکَةَ، عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی عَائِشَةَ فَذَکَرَ لَھَا شَیْئًا مِنَ الْقَدْرِ، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ تَکَلَّمَ فِی شَیْءٍ مِنَ الْقَدْرِ سُئِلَ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ فِیْهِ لَمْ یُسْاَلْ عَنْهُ۔ (۱٤)

فی الزوائد ۔اسناد ھذا الحدیث ضعیفٌ۔

ترجمہ: یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ بن ابی ملیکہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں ان کے سامنے کچھ بات کی۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے فرماتے تھے جو شخص تقدیر کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو کرے گا اس سے قیامت کے روز سوال کیا جائے گا۔ اور جو اس بارے میں کوئی بات نہ کرے گا اس سے کچھ سوال نہ ہوگا۔

﴿۴﴾ مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقَدْرِ فِی الدُّنْیَا سُئِلَ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَاِنْ اَخْطَأَ ھَلَكَ، وَمَنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ لَمْ یُسْأَلْ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (۱۵)

ترجمہ: جس نے دنیا میں تقدیر کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو کی تو اگر اس میں خطا ہوئی تو وہ مارا گیا اور جو خاموش رہا اور کوئی بات نہ کی تو اس سے قیامت کے روز کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

۷۲۔ ایک اور موقع پر نبی ﷺ رات کے وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کے مکان پر تشریف لے گئے اور پوچھا تم لوگ نماز تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا یا رسول اللہؐ! ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ ہیں وہ چاہے گا کہ ہم اٹھیں تو اٹھ جائیں گے۔“ یہ سن کر حضور فوراً واپس ہو گئے اور ران پر ہاتھ مار کر فرمایا:

وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا۔

ترجمہ: انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

تخریج: اَخبرَنَا اَبوالیمَان، قَالَ: اَخبرَنَا شُعَیبٌ عَنِ الزُّهرِیِّ ح وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُبنُ سَلَامٍ، قَالَ: اَخبرَنَا عَتَّابُ بنُ بَشِیرٍ، عَنْ اِسحَاقَ، عَنِ الزُّهرِیِّ، قَالَ: اَخبرَنِی عَلِیُّ بنُ حُسَینٍ اَنَّ حُسَینَ بنَ عَلِیٍّ اَخبرَہٗ، اَنَّ عَلِیَّ بنَ اَبِی طَالِبٍ قَالَ: اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ طَرَقَہٗ وَفَاطِمَۃَ بِنتَ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ لَھُم رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اَلَا تُصَلُّونَ قَالَ عَلِیٌّ فَقُلتُ : یَا رَسُولَ اللّٰہِ اِنَّ اَنفُسَنَا بِیَدِ اللّٰہِ فَاِذَا شَآءَ اَن یَبعَثَنَا بَعَثَنَا فَانصَرَفَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ حِینَ قَالَ لَہٗ ذٰلِکَ وَلَم یَرجِع اِلَیہِ شَیئًا ثُمَّ سَمِعتُہٗ وَھُوَ مُدبِرٌ یَضرِبُ فَخِذَہٗ وَھُوَ یَقُولُ وَ کَانَ الاِنسَانُ اَکثَرَ شَیءٍ جَدَلًا ۔ (١٦)

قَالَ اَبُو عَبدِ اللّٰہِ ۔ مَااَتَاکَ لَیلًا فَھُوَ طَارِقٌ وَیُقَالُ الطَّارِقُ النَّجمُ وَالثَّاقِبُ المُضِیُٔ یُقَالُ اَثقِب نَارَکَ لِلمُوقِدِ۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر نبی ﷺ رات کے وقت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تم لوگ نماز تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے جواب دیا، یارسول اللہ! ہمارے نفس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ چاہے گا کہ ہم انھیں تو اٹھ جائیں گے۔ یہ سن کر حضور ﷺ فوراً واپس ہو گئے اور انھیں اس وقت کچھ نہیں کہا۔ میں نے سنا کہ واپس جاتے ہوئے حضورؐ نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''

اس حدیث کو زہری نے امام زین العابدین سے اور انھوں نے حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (بخاری ونسائی) محدثین نے آں حضرت ﷺ کے واپس پلٹ جانے اور آیت پڑھنے کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ مگر میں اس کے صاف معنی یہ سمجھتا ہوں کہ عملی زندگی کے مسائل میں تقدیر کے مسئلہ سے استدلال کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

۷۳۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہاء کے گروہ نے صرف والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ (تقدیر اچھی اور بری اللہ کی طرف سے ہے) کے مجمل اعتقاد پر اکتفا کیا ہے اور اس باب میں زیادہ کھوج لگانے اور جبر یا قدر کا قطعی حکم لگانے والوں کی سخت مذمت کرتے رہے ہیں لیکن رسول اکرم ﷺ اور بزرگان سلف کی ممانعت کے باوجود دوسری قوموں کے مسائل فلسفہ وطبیعات کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے یہ مسئلہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہوا اور اس کثرت سے اس پر بحث کی گئی کہ آخر کار یہ اسلامی علم کلام کے مہمات مسائل میں داخل ہو گیا۔ (مسئلہ جبر وقدر: صحیح اسلامی مسلک)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَآ مَحمُودُبنُ غَیلَانَ، نَا اَبُودَاوٗدَ اَنبَانَا شُعبَۃُ عَن مَنصُورٍ، عَن رِبعِیِّ بنِ حِرَاشٍ عَن عَلِیٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یُؤمِنُ عَبدٌ حَتّٰی یُؤمِنَ بِاَربَعٍ یَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّی رَسُولُ اللّٰہِ بَعَثَنِی بِالحَقِّ، وَیُؤمِنُ بِالمَوتِ، وَیُؤمِنُ بِالبَعثِ بَعدَالمَوتِ وَیُؤمِنُ بِالقَدرِ۔(۱۷)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے بیان کیا انھوں نے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، ''کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں

ہوسکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے، پہلی یہ کہ اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا برحق رسول ہوں اور مرنے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

﴿۲﴾حَدَّثَنَا اَبُوا لُخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْىَ الْبَصرِيُّ نا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُوْن عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰي يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَاَنَّ مَا اَخْطَأَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ۔(۱۸)

وفی الباب عن عبادة وجابر و عبدالله ابن عمر۔ هذا حديث غريب من حديث جابر، لاتعرفه الا من حديث عبدالله ابن ميمون ۔ وعبد الله بن ميمون منكر الحديث۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ تقدیر کے خیر اور شر (اچھے برے) ہونے پر ایمان نہ لائے اور اس بات کا اسے علم نہ ہو جائے کہ جو کچھ اسے پہنچنا ہے وہ اس سے خطا نہیں جا سکتا، اور جو کچھ اس سے خطا ہو گیا وہ اسے کسی بھی صورت پہنچنے والا نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا اَبُوْنُعَيْم ، ثنا سُفُيَانُ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو۔عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔(۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ''بندہ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر ایمان نہ لائے۔

عقیدۂ تقدیر کا فائدہ عملی زندگی میں

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۷۴۔ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْئَالُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَاِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَلَهَا۔

ترجمہ: کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی دوسری بہن (یعنی سوکن) کو طلاق دینے کا مطالبہ اس خیال سے کرے کہ اس کے تمتعات اور حظوظ میں کوئی دوسرا شریک نہ رہے اور رزق کا پیالہ تنہا اس کے لیے خالی ہو جائے اس لیے کہ بہر صورت اس کو وہی ملے گا جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح باب الشروط التی لاتحل فی النکاح)

اسی کے قریب قریب بیہقی اور ابو نعیم اصبہانی نے دوسرے طریقوں سے نقل کیا ہے۔ علاّمہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک یہ حدیث ان تمام احادیث میں سب سے بہتر ہے جو تقدیر کے مسئلہ میں منقول ہیں۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر شوہر عورت کی بات مان بھی لے اور اس بیوی کو طلاق بھی دے دے جس کے متعلق وہ عورت یہ گمان کرتی ہے کہ وہ اس کے رزق میں شریک ہو جائے گی تب بھی اس تدبیر سے آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا خدا نے اس کے لیے لکھ دیا ہے، خواہ شوہر اس کی شرط قبول کرے یا نہ کرے۔

تخریج:〈۱〉حَدَّثَنَآ عَبۡدُ اللّٰہِ بۡنُ یُوۡسُفَ ، قَالَ: اَخۡبَرَنَا مَالِکٌ ، عَنۡ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الۡاَعۡرَجِ عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ ، لَا تَسۡئَلِ الۡمَرۡاَۃُ طَلَاقَ اُخۡتِھَا لِتَسۡتَفۡرِغَ صَحۡفَتَھَا وَلۡتَنۡکِحَ فَاِنَّ لَھَا مَا قُدِّرَلَھَا۔ (۲۰)

〈۲〉عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِامۡرَاَۃٍ تَسۡاَلُ طَلَاقَ اُخۡتِھَا لِتَسۡتَفۡرِغَ صَحۡفَتَھَا فَاِنَّمَا لَھَا مَا قُدِّرَلَھَا۔ (۲۱)

یہی حدیث بخاری میں کتاب النکاح کے علاوہ کتاب الشروط اور کتاب البیوع میں بھی ہے۔مزید برآں اسے مسلمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

مسلم میں فانما لھا ما قُدِّرلھا کی جگہ فانھالھا ما کتب اللّٰہ لھا اور فان اللّٰہ راز قھا ہے۔

نسائی کی ایک روایت میں بھی فانما لھا ما کتب اللّٰہ لھا مروی ہے۔

ایک دوسری حدیث:

۷۵۔ **ترجمہ:** ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں بہت سی لونڈیاں ہمارے ہاتھ آئیں اور ہم نے ان سے تمتع کیا۔مگراس خیال سے کہ اولاد نہ ہو،عزل کرنے لگے۔پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم پوچھا۔ آپؐ نے سنتے ہی فرمایا:

”اَوَاِنَّکُمۡ لَتَفۡعَلُوۡنَ؟“

”کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو؟“

یہی سوال آپؐ نے تین مرتبہ دہرایا، پھر فرمایا:

مَا مِنۡ نَسَمَۃٍ کَائِنَۃٍ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ اِلَّا ھِیَ کَائِنَۃٌ۔

”قیامت کے دن تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو پیدا ہو کر ہی رہیں گے۔“

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں جن اصولوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے،اگر ان کو وسعت کے ساتھ ہم اپنی زندگی کے معاملات میں استعمال کریں تو وہ معاشی کش مکش اور مزاحمت جس نے دنیا سے سکون و اطمینان چھین لیا ہے کس قدر جلد ختم ہو جائے۔نہ کوئی کسی کو اپنے رزق کا چھیننے والا سمجھے اور نہ اپنے رزق کی حفاظت کے لیے کسی کی مزاحمت کرے،نہ سرمایہ دار اور مزدور کا سوال پیدا ہو اور نہ کسان اور زمیندار کا، نہ کروگو اور بیسیل زہاروف پیدا ہوں، نہ لینن اور اسٹالین، نہ معاشی اور تمدنی مشکلات کو حل کرنے کے لیے اسقاطِ حمل اور منع حمل کی طرف رجوع کیا جائے اور نہ اللہ کے انتظام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

یہ اور ایسے ہی بے شمار اخلاقی اور عملی فوائد ہیں، جو قضا و قدر کی اسلامی تعلیم سے حاصل ہوتے ہیں، اور انہی فوائد کا حصول اصلی مقصود بھی تھا۔مگر ہماری بدقسمتی کہ ہم نے اس کے عملی اور اخلاقی پہلو کو نظر انداز کر کے اپنی ساری توجہات فلسفیانہ پہلو کی طرف پھیر دیں اور اپنے مذاق طبیعت کے مطابق کلام اللہ اور کلام رسولؐ سے ان مسائل فلسفہ کو حل کرنے لگے جو

کلام الناس سے ہم نے اخذ کیے تھے۔ حالانکہ نہ قرآن مجید ہم کو مابعد الطبیعات کی تعلیم دینے کے لیے اتارا گیا تھا، نہ رسول عربی ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ فلسفہ کے پروفیسر کا کام انجام دیں اور نہ خدا اور رسول نے کبھی اس کو پسند کیا کہ ہم اپنی زندگی کے عملی معاملات کو چھوڑ کر ان مابعد الطبیعی مسائل میں الجھ جائیں جن سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ [1]
(مسئلہ جبر وقدر اشاعت ہشتم ص: ۸۳-۸۵)

تخریج: ﴿۱﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِبْنِ اَسْمَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ بْنِ مُحَيْرِيْزٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: اَصَبْنَا سَبْيًا فَكُنَّانَعْزِلُ فَسَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَوَ اِنَّكُمْ لَتَفْعَلُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا: مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔ (۲۲)

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوْسٰى، قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ مُحَيْرِيْزٍ نِ الْجُمَحِيُّ، اَنَّ اَبَاسَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيَّ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَيْنَمَا هُوَجَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ: جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُصِيْبُ سَبْيًا وَنُحِبُّ الْمَالَ كَيْفَ تَرٰى فِي الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَوَاِنَّكُمْ لَتَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ لَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللّٰهُ اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔ (۲۳)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نبی ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری آیا اور پوچھنے لگا یا رسول اللہ کچھ قیدی ہمارے ہاتھ آئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ مال و دولت حاصل ہو، تو عزل کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''کیا تم اس طرح کرتے ہو، اگر ایسا نہ کرو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ کوئی روح ایسی نہیں جس کے پیدا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ لکھ دیا ہو اور وہ معرض وجود میں نہ آئے۔''

کیا مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے؟

۷۶۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُدَةُ فِي النَّارِ۔
(مشکوٰۃ، باب الایمان بالقدر)

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) ''لڑکی کو زندہ گاڑنے والی اور وہ لڑکی جو زندہ گاڑی گئی دونوں جہنم میں جائیں گی۔''

تشریح: اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بچے جو سن رشد کو پہنچنے اور کسی مذہب حق یا مذہب باطل کو بالا رادہ اختیار کرنے سے پہلے ہی مر گئے ان کا انجام کیا ہوگا؟ اس مسئلے پر روشنی ڈالنے والی بہت سی احادیث پائی جاتی ہیں، مگر ان میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب جنت میں جائیں گے، بعض کہتی ہیں کہ کفار و مشرکین کے بچے دوزخ میں اور اہل ایمان

---

[1] مسئلہ جبر وقدر پر مزید تفصیلی بحث مصنف کے رسالہ مسئلہ جبر وقدر میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

کے بچے جنت میں جائیں گے اور بعض سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے معاملے کا فیصلہ اپنے اس علم کے لحاظ سے کرے گا کہ وہ کیا کرنے والے تھے، یعنی جوان ہوکر مومن صالح بنتے یا کچھ اور۔ انہی مختلف المعنی احادیث میں سے ایک (مذکورہ بالا) حدیث بھی ہے۔ (یہ) ان احادیث کے سلسلے میں آتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار و مشرکین کے بچے جہنم میں جائیں گے، یا بالفاظ دیگر بچوں کے ساتھ آخرت میں وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے مستحق ان کے والدین ہوں گے۔

تخریج: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسىٰ الرَّازِيُّ، ثَنَا بْنُ اَبِىْ زَائِدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُ وْدَةُ فِى النَّارِ۔(٢٤)

قَالَ يَحىٰ (بْنُ زَكَرِيَّا) قَالَ اَبِىْ: فَحَدَّثَنِىْ اَبُوْاِسْحَاقَ اِنَّ عَامِرًا حَدَّثَهٗ بِذٰلِكَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

جب احادیث میں اس طرح کا کھلا کھلا اختلاف واقع ہو جائے، اور ان کو جمع کر کے کوئی ایسا مفہوم تلاش کرنا مشکل ہو جس میں سب کے درمیان مطابقت پیدا ہو سکے تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سند کے لحاظ سے زیادہ قوی اور معنی کے لحاظ سے قرآن اور دین کے اصول عامہ کے مطابق ہیں۔ جو احادیث ایسی ہوں ان کو دوسری تمام احادیث پر ترجیح دی جائے گی اور انہی کو قبول کیا جائے گا۔

علمائے محققین نے اس قاعدے کے مطابق ان مختلف احادیث کو جانچ کر مسئلہ زیر بحث میں جس چیز کو مذہب صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے تمام بچے جنت میں جائیں گے، کیوں کہ اسی مضمون کی احادیث زیادہ قوی ہیں۔ قرآن کے مطابق ہیں، اور دین کے اصولِ عامہ بھی انہی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رہے مشرکین کے بچے، تو ان کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ ایک گروہ ان کے معاملے میں توقف کرتا ہے اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں یہی مذہب صحیح ہے، اسی کو محققین نے اختیار کیا ہے، اور اس کی تائید بہت سی چیزوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً بخاری کی وہ حدیث جس میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں دیکھا اور ان کے اردگرد لوگوں کے بچے تھے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کیا ان میں مشرکین کے بچے بھی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں مشرکین کے بچے بھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔'' ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔'' اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ بچے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ رسول کا قول اس پر لازم ہوتا ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ (بخاری کتاب القدر، باب معنی کل مولو دیولدعلی الفطرة)

تخریج: ﴿١﴾ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ اَبُوْهِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْرَجَاءٍ، حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا

يُكْثِرُ اَنْ يَقُولَ لِاَصْحَابِهٖ هَلْ رَأَى اَحَدٌ مِّنْكُمْ؟ قَالَ: فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاِنَّهٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ اَتَانِى اللَّيْلَةَ اٰتِيَانٌ ......الخ وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيْلُ الَّذِىْ فِى الرَّوْضَةِ اِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ: فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (۲۵)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات اپنے صحابہ کرام سے پوچھتے کہ آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے تو بیان کرے چنانچہ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو وہ سنا دیتا۔ ایک روز علی الصبح آپ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس آج رات دو آنے والے آئے .... آپؐ نے ایک لمبا خواب سنایا جس کے آخر کا حصہ یہ تھا۔ پس وہ دراز قد آدمی جو باغ میں تشریف فرما تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے اردگرد جو بچے بیٹھے تھے وہ ایسے بچے تھے جو اپنی اصل فطرت پر فوت ہوئے تھے یعنی بلوغ سے پہلے۔ راوی کا بیان ہے کہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا مشرکین کی اولاد بھی؟'' آپؐ نے فرمایا۔ ''ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔''

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے وہ اگرچہ اس کی صراحت نہیں کرتا کہ غیر مکلّف انسان سب کے سب جنت میں جائیں گے، مگر اس معاملہ میں وہ صاف فیصلہ دیتا ہے کہ جہنم میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے منہ موڑ کر شیطان کا اتباع کریں۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: ۱۶۵)

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (ص:۸۵)

كُلَّمَا اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ۔ قَالُوْا، بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا۔ (الملك: ۸-۹)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (البقرہ: ۱۸۶)

یہ اور بہت سی دوسری آیات اس معاملہ میں بالکل صاف ہیں۔

اب رہ گئیں احادیث، تو ان میں بکثرت ایسی صحیح روایات موجود ہیں جو یا تو اس کی صراحت کرتی ہیں کہ بچے جنت میں جائیں گے، یا اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ عذاب آخرت سے محفوظ رہیں گے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو صحیحین میں کئی طریقوں سے آئی ہے۔

(۱) مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ۔

کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو۔ بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جانور کے پیٹ سے صحیح وسالم جانور پیدا ہوتا ہے۔ کیا ان میں سے تم کسی کو کن کٹا پاتے ہو (ان کے کان تو بعد میں جاہل لوگ اپنی رسموں کی وجہ سے کاٹتے ہیں)

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَان ، اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ ابْنُ شِهَاب يُصَلّٰى عَلٰى كُلِّ مَوْلُوْدٍ مُتَوَفّٰى وَاِنْ كَانَ لِغَيَّةٍ (وَلَدُالزِّنَا) مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ يَدَّعِىْ اَبَوَاهُ الْاِسْلَامَ اَوْاَبُوْهُ خَاصَّةً وَاِنْ كَانَتْ اُمُّهٗ عَلٰى غَيْرِ الْاِسْلَامِ اِذَااسْتَهَلَّ صَارِخًا صُلِّىَ عَلَيْهِ وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى مَنْ لَّا يَسْتَهِلُّ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ سِقْطٌ فَاِنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ: مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَالنَّاسَ عَلَيْهَا الآيَة۔ (۲۶)

ترجمہ: ابن شہاب کا قول ہے۔ اگر نومولود مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگر اس نے بوقت ولادت چیخ ماری ہو، خواہ وہ ولدالزنا ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے کہ اس کی پیدائش فطرتِ اسلام پر ہوئی ہے۔ اس کے والدین اسلام کے داعی ہوں یا صرف باپ ہی اسلام کا دعویٰ کرتا ہو خواہ اس کی ماں مسلمان نہ ہو۔ بصورت دیگر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ چیخ نہ مارنے کی صورت میں وہ گرا ہوا تصور کیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں یہودی یا عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا ڈالتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر جانور کے پیٹ سے پورے کا پورا۔ صحیح وسالم جانور برآمد ہوتا ہے۔ کیا تم ان میں سے کسی کو کن کٹا پاتے ہو۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ یہ آیت تلاوت فرماتے۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَالنَّاسَ عليها۔

امام بخاری نے باب فی القدر میں ایک روایت ابو ہریرہؓ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

﴿۳﴾ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ كَمَا تُنْتِجُوْنَ الْبَهِيْمَةَ هَلْ تَجِدُوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتّٰى تَكُوْنُوْا اَنْتُمْ تَجْدَ عُوْلَهَا؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوْتُ وَهُوَ صَغِيْرٌ؟ قَالَ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔ (۲۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ابتداءً ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے تمہارے جانوروں کے پیٹ سے صحیح وسالم جانور پیدا ہوتے ہیں کیا ان میں سے اس وقت کسی کو کن کٹا پاتے ہو یہاں تک کہ تم خود ان کے کان کاٹ دیتے ہو؟ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! جو بچہ صغرسنی میں فوت ہو جائے اس کے متعلق آپؐ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔'' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے۔

اس حدیث میں فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اسلام پر پیدا ہونا ہے، کیوں کہ یہودیت، نصرانیت، اور مجوسیت کو اس کے بالمقابل بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس کی بعض روایتوں میں علیٰ فطرة الاسلام اور علی ہذہ الملة کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو

بات کو بالکل واضح کر دیتے ہیں۔اس سے یہ نتیجہ خود بخود نکلتا ہے کہ بچہ خواہ کافر ماں باپ ہی کا کیوں نہ ہو، اپنے والدین کے مذہب پر نہیں بلکہ اس فطری مذہب پر پیدا ہوتا ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔[1] (الروم:۳۰) وہ ماں کے پیٹ سے کفر لے کر نہیں آتا، بلکہ کفر، شرک، دہریت، جو کچھ بھی اس کو لاحق ہوتی ہے، بعد میں اپنے ماحول سے لاحق ہوتی ہے۔اب اگر وہ اس عمر کو نہ پہنچا ہو جس میں یہ بیرونی اثرات اس پر پڑیں اور وہ ان کو قبول کر کے کافر یا مشرک یا دہریہ بنے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی اس صحیح فطرت پر دنیا سے رخصت ہو گیا جو کفر اور معصیت سے پاک ہے۔کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس دارالعذاب میں بھیجا جائے جو صرف کافروں اور فاسقوں ہی کے لیے بنایا گیا ہے۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی وہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

۷۷۔ اِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِیْنِهِمْ (مسلم)

ترجمہ: میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا بعد میں شیاطین آئے اور انھیں ان کے دین سے ہٹا لے گئے۔

اس حدیث کی بعض روایتوں میں حنفاء مسلمین کے الفاظ ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلم حنیف پیدا فرمایا تھا۔اس سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو انسان شیطانی گمراہیوں کو اخذ اور اختیار کرنے سے پہلے مر جائیں وہ اسی حنیف کے عالم میں مرتے ہیں جو ان کا پیدائشی دین ہے، اور ان کے عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِیُّ، وَمُحَمَّدُبْنُ مُثَنّٰی، وَمُحَمَّدُبْنُ بَشَّارِبْنِ عُثْمَانَ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ غَسَّانَ وَابْنُ مُثَنّٰی قَالَا: نَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّیْرِ، عَنْ عِیَاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ خُطْبَتِهٖ: اَلَا اِنَّ رَبِّیْ اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیْ یَوْمِیْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَاِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِیْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ یُّشْرِكُوْا بِیْ مَالَمْ اُنْزِلْ بِهٖ سُلْطَانًا۔(۲۸)

۷۸۔ اس کے بعد وہ احادیث ملاحظہ ہوں جن میں صراحت ہے کہ کافر و مومن سب کے بچے جنت میں جائیں گے۔اس معنی میں سب سے زیادہ معتبر وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ نے کتاب التعبیر اور کتاب الجنائز میں حضرت سَمُرَۃؓ بن جُنْدُب سے نقل کی ہے۔اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے اپنا ایک طویل خواب سنایا جو آپؐ نے رات کے وقت دیکھا تھا۔اس خواب میں حضورؐ کو ثواب و عذاب سے مناظر دکھائے گئے تھے اور ایک جگہ جنت میں آپ کی ملاقات ایک طویل القامت بزرگ سے ہوئی تھی، جن کے گرد و پیش بہت سے بچے (اولاد الناس) تھے۔سیر کرانے والے فرشتے (جبریلؑ) نے آپ کو بتایا کہ یہ بزرگ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِیْنَ حَوْلَهٗ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَی الْفِطْرَةِ۔ ''رہے یہ بچے جو ان کے گرد و پیش ہیں، تو ان میں ہر وہ بچہ شامل ہے جو فطرت پر مرا ہے۔''

---

[1] قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔

اس کی تشریح چاہتے ہوئے حاضرین میں سے ایک صاحب نے سوال کیا اولا دالمشرکین؟ کیا ان میں مشرکین کے بچے بھی شامل تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ۔" ہاں مشرکین کے بچے بھی۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ اَبُوْهِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ، حَدَّثَنَا اَبُوْرَجَاءٍ، حَدَّثَنَا، سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَصْحَابِهٖ هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ؟ قَالَ فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاَنَّهٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانٌ وَاِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِيْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيَ انْطَلِقْ، وَاِنِّيْ انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَاِنَّا اَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ وَاِذَا اٰخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَاِذَا هُوَيَهْوِىْ بِالصَّخْرَةِ لِرَاْسِهٖ فَيَثْلَغُ رَاْسَهٗ فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُهٰهُنَا فَيَتْبَعُ الْحَجَرَفَيَاْخُذُهٗ فَلَا يَرْجِعُ اِلَيْهِ حَتّٰى يَصِحَّ رَاْسُهٗ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُوْدُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِهِ الْمَرَّةَ الْاُوْلٰى قَالَ: قُلْتُ: لَهُمَا سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا هٰذَانِ؟ قَالَ: قَالَالِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَاِذَا اٰخَرُقَآئِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوْبٍ مِنْ حَدِيْدٍ وَاِذَا هُوَيَاْتِيْ اَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهٖ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهٗ اِلٰى قَفَاهُ وَمَنْخِرَهٗ اِلٰى قَفَاهُ وَعَيْنَهٗ اِلٰى قَفَاهُ قَالَ وَرُبَّمَاقَالَ اَبُوْرَجَاءٍ: فَيَشُقُّ۔ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخَرِ فَيَفْعَلُ بِهٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْاَوَّلِ فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذٰلِكَ الْجَانِبِ حَتّٰى يُصِحَّ ذٰلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُوْدُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهٖ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْاُوْلٰى قَالَ: قُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا هٰذَانِ، قَالَ: قَالَا لِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَاَتَيْنَا عَلٰى مِثْلِ التَّنُّوْرِ قَالَ وَاَحْسِبُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فَاِذَا فِيْهِ لَغَطٌ وَاَصْوَاتٌ قَالَ: فَاطَّلَعْنَا فِيْهِ فَاِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَآءٌ عُرَاةٌ فَاِذَا هُمْ يَاْتِيْهِمْ لَهَبٌ مِنْ اَسْفَلَ مِنْهُمْ فَاِذَا اَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ: قُلْتُ لَهُمْ: مَا هٰؤُلَآءِ: قَالَ: قَالَا لِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَاَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ حَسِبْتُ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَحْمَرُ مِثْلَ الدَّمِ وَاِذَا فِي النَّهْرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ وَاِذَا عَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ قَدْجَمَعَ عِنْدَهٗ حِجَارَةً كَثِيْرَةً وَاِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ ثُمَّ يَاْتِيْ ذٰلِكَ الَّذِيْ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهٗ فَاهُ فَيُلْقِمُهٗ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ فَيَسْبَحُ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ اِلَيْهِ فَغَرَلَهٗ فَاهُ فَاَلْقَمَهٗ حَجَرًا قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَانِ؟ قَالَ: قَالَالِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ كَرِيْهِ الْمَرْاٰةِ كَاَكْرَهِ مَا اَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْاٰةً وَاِذَا عِنْدَهٗ نَارٌ لَّهٗ يَحُشُّهَاوَيَسْعٰى حَوْلَهَا قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا؟ قَالَ: قَالَا لِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ نَوْرِالرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهٗ طُوْلًا فِي السَّمَآءِ وَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا مَا هٰؤُلَآءِ قَالَ: قَالَا لِيَ انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَرَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَ: قَالَا لِيَ ارْقَ فِيْهَا قَالَ: فَارْتَقَيْنَا فِيْهَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى